عالم اسلام پر مغرب کا تسلّط

اسباب و نتائج

محمد وثیق ندوی

دار الرشید
لکھنؤ

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر

عالم اسلام پر مغرب کا تسلّط

اسباب و نتائج

محمد وثیق ندوی

دار الرّشید
لکھنؤ

۱۴۳۶ھ - ۲۰۱۴ء

نام کتاب	:	عالم اسلام پر مغرب کا تسلط: اسباب و نتائج
مؤلف	:	محمد وثیق ندوی
صفحات	:	۳۲۰
تعداد	:	گیارہ سو
سن اشاعت	:	۱۴۳۶ء - ۲۰۱۴ء
قیمت	:	دوسو روپے۔ Rs: 250

ملنے کے پتے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، فون: 0522-2741539

مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، امین آباد، لکھنؤ، فون: 9415912042

مکتبہ ندویہ، احاطہ ندوۃ العلما، لکھنؤ، فون: 9335070285

مکتبہ احسان، مکارم نگر، لکھنؤ، فون: 9793118234

مکتبۃ الشباب العلمیۃ، شباب مارکیٹ، مکارم نگر، لکھنؤ 9696437283

الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ (0522)2610443. 6535664:

ناشر

دار الرشید

Dar Al Rasheed

164/106 Khatoon Manzil, Haidar Mirza Road

Golaganj, Lucknow. Mo: 9452294097-9838154415

e-mail:daralrasheed17@gmail.com

فہرست

پیش گفتار	۹
اپنی بات	۱۲
مقدمہ	۱۷
پیش لفظ	۲۶
تقریظ	۳۴
دیباچہ	۳۷
مغرب کی اسلام دشمنی کے عوامل اور اس کا پس منظر	۴۰
تاریخی پس منظر	۴۰
لوئی نہم کی وصیت	۴۱
اقتصادی اور سیاسی پس منظر	۴۹
عیسائی مشنری	۵۷
آغاز اور کلیدی شخصیات	۵۷
عقائد وافکار اور افترا پردازیاں	۶۳
عیسائی مشنری کی اہم کانفرنسیں	۶۶
عیسائی مشنری کے اہم مراکز	۶۹
مشنری کا عالمی نیٹ ورک	۷۱
خطرناک تصنیفات	۷۴
مشنریز کے وسائل وامکانات	۷۵
تعلیم	۷۸
مسلح جماعتیں	۸۰
استشراق	۸۶
استشراق کی تعریف	۸۶
استشراق کا آغاز	۸۸
انفرادی استشراقی کوششیں	۸۸

استشراق کی منظم کوششیں اور کلیسا کی سرپرستی	۹۰
مستشرقین کا طریقۂ کار	۹۲
مستشرقین کے اثرات	۹۳
انصاف پسند مستشرقین اور ان کی تصنیفات	۹۸
خطرناک اور متعصب مستشرقین	۱۰۰
مستشرقین کی علمی خدمات	۱۰۳
مستشرقین کی کوشش اور بحث وتحقیق سے شائع ہونے والی کتابیں	۱۰۴
یہودی مستشرقین	۱۰۶
علمی حلقوں اور مشرقی یونیورسٹیوں میں مستشرقین کی کتابوں پر اعتماد	۱۰۷
استشراق کے محرکات ومقاصد	۱۰۹
دینی محرک ومقصد	۱۰۹
اقتصادی وتجارتی مقاصد	۱۱۰
سیاسی محرک ومقصد	۱۱۱
علمی محرک ومقصد	۱۱۲
استشراق کے وسائل	۱۱۳
تصنیف وتالیف	۱۱۳
استشراقی اشاعتی ادارے	۱۱۴
مجلات ورسائل	۱۱۵
مشنریوں کا قیام	۱۱۵
علمی اداروں میں محاضرات کا انتظام	۱۱۶
استشراقی مضامین کی اشاعت	۱۱۶
علمی اداروں اور اکیڈمیوں میں ممبرشپ	۱۱۶
کانفرنسوں کا انعقاد	۱۱۷
عربی معاجم اور لغات کی تیاری	۱۱۷
استشراق کے مراکز	۱۱۷
سامراجی رجحان	۱۱۸
نیا رجحان	۱۱۹

لائحہ عمل	۱۲۲
صہیونیت	۱۲۷
صہیونیت کی نسبت	۱۲۷
تاریخی پس منظر	۱۲۷
موجودہ صہیونیت	۱۲۹
سلطان عبدالحمید کا جواب	۱۳۰
خلافت عثمانیہ کے خلاف سازشوں کا آغاز	۱۳۰
ترکی میں اتحاد وترقی انجمن کا قیام	۱۳۰
نوجوان ترک	۱۳۱
ایک تاریخی خط	۱۳۲
مصر میں صہیونی منصوبہ	۱۳۴
باسل کانفرنس	۱۳۴
چارنکاتی پروگرام	۱۳۵
بالفور معاہدہ	۱۳۵
صہیونی مراکز	۱۳۶
صہیونیت کے عقائد وافکار	۱۳۷
توریت	۱۳۷
تلمود	۱۳۸
تلمودی تعلیمات کے چند نمونے	۱۳۹
صہیونی دانشوروں کے پروٹوکول	۱۴۲
صہیونی تصور زندگی	۱۴۳
صہیونی مسیحیت	۱۵۱
عالمی یہودی تنظیم: فری میسن کلب	۱۵۸
تاریخِ قیام	۱۵۹
پہلا لاج	۱۶۰
ماسونیت کے ممتاز مفکرین ودانشور	۱۶۰
افکاروعقائد	۱۶۱

رکن بنانے کا طریقہ	۱۶۴
فری میسن کلب کا دائرۂ اثر	۱۶۵
روٹری کلب	۱۶۷
افکار و تصورات	۱۶۸
مارونیت	۱۷۲
مارونیت کے افکار و عقائد	۱۷۶
یہودیت	۱۷۸
بنی اسرائیل	۱۷۸
یہودیت کی بنیاد	۱۸۰
حضرت موسیٰؑ اور یہود	۱۸۰
یوشع بن نونؑ	۱۸۱
عہد القضاۃ	۱۸۲
طالوت	۱۸۲
حضرت داودؑ	۱۸۲
حضرت سلیمانؑ	۱۸۳
جادو ٹونے کا آغاز	۱۸۳
یہودیہ اور سامریہ ریاستیں	۱۸۳
مملکت اسرائیل کا خاتمہ	۱۸۴
ریاست یہودیہ کا خاتمہ	۱۸۴
یہودیوں کی پہلی تباہی	۱۸۵
فلسطین میں دوبارہ واپسی	۱۸۵
فلسطین پر یونانیوں کا قبضہ	۱۸۶
یہودیوں میں بت پرستی کا رواج	۱۸۷
یہودیوں میں خانہ جنگی	۱۸۷
ایرانی اور رومی رسہ کشی اور یہود	۱۸۷
اس عہد کے انبیائے یہود	۱۸۸
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہودیوں کا سلوک	۱۸۸

یہودیوں کی دوسری تباہی	۱۸۹
قدس سے یہودیوں کی جلاوطنی	۱۸۹
بدترین تاریخ	۱۹۰
آسمانی مذاہب میں تحریفی کوششیں	۱۹۵
یہودی فکر کے مصادر و مآخذ	۲۰۰
تورات	۲۰۰
توریت میں تحریف کیوں کی گئی؟	۲۰۱
تلمود	۲۰۲
تلمود کی روشنی میں یہودی عقائد	۲۰۵
مغرب کے انسانیت سوز جرائم	۲۱۱
مغرب کی دہشت گردی	۲۱۸
عیسائیت اور کلیسا کے مظالم	۲۲۳
تجدد اور مغرب زدگی	۲۳۸
مغربیت کے افکار	۲۴۱
تجدد اور مغربیت کی فکری جڑیں	۲۴۳
تجدد اور مغرب زدگی کے اثرات	۲۴۴
مغربی تہذیب کی پیروی کے نتائج	۲۴۷
مغربی سامراج	۲۵۰
مغرب کا گمراہ کن پروپیگنڈہ	۲۵۸
تہذیب جدید اور اس کے اثرات	۲۷۰
تہذیب جدید کے عناصر	۲۷۳
جدید مغربی تہذیب پر یونانی اور رومی فکر کے اثرات	۲۷۸
یونانی تہذیب	۲۷۹
رومی تہذیب	۲۸۰
مغربی تہذیب پر رہبانیت کا اثر	۲۸۲
کلیسا کا اثر	۲۸۳
تلمودی اور صہیونی تہذیب	۲۸۳

صیہونی منصوبہ	۲۸۵
موجودہ تہذیب	۲۸۸
مادہ پرستی	۲۸۹
زر پرستی	۲۹۰
مذہب بیزار تہذیب	۲۹۱
اباحیت مطلقہ	۲۹۳
تہذیب جدید میں انسان کی تحقیر	۲۹۴
موجودہ صورت حال	۲۹۵
مغرب کی موت	۲۹۷
موجودہ تمدن کا خطرناک رجحان	۳۰۲
اسلام ایک مکمل اور ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے	۳۰۳
اسلامی تہذیب اور اس کی خصوصیات	۳۰۶
اسلامی تہذیب کا ضمیر وخمیر	۳۱۰
اسلامی تمدن اور مغربی تمدن میں فرق	۳۱۰
تمدن کی اہمیت	۳۱۱
مغربی تہذیب کا خطرہ	۳۱۲
اسلامی تہذیب کیسے موثر ہو سکتی ہے؟	۳۱۲
تہذیبی لائحہ عمل کیا ہو؟	۳۱۳
مذہب واخلاق	۳۱۴
مادیت	۳۱۵
مذہب کا مقصد	۳۱۵
صالح معاشرہ کی بنیاد	۳۱۶
مذہب بیزار سماج	۳۱۶
مسلم ممالک کا کردار اور وقت کی ضرورت	۳۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش گفتار

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد۔

''عالم اسلام پر مغرب کا تسلط: اسباب و نتائج'' نام کی یہ کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے، یہ کتاب نہیں، ایک دستاویز ہے، غور سے پڑھنے اور حفاظت سے رکھنے کی، دوسروں تک پہنچانے اور ان کو پڑھنے پر آمادہ کرنے کی، مغرب کے تسلط کا رونا ہم میں سے ہر شخص روتا ہے، مغرب کی بالادستی کا ماتم ہم میں سے ہر شخص کرتا ہے، مغرب کی اجارہ داری سے بیزار ہم میں ہر شخص نظر آتا ہے، لیکن افسوس کہ نہیں روتا تو اپنی بے مائیگی پر، نہیں ماتم کرتا تو اپنی غلامی پر، نہیں بیزار نظر آتا تو پے در پے اپنی رسوائیوں سے، وہ آج کا مغرب دیکھتا ہے، پست ہمتی میں مبتلا ہوتا ہے، احساس کمتری کا شکار ہوتا ہے، مایوسی کی اندھیری وادیوں میں ڈوبتا چلا جاتا ہے، لیکن افسوس کہ وہ کل کا مشرق نہیں دیکھتا، چمکتا اور دمکتا ہوا، روشنی بکھیرتا ہوا، ترقی کی چوٹی پر پالتھی مارے بیٹھا ہوا، کاش کہ ایک نظر وہ ادھر بھی ڈال لیتا، امیدوں کی قندیلیں روشن ہو جاتیں اور مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں امید کا سورج جگمگانے لگتا۔

ہم کل کیا تھے، ہم خود ہی نہیں جانتے، ہمارے بچے نہیں جانتے، اور بچے کیا جانیں گے جب ان کے ماں باپ ہی نہیں جانتے، جب کہ یہ کل کا دن ابھی کل ہی گزرا ہے، مہک اس کی ابھی باقی ہے، تازگی اس کی ابھی برقرار ہے، آہٹ اس کی آج بھی محسوس ہوتی ہے، اور محسوس کیا، سنائی دیتی ہے، خیر جانے دیجیے اس نسل کو جو ابھی دنیا میں نہیں آئی، آپ اپنی بات کیجیے، اپنے دور کی بات کیجیے، کیا آپ کو یقین آئے گا اپنے اس ''کل'' پر جس میں ہم فلکیات، سائنس، کیمیا اور طب میں پورے یورپ کے استاد تھے، جس ''کل'' میں امام رازی

کی طب پر لکھی ہوئی کتاب نقرس، پتھری، مثانہ، گردے اور بچوں کے امراض میں آج بھی مرجع بنی ہوئی ہے، جس ''کل'' میں عیسائی بادشاہ لوئی کو عرب مسلمان مصنف کی کتاب کی ضرورت پڑی، تو صرف کچھ وقت کے لیے لینے پر بطور ضمانت ایک بڑی رقم اس کو جمع کرنا پڑی۔

اب یورپ کا ''کل'' بھی دیکھیے، کیا آپ کو یقین آئے گا؟ یورپ کے اس کل پر جس ''کل'' میں عیسائی دنیا میں سوائے چند افراد کے نہ کوئی لکھنا جانتا اور نہ پڑھنا، جس ''کل'' میں یورپ کے بڑے بڑے شہر دیہاتوں سے بھی بدتر تھے، نہ علم تھا نہ ہنر تھا، نہ تہذیب تھی نہ صنعت، پورا یورپ مادی، ادبی، تہذیبی، علمی، ثقافتی، صنعتی اور تجارتی لحاظ سے پسماندہ تھا اور انتہائی پسماندہ، جس ''کل'' میں پورے یورپ میں صرف ایک لائبریری تھی، اور لائبریری کیا تھی، ایک الماری تھی، اور الماری کیا تھی، ایک تختہ تھا جس پر صرف ایک کتاب تھی، وہ بھی انگریزی میں نہیں، عربی میں، عیسائی کی نہیں، مسلمان کی، جس ''کل'' میں یورپ میں آپریشن ہوتا تھا، بیہوش کر کے نہیں، آپریشن تھیٹر میں نہیں، ڈاکٹروں کی ٹیم کی نگرانی میں نہیں، الکٹرانک مشینوں کے سائے میں نہیں، کھلے میدان میں، گرد اور غبار میں، کلہاڑی سے، بالکل اسی طرح جس طرح ایک لکڑہارا لکڑی کاٹتا ہے، سلطان صلاح الدین ایوبی کے سفیر اسامہ بن منقذ کا سفرنامہ نہ ہوتا تو شاید ہم یہی سمجھ رہے ہوتے کہ یورپ پیدا ہی مشینوں کے ساتھ ہوا تھا اور ترقی کی گود میں پروان چڑھا تھا۔

یہ کتاب ہمیں یہی ''کل'' دکھاتی ہے، اپنی بھی اور ان کی بھی، ماضی کے اوراق پلٹتی ہے، حقائق کو سامنے لاتی ہے، یورپ کی عیاری پر پڑی نقاب کو الٹتی ہے، یہ ہمیں بتاتی ہے کہ ہماری پسماندگی کے اسباب کیا ہیں؟ یورپ کی ترقی کی وجوہات کیا ہیں؟ ہم سے اتنا خائف آخر وہ کیوں ہے؟ سازشوں کا جال ہمارے خلاف اس نے کیوں کر بچھا رکھا ہے؟، اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لیے وہ کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہے؟ اس سے مقابلہ کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو کیسے روکا جاسکتا ہے؟، اس کی تہذیبی یلغار کو کیسے ناکام بنایا جاسکتا ہے؟ اور اپنا کھویا ہوا مقام کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟۔

ضرورت ہے اس کتاب کو غور سے پڑھنے کی، سمجھنے کی، اسباب تک پہنچنے اور نتائج اخذ کرنے کی، یہی اس کتاب کا مقصد اور یہی اس کے نوجوان مصنف کی کوشش ہے، لیکن یہ کوشش اسی وقت نتیجہ خیز ثابت ہوگی جب ہم میں اس کتاب کو پڑھ کر بیداری پیدا ہوگی، غیرت کچھ جوش مارے گی، اور کچھ کرگزرنے پر طبیعت آمادہ ہوگی۔

مولانا محمد وثیق ندوی (استاد تفسیر وادب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے اس موضوع پر نہ صرف یہ کہ مطالعہ کیا، بلکہ خوب مطالعہ کیا، کتابوں کا بھی، رسائل کا بھی، مقالات اور مضامین کا بھی، پھر اس مطالعہ کا نچوڑ ہم جیسے ناواقف اور تاریخ سے بے گانہ لوگوں تک پہنچایا۔

یہ کتاب وقت کی ضرورت تھی جو انہوں نے پوری کی، اور اس کو آپ تک پہنچانے کی ذمہ داری ''دار الرشید'' نے انجام دی، اب کام آپ کا اور ہمارا ہے کہ ہم اس کتاب سے کتنا فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اس کتاب کی روشنی میں اپنے لیے کیا لائحہ عمل طے کرتے ہیں؟۔

جعفر مسعود حسنی ندوی

۴/محرم الحرام/۱۴۳۶ھ

۲۹/اکتوبر/۲۰۱۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خير البشر سيد الأنبياء وخاتم الرسل محمد بن عبد الله الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان، ودعا بدعوتهم إلى يوم الدين وبعد۔

۲۰۰۳ء میں امریکہ نے عراق پر حملہ کیا،حملہ کے دوران ایک دن استاد گرامی قدر مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی (معتمد تعلیم ندوۃ العلماء) نے ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے عربی جریدہ ''الرائد'' کے قدیم دفتر میں ایک نجی گفتگو میں سامراج کی تاریخ بیان کی اور بتایا کہ عالم اسلام پر قبضہ کرنے کے لیے مغربی طاقتوں کے کیا عزائم اور منصوبے ہیں، ان کے وسائل اور طریقے کار کیا ہیں، انسانیت دشمن تخریبی تنظیمیں اور انجمنیں کون ہیں اوران کے مقاصد کیا ہیں، وہ تخریبی سرگرمیاں کس طرح انجام دیتی ہیں، اور مسلمان بے خبری اور ناواقفیت کی وجہ سے دشمنوں کے کس طرح آلۂ کار بن جاتے ہیں، گفتگو کے اخیر میں فرمایا کہ یہ وقت کا اور فکر اسلامی کا ایک اہم موضوع ہے،اس دور میں اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے، بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ دیگر موضوعات کے مقابلہ میں اس کو اختیار کرنے کی ضرورت زیادہ ہے،اور مسلم داعیوں کو علم اور تعلیم کے راستہ سے کام کرنا چاہئے، اس لیے کہ آج امت مسلمہ جن خطرات، چیلنجوں اور مسائل سے دوچار ہے، وہ سب سامراج کے پیدا کردہ ہیں،اور مغرب علم، ثقافت، ادب اور فکر کے راستہ سے اسلام پر حملہ آور ہے،اور اسی راستہ سے اسلام دشمن طاقتیں اسلام کے بنیادی سرچشموں قرآن وحدیث کے تعلق سے مسلمانوں میں شکوک وشبہات پیدا کررہی ہیں، اتباع رسول کو قدامت پرستی قرار دیا جارہا ہے،

امت واحدہ میں دین بیزاری، انتشار وخلفشار اور آپسی ٹکراؤ پیدا کیا جارہا ہے اور مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر کر کے ان کو چھوٹے چھوٹے خانوں میں بانٹا جارہا ہے، اسلام اور نبی اسلام کے تئیں نئی نسل کے ذہن کو مسموم کیا جارہا ہے اور اسلام کو مسلمانوں کی پستی اور ناکامی کا سبب بنا کر پیش کیا جارہا ہے، اس پر عربی اور انگریزی میں بہت مواد موجود ہے، برصغیر کے مسلمانوں کو ان کی زبان میں ان خطرات اور مغرب کی فکری، علمی اور تہذیبی یلغار سے واقف کرانے کی شدید ضرورت ہے۔

اسی وقت سے میرے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس موضوع پر کچھ کام کیا جائے اور استاد محترم نے ایک خاکہ بھی مرتب کر دیا اور مراجع اور کتابوں کی نشان دہی بھی کر دی، لیکن اپنی علمی بے بضاعتی اور موضوع کی اہمیت کی وجہ سے فوراً ہمت نہ کر سکا، لیکن استاد گرامی قدر کی تربیت اور رہنمائی نے اس راہ کو آسان کر دیا، اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے کام شروع کر دیا، اس کے بعد ۲۰۰۶ء میں جب جناب مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی (صدر شعبہ عربی دار العلوم ندوۃ العلماء) کو ندوۃ العلماء کے ترجمان ''تعمیر حیات'' کی ادارت تفویض ہوئی تو انہوں نے استاد محترم مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی صاحب سے مشورہ کے بعد ''ہوشیار اے ملت بیضائے ما'' کے مستقل عنوان سے ''تعمیر حیات'' میں لکھنے کے لیے پابند کیا، اس طرح اور ہمت افزائی ہوئی، اگر چہ بعد میں اہم اور ضروری دیگر علمی مصروفیات کی وجہ سے ''تعمیر حیات'' میں یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا، لیکن اس موضوع کا مطالعہ جاری رہا اور مولانا محترم کے ترتیب دیے ہوئے خاکہ کے مطابق معلومات کو مرتب کرتا رہا جو آپ کے سامنے موجود ہے۔

اس کتاب کی تیاری کے دوران سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اپنے علمی سرپرستوں کی رہنمائی میں سیرت، تاریخ، اسلامی ثقافت، عربی زبان وادب اور فکر اسلامی کے ممتاز حاملین کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا، اور فکر اسلامی کی وسعت اور ضرورت کا اندازہ ہوا، اس لیے کہ فکر اسلامی کا موضوع زندگی کے کسی ایک پہلو تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا دائرہ

زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے، اور اس سے واقفیت کے لیے علوم شریعت، تاریخ، ادب، سماج، علم نفسیات، تعلیم وتربیت کے قدیم وجدید افکار ونظریات، تاریخ اقوام ومذاہب، قوموں کی تہذیب وثقافت، ملکوں کے جغرافیائی، سیاسی اور اقتصادی حالات سے واقف ہونا ضروری ہے، خصوصاً اسلامیات اور غیر اسلامیات کا مطالعہ اور اس سے واقفیت انتہائی ضروری ہے، اس موضوع کو سمجھنے میں علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء)، مصطفیٰ صادق الرافعی (۱۸۸۰ء-۱۹۳۷ء)، امیر شکیب ارسلان (۱۸۶۹ء-۱۹۴۶ء) محمد کرد علی (۱۸۷۶ء-۱۹۵۳ء)، علامہ سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴ء-۱۹۵۳ء) عباس محمود العقاد (۱۸۸۹ء-۱۹۶۴ء)، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی (۱۹۱۵ء-۱۹۶۴ء)، سید قطب شہید (۱۹۰۶ء-۱۹۶۶ء) محب الدین الخطیب (۱۸۸۶ء-۱۹۶۹ء)، مالک بن نبی (۱۹۰۵ء-۱۹۷۳ء)، عبد اللہ التل (۱۹۱۸ء-۱۹۷۳ء)، علال الفاسی (۱۹۱۰ء-۱۹۷۴ء)، مولانا مودودی (۱۹۰۳ء-۱۹۷۹ء)، محمد الحسنی (۱۹۳۵ء-۱۹۷۹ء)، محمد البہی (۱۹۰۵ء-۱۹۸۲ء)، محمد المبارک (۱۹۱۲ء-۱۹۸۳ء)، محمد محمد حسین (۱۹۱۲ء-۱۹۸۲ء)، سعید حوی (۱۹۳۵ء-۱۹۸۹ء) محمد اسد (۱۹۰۰ء-۱۹۹۲ء)، محمد جلال کشک (۱۹۲۹ء-۱۹۹۳ء)، محمد الغزالی (۱۹۱۷ء-۱۹۹۶ء)، محمود محمد شاکر (۱۹۰۹ء-۱۹۹۷ء)، محمد متولی شعراوی (۱۹۱۱ء-۱۹۹۸ء)، شیت خطاب (۱۹۱۹ء-۱۹۹۸ء)، علی طنطاوی (۱۹۰۹ء-۱۹۹۹ء) علامہ سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (۱۹۱۳ء-۱۹۹۹ء) انور جندی (۱۹۱۶ء-۲۰۰۲ء)، معروف دوالیبی (۱۹۰۷ء-۲۰۰۴ء)، کامل الشریف، (۱۹۲۸ء-۲۰۰۸ء)، فتحی یکن (۱۹۳۳ء-۲۰۰۹ء)، علی محمد جریشہ (۱۹۳۵ء-۲۰۱۱ء) مریم جمیلہ (۱۹۳۴ء-۲۰۱۲ء)، محمد قطب (۱۹۱۹ء-۲۰۱۴ء) مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (ولادت ۱۹۲۹ء) ڈاکٹر محمد عمارہ (ولادت ۱۹۳۱ء)، فہمی ہویدی (ولادت ۱۹۳۵ء) مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی (ولادت ۱۹۳۵ء) اور عماد الدین خلیل (ولادت ۱۹۳۹ء) کی تحریروں سے بڑی مدد ملی اور یہی وہ اساطین علم وادب اور اصحاب فکر ودعوت ہیں جو عصر حاضر میں فکر اسلامی کے علمبردار رہے۔ ان حضرات کی کتابیں اور تحریریں مغربی فکر وفن، یورپی ثقافت وتمدن، یورپ کے انسانیت سوز جرائم، یورپی افکار

ونظریات اور مغربی ومادی فلسفہ کی حقیقت کو واشگاف کرتی ہیں اور اسلام کے خلاف مغرب کے فکری وتہذیبی حملہ اور اس کے سامراجی عزائم ومقاصد سے پردہ اٹھاتی ہیں اور اسلام کے تصور حیات کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں۔

کتاب میں جو اعداد وشمار دیے گیے ہیں ان میں عالم عربی سے نکلنے والے مجلّات خصوصاً عربی مجلّہ ''المجتمع'' (کویت) ''المشکاۃ'' (وجدہ، مراکش) ''المحجة'' (فاس، مراکش) ''أخبار العالم الاسلامي'' (مکہ مکرمہ) اور ''الوعي الإسلامي'' (کویت) اور دیگر رسائل وجرائد اور ویب سائٹوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، کوشش یہ کی گئی ہے کہ حقائق کو پیش کرنے میں مغربی اور یورپی دانشوروں اور مورخین کے اقتباسات زیادہ سے زیادہ پیش کیے جائیں، اور یہ اقتباسات عربی کتابوں سے لیے گئے ہیں، اس لیے کہ عربی میں اس موضوع پر بہت کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے، اردو میں اس موضوع پر کام کم ہوا ہے بلکہ نہ کے برابر ہے، اسی طرح حوالوں اور مراجع کی فہرست بھی دی گئی ہے تاکہ قاری کو مزید معلومات حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

اس کتاب میں حضرۃ الاستاذ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی جن کا شمار عصر حاضر کے عظیم اسلامی دانشوروں، مغربی افکار ونظریات، موجودہ مغربی تہذیب وتمدن کی حقیقت، یورپ کی قدیم وجدید تاریخ اور معاصر اسلامی وعربی تاریخ کے واقف کاروں اور عالمی صحافیوں میں ہوتا ہے، ان کا مشورہ شامل حال رہا ہے، حضرۃ الاستاذ نے اپنی مشغولیتوں اور انہماک کے باوجود کتاب کے مندرجات کو لفظاً لفظاً سنا اور تصحیح وتصویب کے ساتھ قیمتی پیش لفظ لکھ کر کتاب کو اور معتبر بنا دیا ہے۔

بقیۃ السلف عالم ربانی مرشدی وسیدی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنے گرانقدر مقدمہ سے اس کتاب کی قدر وقیمت اور زینت بڑھا کر عزت افزائی فرمائی، استاد گرامی قدر ڈاکٹر مولانا سعید الرحمٰن اعظمی صاحب ندوی (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء وچیف ایڈیٹر البعث الاسلامی) نے ایک قیمتی تقریظ لکھ کر کتاب کے وقار کو بڑھا دیا ہے اور

اسی طرح استاد محترم مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی نے مسودہ پر نظر ڈالی اور دیباچہ بھی لکھا اور کتاب کی اشاعت کا بار بار حکم دیا، میں ان سب حضرات کا شکر گزار ہوں۔ فجزاهم الله خير الجزاء وأحسنه وبارك في أعمارهم ومتّعهم بالصحة والعافية (آمین)۔

اس کتاب کی تیاری میں جن حضرات کا تعاون ملا ان میں میرے علمی سرپرستوں کے علاوہ محبی مولانا نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی، مولانا محمد خالد گونڈوی ندوی اور مولانا عبد الرحیم ندوی ہیں، جنہوں نے مسودہ کو دیکھا اور مفید مشورے دیے، میں ان حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں اور دیگر معاونین کا بھی شکر گزار ہوں۔

اخیر میں اپنے مخلص کرم فرما مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی (ایڈیٹر "الرائد") کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے پیش گفتار کے ساتھ "دار الرشید" کی طرف سے اس کی اشاعت کا انتظام فرمایا، اللہ انہیں جزائے خیر عطا کرے۔

یہ کوئی علمی کتاب نہیں، بلکہ عالم اسلام پر مغربی تسلط کی ایک ڈاکومنٹری ہے، جس میں عالم اسلام، مغرب کی فکری، علمی اور تہذیبی یلغار، اسلام دشمن تخریبی تنظیموں، انجمنوں اور دین بیزار افکار ونظریات کے متعلق معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں، اس اعتبار سے یہ کتاب اس موضوع کے بیشتر مسائل پر محیط ہوگئی ہے، ویسے تو کسی بھی انسانی کوشش کو نقص سے پاک، عیوب سے خالی اور پوری طرح مکمل نہیں کہا جاسکتا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو لکھنے والے اور پڑھنے والوں کے لیے نافع بنائے اور حسن قبول عطا فرمائے (آمین)۔

ہیچ مداں

محمد وثیق ندوی

استاد دار العلوم ندوۃ العلماء

ومعاون ایڈیٹر "الرائد" ندوۃ العلماء لکھنؤ

۹/ذوالحجہ/۱۴۳۵ھ

۵/اکتوبر/۲۰۱۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

بقلم: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين و خاتم النبيين محمد بن عبد الله الأمين، و على آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان ودعا بدعوتهم إلى يوم الدين، وبعد۔

اللہ تعالی نے حضرت محمد بن عبد اللہ النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری پیغمبر مقرر فرمانے کے ساتھ یہ بھی طے فرمادیا کہ انسانی دستور حیات اب مقامی اور محدود زمانی دائرہ تک محدود نہ رہتے ہوئے عالمی سطح کا اور دائمی وابدی دستور حیات ہوگا، وہ اس طریقہ کی رو سے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بدلتے رہنے والے حالات سے مطابقت بھی رکھے گا، اس کی بنیاد پر اس میں دو اہم خصوصیتیں پائی جاتی ہیں: ایک توسط واعتدال کی خصوصیت جس کی بنا پر وہ سب کے لیے قابل عمل ہے، اور دوسری خصوصیت اس میں سہولت کا پہلو ہے تاکہ اس پر عمل کرنے میں دشواری نہ ہو، اور یہ دونوں خصوصیتیں اس دستور حیات میں ایک طرف جامعیت پیدا کرنے والی اور دوسری طرف اس کے دوام کا ذریعہ بنیں، اور اس جامعیت کی خاص بات یہ ہے کہ یہ دستور انسان کی دینی اور دنیاوی دونوں ضرورتوں کا حامل ہے، مثلاً یہی دیکھئے کہ قرآن مجید میں جو اس دستور حیات کا مصدر اول ہے، بنیادی ہدایات میں جگہ جگہ نماز اور غریبوں کی مدد کی تلقین ملتی ہے، نماز قائم کرو اور غریبوں کی مدد کرو، نماز یعنی اپنے رب کے لیے اپنی عبدیت کا اظہار اور زکوۃ یعنی غریب الحال کی مدد اور اس کی دنیاوی پریشانی کو دور کرنے کا اہتمام، ایک

طرف اپنے رب کی رضا کے حصول کے لیے عبادتی عمل اور دوسری طرف انسانی ضرورت کے تقاضوں کا لحاظ اور اجازت، اس طرح اس میں اسلامی طریقۂ حیات کے مختلف پہلوؤں میں جو عبادتی ہوں یا معاشرتی ہوں، پروردگار عالم کی بندگی کے ساتھ دنیاوی زندگی کی ضرورتوں اور ضروری تقاضوں کے حل اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، جس کی بنا پر شریعت اسلامی جس میں انسانی زندگی کے تقاضوں اور ضرورتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، نہایت اعلیٰ اور انسانی ضرورت کے لائق قانون حیات کی حیثیت کی مالک بن گئی ہے۔

لیکن انسان جب اعلیٰ سطح کی مخلوق ہونے کی اقدار کو اہمیت دیتا ہے تو اس دستور کے ذریعہ اعلی مخلوق کے مقام بلند تک پہنچ جاتا ہے، اور جب انسانی خصوصیات نہ رکھنے والی مخلوقات کے اندر پائی جانے والی عدم ذمہ داری اور نفسانیت تک محدود طرز زندگی کو اپنی سیرت کے لیے نمونہ سمجھ لیتا ہے تو زندگی کی پست ترین سطح پر اتر آتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جو انبیاءؑ آئے وہ عموماً علاقائی دائرہ کے اندر آئے اور بنی اسرائیل کے انبیاءؑ عموماً بنی اسرائیل کے نسلی دائرہ کے اندر مبعوث ہوئے، غالباً وجہ یہ ہوئی کہ اس وقت دنیا کے مختلف علاقوں کے درمیان رابطہ کے وسائل نہ تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے دنیا میں علاقائی محدودیت ختم ہو کر عالمی سطح کا ربط عمل میں آنے لگا، اسلام کی فتوحات جزیرۃ العرب سے نکل کر ایک طرف مشرقی علاقوں تک پہنچیں، تو دوسری طرف مغرب کے کناروں تک پہنچیں، اور اس طرح مختلف علاقوں، مختلف نسلوں اور مختلف تہذیبوں کو اس نے اپنے دائرہ میں لے لیا، اسی کے ساتھ پیام الٰہی قرآن کریم کی حفاظت کا فیصلہ ہونے سے اسلامی دعوت میں امتداد زمانہ کے اثر سے بگاڑ کے حاوی ہونے کا خطرہ ویسا نہیں رہا جیسا پہلے تھا، ایک علاقہ یا ایک نسل میں امتداد زمانہ کے سبب اگر بگاڑ حاوی ہوا تو اس کی جگہ دوسری نسل اس کا بدل بنی اور اس نے اسلام کی اصلیت کو باقی رکھا، اس طرح اسلام ایک طرف عالمی پیمانہ کا اور دوسری طرف دائمی حیثیت کا مذہب ہونے میں کامیاب رہا، البتہ اس سے عناد اختیار کرنے والے بدلتے رہے؛ اول دور میں شرک کے علمبردار حلقے، پھر نبوی ہدایات سے منحرف

یہودی حلقے، پھر عقیدۂ تثلیث کے شدت پسند حلقے اس کے دشمن بنے، اور پھر یہ یہودی اور عیسائی دونوں کے متعصب حلقے آپسی تعاون کے ساتھ اور سازشی انداز سے اسلام کے مشترک دشمن بنے، ان کی سازشیں صہیونیت، ماسونیت، سامراج، استشراق اور تخریبی تنظیموں کے تحت کام کرتی رہیں، ان سے بچاؤ اور اپنے دین کے دفاع کے لیے دشمنوں کے سازشی طریقوں کو جاننے کی ضرورت رہی اور یہ ضرورت برابر باقی ہے، اس کے لیے اہل دانش کو تصنیف وتحریر اور اس کے وسائل کے ذریعہ خدمت انجام دینے کی ضرورت برابر رہی ہے، اس کام میں اسلام کے اپنی اصلی حالت میں محفوظ رہنے کی جو ضمانت رب العالمین کی طرف سے ملی ہے اس سے بڑی مدد حاصل رہی، چنانچہ جو بھی کھلے ذہن، صاف دل اور تعصب سے بلند ہو کر اسلام کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کی اصلی حالت سے واقف ہوتا ہے تو وہ اس کا ہم نوا ہو جاتا ہے، جس کی مثالیں برابر سامنے آرہی ہیں۔

انسانی تاریخ میں انسانوں کی زندگی میں دو طرح کی خصوصیات برابر پائی جاتی رہی ہیں اور ان کے درمیان کشمکش بھی جاری رہی ہے، اسی کے لحاظ سے یہ بات بھی سامنے آتی رہی ہے کہ اعلی انسانی اقدار کے پسند کرنے والے پابند شریعت لوگ بھی ہوتے رہے ہیں، اور انسان کی خدمت کے لیے پیدا کی گئیں مخلوقات کی غیر ذمہ دارانہ اور صرف نفس پسند زندگی کی نقل کرنے والے جاہلیت کی تہذیب کے علم بردار بھی رہے ہیں، اور دونوں طبقوں کے درمیان کشمکش برپا ہوتی رہی ہے، قرآن مجید میں اس طرح کے دونوں طبقوں کی طرف واضح اشارہ سورہ والتین میں دیکھا جاسکتا ہے، موجودہ عہد میں ان دونوں طبقات کے درمیان کشمکش اس صورت میں بہت بڑھ گئی ہے کہ مغربی انسان جاہلیت پسندی کی بنا پر اپنی عقل اور علم کے اثر انگیز ذریعوں کو اس کشمکش کو بڑھانے اور اپنی برتری اور غلبہ کے حصول کے لیے استعمال کر رہا ہے، اس کے لیے وہ دو انسانی ذریعوں کو خاص طور پر استعمال کر رہا ہے، ایک مالی طاقت کا ذریعہ اور دوسرا ذریعہ میڈیا کی طاقت کا ہے، اس طرح وہ مال کے ذریعہ کم مائیگی کے شکار لوگوں کو اپنا تابع اور طرفدار بنا رہا ہے، دوسری طرف میڈیا کے ذریعہ لوگوں کے ذہنوں کو زندگی کے

سرسبز باغوں کو خزاں گزیدہ اور از کار رفتہ دکھاتا ہے، اور خارزار جنگلوں کو گداز اور راحت رساں ظاہر کرتا ہے، اور اپنی عقلی مہارت سے اسلامی خوبیوں کو داغ دار بنا کے پیش کرتا ہے اور یہ بات ادھر کئی صدیوں سے بہت زور و شور سے چل رہی ہے اور اس نے اپنے طرز فکر کی درسگاہوں کے مستفیدین کے خاصے بڑے طبقہ کو متاثر بھی کر دیا ہے، مال اور وسائلِ طاقت والے لوگ استعماری راہ سے یہ کام انجام دیتے ہیں اور علم و عقل کے اصحاب استشراقی ذرائع سے یہ کام انجام دے رہے ہیں۔

اس تمام کشمکش کی وجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کا فکر و تصور جیسا ہوتا ہے اسی کے مطابق اثر انداز ہوتا ہے، کوئی بھی طریقۂ زندگی ہو وہ اپنی متعین فکر رکھتا ہے، وہ اسی فکر کے تحت عمل کرتا ہے، اسلامی فکر میں مسلمان دنیاوی زندگی کو ایک عبوری عہد سمجھتا ہے جس کے بعد اصل زندگی کا عہد حاصل ہونے پر یقین رکھتا ہے جو آخرت کا عہد کہلاتا ہے، دنیاوی زندگی میں کیے گئے اعمال کے نتائج اس میں ظاہر ہوں گے، وفادارِ اسلام آخرت کے نتائج کو دنیاوی زندگی میں پیش آنے والے نتائج کے مقابلہ میں اولیت دیتا ہے جبکہ مغربی فکر والا دنیاوی زندگی ہی کو سب کچھ مانتا ہے اور صرف اسی کے اعمال اور ان کے نتائج کو ہی تسلیم کرتا ہے اور آخرت کے تصور کو دنیاوی تصور کے لیے رکاوٹ مانتا ہے اور باعث ضرر سمجھتا ہے جبکہ اسلامی تصور آخرت کی فکر کے ساتھ ساتھ زندگی کے مناسب تقاضوں کو بھی تسلیم کرتا ہے اور ان کو ان کا جائز حق دینا صحیح سمجھتا ہے۔

اس طرح اسلامی تصور حیات مغربی تصور حیات سے زندگی کے جائز تقاضوں کی حد تک متفق اور اس کے انکار آخرت کے تصور کے برخلاف ہے اور مغرب کا لادینی تصور اس اختلاف کی بنا پر اسلامی تصور کے مخالف فکر کا حامل ہے اور آخرت کے تصور کو مٹانا چاہتا ہے۔

دونوں تصور ہائے حیات کا یہ اختلاف مغربی مفکرین کو اسلام کے خلاف جد و جہد پر لگائے ہوئے ہے، اور ان کی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے والوں اور ان کی علمی اور فکری مجلسوں میں شریک محفل ہونے والوں پر اثر انداز ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے، لہذا ہمارے اسلامی الفکر دانشوروں کا فرض بنتا ہے کہ ہم اس کا مقابلہ کریں اور اس کے جو مضر اثرات ہیں ان کو دور کرنے

کی کوشش کریں۔

خوشی کی بات ہے کہ اس کام کو الحمد للہ اصحاب ایمان اور ان کے مختلف اداروں کے ذریعہ انجام دینے کی کوشش شدہ شدہ ملتی ہے، اس وقت پیش نظر کتاب ہمارے ایک ذہین اور خصوصی مطالعہ سے حاصل کردہ صلاحیت کے حامل نوجوان استاد مولوی محمد وثیق ندوی کی طرف سے شائع ہورہی ہے۔ جس میں انہوں نے اچھے اور علمی انداز میں اس کام کو انجام دیا ہے، اس میں مسیحیت اور یہودیت کے حاملین کی عداوت وتعصب، عیسائی مشنری، سامراج، استشراق، ماسونیت اور عالمی صہیونیت کی شاطرانہ چالوں کو ظاہر کیا گیا ہے، اسلام مخالف افکار ونظریات کے خطرناک پہلوؤں اور مسلم دشمن تحریکوں کے عزائم اور منصوبوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، اسلام اور مسلمانوں پر دہشت گردی، انتہا پسندی، بنیاد پرستی اور تشدد کے الزامات کا جواب دیتے ہوئے یورپ کے ظلم وسفاکی، بربریت ودرندگی، قتل وغارت گری، انتہا پسندی اور دہشت گردی کو حقائق وواقعات کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے، اور اسلام کے روشن مستقبل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، درج ذیل اقتباسات سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

> ”درحقیقت یورپ کو خوف اسلام سے نہیں، اس کی مؤثر وروادارانہ تعلیمات، تسخیری صلاحیت اور دلوں کو فتح کرلینے والی قوت سے ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے وہ مسلمانوں کے قرآن وسنت سے مضبوط تعلق، خدا اور رسولؐ کی بے پناہ محبت، اسلامی تعلیمات پر ان کے اعتماد ویقین، اور راہِ خدا میں جاں سپاری وجاں نثاری کے بے مثال جذبہ کا اندازہ لگا چکا ہے، اسے معلوم ہوگیا ہے کہ مسلمان اسلام کے تحفظ کی خاطر جان ومال، عزت ومتاع ہر قسم کی قربانی پیش کرسکتے ہیں، لیکن اس کے دامن پر کوئی بدنما دھبا برداشت نہیں کرسکتے، اسلام کے عوض انہیں کوئی سودا منظور نہیں ہوگا“۔

لارینس براؤن Lawrence Braun کہتا ہے۔

> ”جب تک مسلمانوں میں اختلاف اور انتشار رہے گا اس وقت تک ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی اور نہ ان کا کوئی وزن ہوگا، لہذا یہ ضروری ہے

کہ عرب اور مسلمان ایک دوسرے سے الگ رہیں، ان میں اتحاد قائم نہ ہونے پائے تا کہ انہیں کوئی طاقت وقوت حاصل نہ ہو سکے اور دنیا کے نقشہ میں ان کی کوئی حیثیت نہ رہے''۔

پادری سائمن کہتا ہے:۔

''اسلامی وحدت ہی مسلمان قوموں کی آماجگاہ ہے، اور اسی سے مسلمان یورپین تسلط سے خلاصی حاصل کر سکتے ہیں، دوسری طرف عیسائی مشنری ہی اس وحدت کو پاش پاش کر سکتی ہے، لہذا ہمیں چاہئے کہ ہم عیسائی مشنری کے ذریعہ مسلمانوں کا رخ اسلامی وحدت سے پھیر دیں''۔

استشراق کے سامراجی رخ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:۔

''انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں استشراق نے سامراجی رخ اختیار کرلیا، بالفاظ دیگر استشراق نے منظم سامراجی نیٹ ورک کی حیثیت اختیار کرلی اور مغربی سامراج کا اہم بازو بن گیا، اور امریکی بالادستی کے قیام میں اس علمی تحریک نے کلیدی رول ادا کیا، اسی وجہ سے امریکی یونیورسٹیاں مستشرقین کی فوج تیار کر رہی ہیں، بعض معاصر مستشرقین اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے تحقیقی مقالات (thesis) کے ذریعہ موثر سیاسی رول ادا کر رہے ہیں، ان میں سرفہرست امریکی یہودی مستشرق برنارڈ لوئس ہے، اسی نے تہذیبی ٹکراؤ کا نظریہ پیش کیا تھا جس کو امریکی مفکر ہننگٹن Samuel P. Huntington نے رواج دیا، اور امریکی سامراج کو اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کا مشورہ دیا''۔

''خاص طور سے امریکی استشراق، معاصر امریکی مستشرقین اسرائیل کے قیام سے لے کر آج تک عربی خطہ کے حالات پر خصوصی توجہ دے رہے ہیں، یہ مستشرقین اس خطہ میں امریکی سیاست کے تقاضوں اور ضروریات کے پیش نظر غور کر کے امریکی حکومت کو معلومات بہم پہونچاتے ہیں اور ان

کی روشنی میں امریکی انتظامیہ اقدامات کرتی ہے، امریکی استشراق میں اسرائیل پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے کیونکہ خطہ میں اسرائیل امریکی عزائم کو بروئے کار لانے میں اہم رول ادا کر رہا ہے"۔

"تلمود کے مطالعہ اور جائزہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تلمود کا بنیادی فلسفہ پوری نوع انسانی کو یہودیوں کی خدمت کے لیے مسخر کرنا، تمام تہذیبوں وثقافتوں کا خاتمہ اور دیگر صحف آسمانی کو منسوخ قرار دینا ہے، تاکہ انسانیت دشمن فلسفہ کو پوری زمین پر رائج کیا جاسکے اور مملکتِ اسرائیل کو تحفظ اور بقا حاصل ہو سکے۔

تلمودی تعلیمات کے چند نمونے:۔

"ہر یہودی پر لازم ہے کہ وہ اپنی قوم کے لیے اقتدار اور حکومت کو باقی رکھنے کے لیے دوسری تمام قوموں کو آگے بڑھنے سے روکے اور زمین پر قبضہ کرنے سے ان کو باز رکھے"۔

"جانور اور انسان کے درمیان وہی فرق ہے، جو یہود اور غیر یہود میں فرق ہے"۔

"غیر یہودیوں میں سے نیک لوگوں کا قتل کرنا واجب ہے، اور یہودی پر یہ حرام ہے کہ وہ کسی غیر یہودی کو تباہی سے بچائے یا کسی غار میں گرنے سے روکے، بلکہ اس کو چاہئے کہ جب وہ کسی غار میں گر جائے تو اوپر سے مٹی ڈال کر اسے بند کر دے"۔

"کافروں میں سب سے زیادہ خطرناک مسیح اور اس کے متبعین ہیں"۔

"غیر یہودیوں کے ساتھ زنا جائز ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، اور ایسا کرنے والے کو کوئی سزا نہیں ہوگی"۔

"جو یہودی خواب میں اپنی ماں کے ساتھ زنا کرتا ہے اسے حکمت ملتی ہے، جو اپنی مخطوبہ کے ساتھ منہ کالا کرتا ہے وہی پابند شریعت ہوتا ہے، جو

خواب میں اپنی بہن کے ساتھ زنا کرتا ہے اسے عقل ودانائی کی روشنی ملتی ہے اور جو خواب میں اپنے کسی رشتہ دار کی بیوی سے زنا کرتا ہے اسے ابدی زندگی نصیب ہوتی ہے''۔

''یہودی خاتون کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے شوہر کی اس بات کی شکایت کرے کہ وہ اس کے بستر پر زنا کرتا ہے''۔

''ہر یہودی پر لازم ہے کہ وہ دن میں تین مرتبہ عیسائیوں پر لعنت بھیجے اور ان کی ہلاکت وبربادی کی دعا کرے''۔

''نصرانیوں کے یسوع جہنم میں ہیں اور ان کی ماں مریم نے ان کو فوجی باندرا سے زنا کر کے جنا ہے''۔

''صہیونی اس کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ عربوں اور مسلمانوں کو برائیوں میں غرق کر دیا جائے اس مقصد کے لیے مسلم ملکوں میں فحاشی کے اڈے قائم کیے جاتے ہیں، عورتوں کو استعمال کرتے ہیں، اور مسلم آبادیوں میں ایسے معلمین اور معلمات بھیجی جاتی ہیں جن کے ذہن فاسد ہوتے ہیں، یہ طلبہ کو بے راہ روی، اخلاقی وجنسی انارکی، بے حیائی اور اخلاق سوز حرکتوں پر آمادہ کرتے ہیں''۔

''عیسائی مورخین اسٹیفن رنسیمان، گوستاؤلیبان، رابرٹ اور کاہن آبوس نے اعتراف کیا ہے کہ ''عیسائیوں نے بیت المقدس میں پناہ گزین مسلمانوں کا اس طرح قتل عام کیا کہ گھوڑوں کے پیر گھٹنوں تک خون میں ڈوب گئے، ریچرڈ نے عکا شہر میں ۲۷۰۰ مسلم قیدیوں کو قتل کر دیا، جن میں بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کر دیا گیا، بلکہ وہ سڑکوں پر گھوم گھوم کر مردوں، نوجوانوں، بچوں اور عورتوں کے پیٹ چاک کرتے تھے، ہر جگہ لاش ہی لاش نظر آتی تھی، اور ہماری قوم کے سفاکوں نے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کو قتل کر دیا''۔

عزیزم محمد وثیق نے ندوہ میں اپنے علمی سرپرستوں کی رہنمائی میں اس موضوع پر بہت اچھا مطالعہ کیا ہے اور پھر اس مطالعہ کو خوبی اور تفصیل کے ساتھ کتاب ہذا میں پیش کیا ہے، وقت کی ضرورت کے پیش نظر ان کی یہ کوشش بہت لائق قدر ہے، میں تمام شائقین علم حضرات کو اس کتاب کے مطالعہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں، اور دعا ہے کہ یہ کتاب مفید سے مفید تر ثابت ہو (آمین)۔

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۵؍رجب؍۱۴۳۴ھ
۱۶؍مئی؍۲۰۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد بن عبد اللّٰہ الأمین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین وبعد۔

گیارہویں صدی مسیحی میں یورپ میں شخصی اور پرائیوٹ طور پر مسلمانوں کے علمی مراکز سے استفادہ کے رجحانات پیدا ہوئے، اس وقت یورپ میں علم پر پابندی تھی، رینہ مارسیال Rene Mrtia نے لکھا ہے کہ بارہویں صدی عیسوی میں جبکہ مسلمانوں کے پاس صرف اندلس (اسپین) میں ستر ہزار کتب خانے تھے، یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں ایک کتاب بھی ملنی مشکل تھی۔

ایک مغربی مؤرخ لکھتا ہے:۔

> ’’گیارہویں صدی عیسوی میں جس وقت مغرب کے بڑے بڑے روساء اور جاگیرداروں کو اپنی جہالت اور ناخواندگی پر فخر وناز تھا، اس وقت اسپین میں مسلمانوں کے قرطبہ میں ایک عظیم کتب خانہ تھا، جس میں صرف ہاتھ کی لکھی ہوئی ساٹھ ہزار کتابیں تھیں‘‘۔

ایک دوسرا انگریز مؤرخ کہتا ہے:۔

> ’’اسلامی اندلس میں اس وقت گھر گھر علم کا چرچا تھا جب کہ مسیحی دنیا میں بجز چند افراد کے کوئی لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا‘‘۔

ڈوزی (dozy) لکھتے ہیں:۔

''یورپ میں لوگ جہالت کی تاریکی میں سرگرداں تھے، انہیں کہیں روشنی نظر نہیں آرہی تھی، روشنی تو صرف مسلمانوں کی طرف سے آرہی تھی، علوم وفنون، ادبیات، فلسفہ، حرفت وصنعت اور زندگی کے دیگر میدانوں میں امت اسلامیہ رہبری کررہی تھی، بغداد، سمرقند، بصرہ، دمشق، قیروان، مصر، ایران، غرناطہ اور قرطبہ علم ومعرفت کے عظیم مراکز تھے، مملکت اسلامیہ میں چھوٹے چھوٹے مدرسے اور مسجدیں بھی بڑے بڑے کتب خانوں سے معمور تھیں جہاں ہر شخص کو پڑھنے کی اجازت تھی، جبکہ یورپ کے مرکزی شہر دیہاتوں کی طرح تھے جہاں نہ تو علم تھا اور نہ آبادی، یورپ مادی، ادبی، تہذیبی اور علمی ہر اعتبار سے بڑا پسماندہ تھا''۔ (تاریخ المسلمین فی اسبانیا رڈوزی)

جرمن مستشرقہ ڈاکٹر زیگریڈ ہونکہ اپنی کتاب ''شمس الاسلام تطلع علی الغرب'' (مغرب پر اسلام کا سورج طلوع ہورہا ہے) میں رقمطراز ہیں:۔

''چھ صدیاں پہلے پورے یورپ میں صرف پیرس کے میڈیکل کالج میں ایک چھوٹی لائبریری تھی جس میں صرف ایک کتاب تھی اور وہ بھی ایک عرب مصنف کی، یہ بڑی قیمتی اور پراز معلومات تھی، اس وقت کے سارے نصرانیوں کے بادشاہ لوئی یازدہم نے ایک مرتبہ اس کتاب کو عاریۃً لینا چاہا تو اسے بھی بطور ضمانت ایک خطیر رقم جمع کرنی پڑی، لوئی کا مقصد یہ تھا کہ اس کے پرائیوٹ معالجین اس کتاب کی ایک نقل تیار کرلیں تاکہ جب بھی بادشاہ سلامت کو عارضہ اور کوئی بیماری لاحق ہو تو اس کی طرف رجوع کیا جاسکے، یہ کتاب کیا ہے، ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا ہے، اس میں ۹۲۱ء تک کے تمام قدیم یونانی طبی علوم جمع کردیے گئے ہیں''۔

مزید لکھتی ہیں:۔

''رازی نے میڈیکل سائنس اور طبابت کے موضوع پر جو ضخیم اور عظیم کتاب تصنیف کی ہے وہ یورپ میں (۱۴۹۸-۱۸۶۶ء) چالیس مرتبہ طبع ہوئی، اس میں نقرس، پتھری، مثانہ، گردے اور بچوں کے امراض

کے متعلق بحث کی گئی ہے، اور یہ اپنے موضوع پر حجت اور مرجع کی حیثیت رکھتی ہے"۔

آگے لکھتی ہیں:۔

"اگر ہم یہ کہیں تو اس میں کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہیں کہ یورپ نے تقریباً تین سو سال تک صرف اور صرف عربوں کی ہی تصنیفات اور تحقیقات پر کلی اعتماد کیا ہے"۔

ایک مغربی مفکر کہتا ہے:

"عرب ہی فلکیات، سائنس، کیمیا اور طبی علوم میں ہمارے استاد اول ہیں"۔

مسیو لیٹری لکھتے ہیں:۔

"اگر تاریخ میں عرب منصۂ شہود پر نمودار نہ ہوتے تو علوم وفنون اور تہذیب وتمدن میں یورپ کی بیداری کئی صدی اور مؤخر ہو جاتی"۔

رینان (Renan) کہتے ہیں:۔

"البرٹ کبیر ہر چیز میں ابن سینا کا رہین منت ہے، اور سانتوما اپنے تمام فلسفہ میں ابن رشد کا خوشہ چیں ہے"۔

"یورپ کا بابائے سائنس روجر بیکن بھی عربوں کا شاگرد تھا، اور وہ خود اپنے شاگردوں کو تلقین کیا کرتا تھا کہ اگر صحیح علم حاصل کرنا ہے تو عربی پڑھنا سیکھو"۔

گوستاؤلیبان لکھتے ہیں:۔

"عربوں ہی نے یورپ کو علم ومعرفت اور تہذیب وتمدن کی دنیا سے متعارف کرایا، عرب ہمارے محسن تھے، اور چھ صدیوں تک ہمارے پیشوا اور مقتدا رہے"۔

صلاح الدین ایوبی کے سفیر اسامہ بن منقذ یورپ کے دورہ پر گئے، انہوں نے ایک شخص کے آپریشن کا واقعہ اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ کلہاڑی سے اس کا گھٹنا کاٹا جا رہا تھا۔

سولہویں صدی عیسوی تک یورپ علم اور تمدن میں مسلمانوں سے استفادہ کرتا رہا۔

صلیبی جنگوں کے درمیان یورپ میں اسلام اور مسلم دشمنی کا ایسا زہر بویا گیا کہ وہ ہر یورپی کے رگ وریشہ میں سرایت کر گیا۔

علمی اور تمدنی میدان میں مسلمان یورپ کے استاد اول کا درجہ رکھتے ہیں، اس کے باوجود مغرب کا ہر باشندہ خاص طور سے اہل علم اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی نہیں بلکہ دشمنی کا ذہن رکھتے رہے۔

مستشرقین نے ایسا لٹریچر تیار کیا، جس سے اس ذہن میں تقویت پیدا ہوئی، کہ مسلمان ان کے علاقوں پر قابض ہیں جو یونانیوں اور رومیوں کے زیر اثر تھے۔

اسلام کے تیز رفتاری سے پھیلنے اور مسلمانوں کے دنیا پر قابض ہونے سے اس معاندانہ ذہن میں اور اضافہ ہوا، اور اس میں خوف کی نفسیات پیدا ہوئیں، ترکوں کی قوت اور یورپ کے ملکوں پر ان کا قبضہ اور ان کے ناقابل تسخیر ہونے کے احساس اور تجربہ نے اس میں اضافہ کیا۔

اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں یورپ کے بعض ممالک نے اپنی علمی ترقی سے اپنی دفاعی طاقت بڑھائی اور اپنی جنگوں کا رخ عالم اسلام کی طرف موڑ دیا۔

انیسویں صدی میں اکثر اسلامی ممالک پر یورپ کا کنٹرول ہوگیا اور ان ملکوں میں انہوں نے اپنا نظام تعلیم اور ثقافت رائج کر دیا۔

لارنس براؤن Laurence Browne کہتا ہے۔

”پہلے ہم یہودی خطرے سے ڈرتے تھے، زرد خطرے (جاپان۔ چین) سے ڈرتے تھے اور اشتراکیت سے ڈرتے تھے لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا، اس لیے کہ یہود ہمارے دوست نکلے، چنانچہ ان پر ظلم کرنے والا ہمارا جانی دشمن ہوگا، پھر دوسری جنگ کے دوران اشتراکی ہمارے حلیف بنے، رہا زرد خطرہ (جاپان۔چین) تو اس سے نمٹنے کے لیے بڑی جمہوری حکومتیں کافی ہیں، اب اصل خطرہ نظام اسلامی اور اس کے زندہ جاوید مذہب ہونے کی حیثیت سے اپنے حلقۂ متبعین کو وسیع کر لینے کی غیر معمولی قدرت وصلاحیت سے ہے، مسلمان زبردست حیرت انگیز

حیات بخش طاقت وقوت کے مالک ہیں، یورپی سامراج کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تنہا یہی (اسلام) ہے“۔

ایک دوسرا مغربی رہنما کہتا ہے:۔

”میرے خیال میں کمیونزم یورپ کے لیے کوئی خطرہ نہیں، بلکہ حقیقی خطرہ اسلام سے ہے، جو ہم کو براہ راست چیلنج کر رہا ہے، مسلمان ہماری مغربی دنیا سے الگ اپنی ایک مستقل دنیا رکھتے ہیں، ان کے پاس خالص روحانی سرمایہ ہے اور وہ ایک حقیقی سچی اور تاریخی تہذیب وتمدن کے مالک ہیں، مسلمانوں میں اس کی صلاحیت واہلیت ہے کہ وہ بغیر کسی تعاون ومدد کے ایک نئی دنیا کی بنیاد رکھ سکتے ہیں، مسلمانوں کے اپنے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے صرف اس صنعتی اور ٹکنیکل ترقی کی ضرورت ہے جو مغرب نے حاصل کرلی ہے“۔

یورپی اہل قلم اسلام کی اشاعت کی رفتار کا ہوا کھڑا کرتے رہتے ہیں، مسلم قوم کی صلاحیتوں اور ان کی تاریخ سے واقفیت کی وجہ سے ان میں احساس خوف پایا جاتا ہے بلکہ احساس کمتری، اس کی وجہ سے وہاں کے ذمہ دار ایسے حالات پیدا کرتے ہیں جن سے مغرب کے باشندوں میں اسلام سے نفرت اور عداوت پیدا ہو۔

اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سے واقفیت اور اسلام کے دوبارہ غالب ہونے کے خوف نے یورپ کے اہل علم اور اہل سیاست کے ذہن میں یہ جذبہ پیدا کردیا کہ ایسے وسائل اختیار کیے جائیں کہ جن سے یہ خطرہ جس سے یورپ ایک ہزار سال تک دوچار رہا دوبارہ واپس نہ آئے، اس میں ایسے علمی، سیاسی اور اقتصادی وسائل اختیار کیے کہ جن کے اثر سے مسلمانوں کے ذہن وخیال سے غلبہ کا تصور ختم ہوجائے۔

ایک حقیقت اور ہے جس کا یورپ اور اسلام مخالفین کو احساس ہے کہ مسلمانوں میں شہادت کا شوق، دین کے لیے قربانی کا جذبہ، قوت برداشت اور جسمانی طاقت وصلاحیت رکھنے والے عناصر سے مالامال ہیں، اور ان کے قبضہ میں دنیا کے اسٹراٹیجک

مقامات ہیں اور معدنی ذخائر سے معمور علاقوں پر ان کا کنٹرول ہے یہی ان کے لیے باعث فکر وتشویش ہے۔

جنگ عظیم میں یورپ کو ان صلاحیتوں کا تجربہ ہوا۔

اس کی وجہ سے یورپ کی طاقتیں مسلمانوں کے علاقوں پر اور مسلم تحریکوں پر مسلسل نظر رکھتی رہی ہیں۔

ان اسباب کو ذہن میں رکھنے کے بعد یورپ کے ممالک چاہے وہ مغربی ممالک ہوں یا مشرقی یورپ کے ممالک، ان کے رویوں اور کارروائیوں کا سمجھنا آسان ہے۔

ایک بات اور قابل ذکر ہے کہ اسلام مخالف تحریکوں، سازشوں اور نفرت پھیلانے والے لٹریچر میں سیاسی اور فوجی وسائل کا بھی بڑا حصہ رہا ہے، اور جنگ آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں خاص طور پر الجزائر اور افغانستان کی تاریخ سے واقفیت سے یورپ نے ایسے افراد تیار کیے جنھوں نے اس مقصد کو پورا کیا، اور موجودہ دور میں مغربی میڈیا اس کام کو بخوبی انجام دے رہا ہے اور مسلم ممالک کے ارباب اقتدار مغرب کے اس مشن کو پورا کر رہے ہیں۔

فرانس اور برطانیہ کے زوال کے بعد اس مہم کی قیادت اب امریکہ نے سنبھال لی ہے، اور اس میں اس کو صہیونیوں کا پورا تعاون حاصل ہے۔

پیش نظر کتاب میں اس موضوع پر تاریخی انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے، اس کے مطالعہ سے موجودہ صورت حال کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

مغرب کی سازشوں اور کارروائیوں کے باوجود الحمد للہ اسلام پھیل رہا ہے، اور مسلمانوں میں جذبہ قربانی اور دین سے وابستگی اور یورپ سے واقفیت بڑھ رہی ہے اس کی مثال خود ویٹی کن کی یہ رپورٹ ہے جو کویت کے عربی مجلہ ''المجتمع'' نے اپریل ۲۰۱۴ء میں شائع کی ہے، ویٹی کن کی اس رپورٹ کے مطابق پوری دنیا میں سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب اسلام ہے، اسلام مخالف مہم کے باوجود ایک سال میں مسلمانوں کی تعداد عیسائیوں کے مقابلہ میں تین ملین بڑھی ہے، ویٹی کن کے بیان کے مطابق دنیا میں مسلمانوں کی تعداد

ایک ارب، تین ملین، بائیس ہزار سے زیادہ ہے جو عیسائیوں کے مقابلہ میں تین ملین زیادہ ہے، اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب انیس فیصد ہے جبکہ عیسائیوں کی آبادی کا تناسب سترہ فیصد ہے، اسلام قبول کرنے والوں میں زیادہ تر مغرب کے عیسائی، یہودی اور دیگر مذاہب کے ماننے والے ہیں۔

عزیزی مولوی محمد وثیق ندوی نے فکر اسلامی اور مغرب کی تاریخ کا گہرائی سے مطالعہ کر کے اقتباسات کی روشنی میں اور حوالوں کے ساتھ اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے، اس لحاظ سے یہ کتاب تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ مندرجہ ذیل اقتباسات سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:۔

مصنف نے عالم اسلام پر مغرب کی فکری اور تہذیبی یلغار کی بنیاد لوئی نہم کی وصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

> ''لوئی نہم نے اپنی وصیت میں جن نکات پر زیادہ زور دیا ہے وہ مسلمانوں میں جہاد کی روح کا خاتمہ ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے عیسائی مشنری اور مستشرقین نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، عیسائی مشنری نے تعلیم وتربیت اور تعاون وہمدردی، مصائب وآلام اور قدرتی آفات، طوفان وسیلاب کے موقعوں پر لوگوں کی مدد کے راستہ سے اور مستشرقین نے بحث وتحقیق کے راستہ سے شریعت اسلامی کے بنیادی مصادر وماخذ قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی پر مسلمانوں کے اعتماد کو متزلزل کر دیا، اور دین اسلام کے تعلق سے دلوں اور ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کر دئے''۔

عیسائی مشنری کے اہم ذریعہ تعلیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

> ''مشنریوں نے نصرانیت کے فروغ واشاعت میں تعلیم کے ذریعہ کو بڑی اہمیت دی ہے، اور مسلم نوجوانوں کے ذہن ودماغ اور قلب ونظر کو تعلیم کے ذریعہ بدلنے پر زور دیا ہے، صموئیل زویمر نے ۱۹۲۴ء میں ہونے والی مشنری کانفرنس میں اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

"یہ ضروری ہے کہ ہر میدان میں ساری توجہ مسلمانوں کی نئی نسل پر دی جائے تاکہ ان کا احاطہ کیا جا سکے، اور براہ راست اس سے رابطہ قائم رہے، اس لیے کہ نئی نسل میں اسلامی روح کی روشنی بچپن ہی سے شروع ہو جاتی ہے، لہٰذا اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کی چھوٹی نسل کا شعور پختہ ہونے سے پہلے اس پر بھرپور توجہ دی جائے"

ایک دوسری جگہ مغربی سامراج کے اثرات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:۔

"ڈاکٹر علی عبدالحلیم نے اپنی کتاب "الغزو الفكري والتيارات المعادية للإسلام" میں لکھا ہے کہ مغربی سامراج نے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے مشنریوں کی حفاظت کی اور ان کی تخریبی کارروائیوں پر پردہ ڈال دیا، مسلمانوں کی بڑی تعداد کو مسیحیت اختیار کرنے پر مجبور کیا، اسلام مخالف سرگرمیوں کو مدد فراہم کی اور کر رہا ہے، عیسائی مشنریز اسلام، تاریخ اسلام، نبی اسلام، اسلامی عقائد، اسلامی شعائر اور دینی مقدسات کی جو توہین کرتے ہیں سامراج اس کی پشت پناہی کرتا ہے، سامراج نے اسلامی ملکوں میں انتشار، ٹکراؤ اور بدامنی اور عدم استحکام کے حالات پیدا کر دیے، خاص طور پر جہاں ان کو یہ محسوس ہوا کہ مسلم طاقت ان کو چیلنج کر سکتی ہے، اور ان کا ہمنوا نظام کمزور پڑ رہا ہے، وہاں بغاوت کرا دی اور اسلام پسندوں کو کچل دیا"۔

خوشی کی بات ہے کہ عالم اسلام پر مغرب کے تسلط کے اسباب وعوامل اور اس کے اثرات کے متعلق یہ دستاویزی کتاب عزیز القدر مولوی محمد وثیق ندوی نے تیار کی ہے، اس سلسلہ میں اس کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا، دینی علوم کے طلبہ کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو قبولیت عطا فرمائے اور نافع بنائے (آمین)۔

محمد واضح رشید حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۳ر رجب ۱۴۳۵ھ
۲۳ر مئی ۲۰۱۴ء

تقریظ

از: مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

عالم اسلام پر مغربی طاقتیں کس بے دردی کے ساتھ اپنے ناپاک اور وحشیانہ عزائم کو مسلط کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں، اور مرکز اسلام سے مسلمانوں کو بے دخل کرنے کے لیے جن غیر انسانی طریقوں کو سیاست وثقافت اور فنون عسکریت کی تعلیم کے خوبصورت نام سے بروئے کار لارہی ہیں، وہ ایک ایسی زندہ وتابندہ حقیقت ہے جس کا اظہار اہل مغرب علی الاعلان کرتے رہتے ہیں، اور بے خوف وخطر وہ اس پر خطر راہ پر گامزن ہیں۔

ابھی گذشتہ دنوں فلسطینی عوام کو غزہ میں جس شد ومد کے ساتھ جارحیت کا نشانہ بنایا گیا اور جب تک اس کو خاک وخون کے ملبے میں تبدیل نہیں کردیا گیا اس وقت تک اس ظالمانہ عمل کو جاری رکھا گیا، جارحیت کے خوفناک سائے ابھی تک وہاں خیمہ زن ہیں، اور ظالم ووحشی صہیونی اس کو دراز کرنے کی برابر دھمکیاں دیتے رہتے ہیں! یہ صرف ایک نمونہ ہے، عالم اسلام پر ہر اعتبار سے پوری طرح قابض ہونے اور اس کو اپنے زیر نگیں کرنے کا۔

مغربی دنیا آج اسی عسکریت کی راہ پر رواں دواں ہے، جب وہ ثقافت اور علم وادب کی راہ سے اور تہذیب وتمدن کے نت نئے نظریات کے نام سے اور مادہ پرستی کی تعلیم کے ذریعہ عالم اسلام پر غلبہ حاصل کرنے میں ناکام رہی، بلکہ اسکے برعکس اس نے خود اپنی دنیائے مغرب کو اسلامی تہذیب وثقافت کا گہوارہ بنتے دیکھا، اور اقوام مغرب کو اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے کا اسے منظر دکھائی دیا، تو اسلام کے تیز رو دھارے کو روکنے کے لیے عسکریت پسندی کو اپنانے اور اس کے ذریعہ عالم اسلام اور مسلم ممالک پر اچانک حملہ کرنے اور جنگ کے مہیب بادل کو ان پر مسلط کرنے کے علاوہ اس کو کوئی اور راستہ سمجھ میں نہیں آیا، اس لیے اہل مغرب آج اسی غیر فطری راستے پر چل رہے ہیں، اگر حالات کا جائزہ

لیا جائے تو مغرب کے عالم اسلام پر مسلط ہونے کے اسباب میں اس کی حد سے تجاوز کرتی ہوئی مادہ پرستی اور اس کے ناپیدا کنار تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے عالم اسلام کی زمینی اور معدنی دولت پر قبضہ کرنا اسکی ایک ناگزیر ضرورت ہے، مغرب نے اپنے ٹیکنیکی ذرائع اور سائنس وٹکنالوجی کی مدد سے عالم اسلام اور مسلم ممالک کے خزانوں کی اہمیت اور ان کی پیداوار کی کثرت اور اس کے تسلسل کا یقین کر لینے کے بعد ان پر پوری طرح تسلط جمانے اور ان سے بھر پور مستفید ہوتے رہنے کو اپنا بنیادی مقصد بنالیا ہے۔

دوسری طرف امت مسلمہ کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ صورت حال نہایت واضح طریقے سے محسوس کی جاسکتی ہے کہ خیر امت نے بڑی حد تک اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے مین حمیت ایمانی اور غیرت دینی کی کمی کے باعث یا بعض حالات میں اس کا فقدان، اسلام دشمن طاقتوں کو مزید حوصلہ اور طاقت عطا کرتا ہے، اور اسلامی دعوت کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے وہ اپنے متنوع مادی اور تہذیبی وسائل کو ہمہ وقت تیار اور مصروف عمل رکھتی ہیں۔

امت کے علماء اور اہل دعوت نے اس راز کو سمجھنے اور اسی کے مطابق دعوت کی حکمت عملی تیار کرنے میں اپنی طاقتیں صرف کی ہیں، تاریخ کے ہر دور میں ایسے اہل علم اور اصحاب حکمت ودعوت پائے گئے جنکی فکر اور کوشش ہمیشہ اس محاذ پر مصروف عمل رہی، اور وہ اسلامی معاشرے کی کمزوریوں کو دور کرنے اور افراد امت کی تربیت اور ان کو دعوت کے کام کے لیے تیار کرنے کا فریضہ بلا تاتردد انجام دیتے رہے، ان کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنے دین کی ابدیت اور اس کی تعلیمات سے زندگی کو مزین کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا رہا، اور اسلام کی دعوت اور علم وعمل کی جامعیت اور امت مسلمہ کی اعتدال پسندی کی حقیقت ہر زمان ومکان میں ان کے ذریعہ آشکارا ہوتی رہی، اور خیر امت کا یقین ہونے کے ساتھ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نمائندگی کا شرف اور عملی طور سے ان کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان ویقین پیدا کرنے اور اس کو اختیار کرنے کی دعوت دینے کا امتیاز اس امت کے افراد کو عطا فرمایا گیا۔

گذشتہ صدی میں صف اول کے علمائے دین دعوت اور اعتدال وجامعیت کی مثال مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ اور ان کے جانشینوں نے پیش کر کے دعوت وعزیمت کی تاریخ میں بیش قیمت اضافہ کیا، لیکن قبل اسکے کہ ہم پر ایسے حالات گذریں جن کی وجہ سے ہم ایک نمائندہ امت کا کردار ادا کرنے کی دولت سے محروم ہوجائیں، اور ہمارے مخالفین ہم پر غالب آجائیں، اور ہمیں

دین ودنیا کی سرخروئی حاصل کرنے کا موقع نہ ملے، ہم کو اپنے ہمہ گیر نظام حیات کو عملی حیثیت سے پیش کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے، اور یہی ہمارا سب سے اہم سرمایہ اور بنیادی فریضہ ہونا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق جس میں اعمال صالحہ کی طرف سبقت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ہم کو اپنے محدود دائرے سے نکل کر اس اسلامی تشخص کو زندہ کرنے اور اسکی بالادستی کو تسلیم کرانے کے لیے تیار ہونا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے، تا کہ ہم اسلامی تہذیب کو عملی طور پر اور پورے آن بان کے ساتھ انسانی دنیا اور اقوام مغرب کے سامنے پیش کرسکیں، اور یہ تسلیم کراسکیں کہ مغربی نظریات نے دنیا میں کوئی انقلاب نہیں پیدا کیا، اور اصل انقلاب تو وہی تھا جو ساتویں صدی عیسوی میں اسلام کے ذریعہ رونما ہوا، اور جس کی قیادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے تربیت یافتہ اصحاب اور خیر امت کے افراد نے کر کے یہ ثابت کردیا کہ مغرب ومشرق کا کوئی نظریۂ حیات انسانی فطرت سے میل نہیں کھاتا، یہی وجہ ہے کہ اہل مغرب نے اس عظیم حقیقت کی پردہ پوشی کے لیے انتہائی ناقص اور مردہ افکار کو عالم اسلام پر تھوپنے کی کوشش کی اور اسکے صالح معاشرہ کو معاصر دنیا کی قیادت کے سلسلے میں بیکار اور غیر موثر قرار دیا۔

پیش نظر کتاب (عالم اسلام پر مغرب کا تسلط: اسباب ونتائج) اس حقیقت کو علم وتاریخ اور تجربات کی روشنی میں ثابت کرنے کی ایک مفید اور مثبت کوشش ہے، میں اپنے رفیق سفر عزیز گرامی مولانا محمد وثیق ندوی معاون مدیر الرائد اور استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے اپنے اساتذہ اور مربین کے زیر سایہ رہ کر فکر ارجمند کا تحفہ حاصل کیا ہے، اور اپنے علمی وادبی مستقبل کو روشن کرنے کی صلاحیتوں سے سرفراز ہوئے ہیں۔

اللہ تعالی اس کوشش کو مبارک اور نفع بخش بنائیں، اور یہ کتاب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغرب کی معاندانہ روش سے لوگوں کے باخبر ہونے کا ذریعہ ثابت ہو۔ (آمین)

راقم

سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی

مدیر البعث الاسلامی

ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۹/ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ

۱۵/اکتوبر ۲۰۱۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

مولانا نذرالحفیظ ندوی (صدر شعبۂ عربی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نحمده و نصلي علی رسوله الكريم، أما بعد!۔

قرآن مجید کے ابدی کتاب زندگی ہونے اور ہر طرح کی تحریف سے اس کی حفاظت اور جو لوگ اس لافانی کتاب کو اپنی زندگی کے لیے دستور بنائیں گے، ان کے محفوظ و مامون ہونے کی شہادت خود اللہ تعالی نے دیتے ہوئے فرمایا: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾ حفاظت کے لفظ ہی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس دین اور اس کے ماننے والوں کو ہمیشہ دشمنوں کی جانب سے خطرات ہر دور میں لاحق ہوں گے، اس دین کی ظاہری و معنوی خصوصیات کو مٹانے کی ہمیشہ کوششیں کی جائیں گی اور اس بڑے پیمانے پر اس کے خلاف سازشیں کی جائیں گی کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے ﴿وقد مكروا مكرهم وعند الله مكرهم وإن كان مكرهم لتزول منه الجبال﴾ لیکن اللہ تعالی ہی اپنے اس دین اور اس کے راستہ پر چلنے والوں کی حفاظت فرمائیں گے اور اسلامی تاریخ کے آغاز سے لے کر آج تک یہ ہوتا رہا ہے، اور حق و باطل کے درمیان کشمکش ہوتی رہے گی۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا اِمروز
چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

شرار بولہبی ہمیشہ چراغ مصطفوی سے الجھتا رہا، کبھی مسیلمہ کذاب اور کبھی شیعیت و باطنی تحریک کی صورت میں، کبھی تاتاری یورش کی شکل میں تو کبھی صلیبی حملوں کی صورت میں، اسپین سے مکمل جلاوطنی اور مسلمانوں کے بھیانک قتل عام کی شکل میں، پھر یہ صلیبی حملہ میدان جنگ

سے ہٹ کر فکر وثقافت اور تہذیبی وفکری ارتداد کی شکل میں عالمگیر پیمانے پر آندھی طوفان کی طرح آیا اور پوری دنیا کو زیروزبر کر گیا، ایسا کہ قدریں تبدیل ہو گئیں، انداز فکر بدل گئے، یہ فکری، تہذیبی، ثقافتی اور اعتقادی یورش ہمہ گیر تھی جس میں سب سے زیادہ تباہی وبربادی اسلامی خیمے میں ہوئی، اس لیے کہ وہ مخصوص شناخت رکھتا تھا، مگر ڈیڑھ سو سال کے اندر اسلام نے پھر اس حقیقت کو ثابت کر دیا کہ باطل تو تمام تر مٹنے اور حق ظاہر وغالب ہونے کے لیے ہی آیا ہے۔

﴿جاء الحق وزهق الباطل إن الباطل كان زهوقاً﴾

اکیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں عراق وافغانستان کو جس طرح صلیبی طاقتوں نے تاراج کر دیا اور جس وحشت وبربریت اور ظلم وسفا کی کا معاملہ نہتے اور بے گناہ انسانوں کے ساتھ کیا گیا، اس کی کوئی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی، تاتاری یلغار میں ہلاکت وتباہی بڑے پیمانے پر تھی، لیکن یہ حملہ آور جنگلی اور ان پڑھ تھے، وہ انسانی قدروں سے قطعی طور پر ناواقف تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سے نشتر کا کام لیا تھا، لیکن اکیسویں صدی مسیحی کی صلیبی طاقتیں اپنی دنیا کی مہذب، تعلیم یافتہ قومیں تھیں، اس کے ساتھ مہلک اور تباہ کن اسلحوں سے لیس ہو کر بے گناہوں اور نہتوں پر ٹوٹ پڑی تھیں، مگر مسلسل دس سال تک یک طرفہ حملہ کے باوجود انہیں میدان جنگ کے ہر محاذ پر عبرت انگیز شکست ہوئی، سیاسی، فوجی اور اقتصادی اعتبار سے صلیبی ملکوں کا جنازہ نکل گیا؛ بلکہ یہ جنازے مسلسل نکلتے رہیں گے۔

عزیز گرامی مولوی محمد وثیق ندوی (استاد دار العلوم ندوۃ العلماء) نے اپنی اس دستاویزی کتاب میں ﴿يريدون ليطفئوا نور الله بأفواههم﴾ اور ﴿لتسمعن من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم ومن الذين أشركوا أذى كثيراً﴾ کی واقعاتی تفسیر پیش کی ہے، مسلمانوں کی نئی نسل خواہ وہ جدید تعلیم یافتہ ہو یا قدیم، اسلام دشمنی کی لہر کے اسباب ومحرکات اور پس منظر اور اس کے سرچشمہ سے غیر معمولی حد تک ناواقف ہے، اچھی خاصی تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جو نام کے مسلمان کہے جاتے ہیں، لیکن فکری واعتقادی ارتداد کے سانچے میں ڈھل جانے کی وجہ سے مذہبی حاسہ سے محروم اور احساس کمتری کے شکار ہیں، ایسے لوگوں کی جہالت

اور بے شعوری کا یہ عالم ہے کہ وہ عراق وافغانستان پر مغربی یورش کا سبب نائن الیون کو مانتے ہیں، حالانکہ خود امریکیوں کی بڑی تعداد اس واقعہ کو تاریخ کا سب سے بڑا فراڈ اور سی آئی اے اور موساد کا ایسا مشترکہ منصوبہ مانتی ہے، جس کو بنیاد بنا کر دونوں ملکوں پر یلغار کر کے ان کے معدنی ذخائر پر قبضہ کرنا اور مسلم ممالک پر اپنے شکنجہ کو مزید مضبوط کرنا ہے۔

مصنف کتاب مولوی محمد وثیق ندوی نے نئی صلیبی جنگ اور اسلام دشمنی کے مختلف اسالیب اور ان کے اسباب ومحرکات کا گہرائی سے وسیع پس منظر میں مستند کتابوں کی روشنی میں جائزہ لیا ہے، موصوف نے اپنے علمی سرپرستوں خصوصاً مخدومنا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہ العالی اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی صاحب سے بھرپور علمی استفادہ کیا ہے، اور ان حضرات کی تربیت اور رہنمائی میں فکر اسلامی، سیرت نبوی، تاریخ ادب عربی، تاریخ یورپ، مغربی تمدن، معاصر تاریخ اور اسلام مخالف افکار ونظریات اور تحریکات کا اچھا مطالعہ کیا ہے، پیش نظر کتاب میں اس کا عکس صاف نظر آتا ہے۔

یہ کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ نئی صلیبی جنگ کب اور کیسے اور کس نے شروع کی، انسانی دنیا پر عام طور پر جس کے نتائج حاسۂ مذہبی کے فقدان اور مسلمانوں کے اندر خاص طور سے احساس کمتری اور مغرب سے مرعوبیت کی شکل میں سامنے آئے، بلاشبہ یہ دونوں باتیں دوررس اثرات ونتائج کی حامل تھیں، مصنف نے صرف ایک ہی پہلو پر اکتفانہ کر کے یہ بھی بتایا ہے کہ مذہبی حاسہ کو کیسے بیدار کیا جائے اور احساس کمتری کے جال سے ہم کیسے نکلیں اور مغربی طوفان کا مقابلہ کیسے کریں۔

امید ہے جدید وقدیم دونوں حلقوں میں یہ کتاب پڑھی جائے گی، اور دشمنوں کی چالوں اور اس کے مکر وفریب کے اسالیب اور طور وطریق سے واقف ہو کر دعوتی میدان میں فائدہ اٹھایا جائے گا۔

یکم شعبان ۱۴۳۴ھ
۱۱ رجون ۲۰۱۳ء

نذر الحفیظ ندوی ازہری
صدر شعبہ عربی دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مغرب کی اسلام دشمنی کے عوامل اور اس کا پس منظر

تاریخی پس منظر

موجودہ دور میں زندگی کے مختلف میدانوں میں مسلمانوں کی پستی و ناکامی کے اسباب وعوامل میں سب سے اہم سبب لوئی نہم Louis (۱۲۱۴ء–۱۲۷۰ء) کا وہ وصیت نامہ ہے جو اس نے ساتویں صلیبی حملہ (۱۲۴۸ء–۱۲۵۰ء) میں مصر کے شہر "منصورہ" میں شکست کھانے کے بعد تحریر کیا تھا، یہ خطرناک وصیت نامہ ایک طویل عرصہ تک پردۂ خفا میں رہا، فرانسیسی تاریخ کی متعدد کتابوں میں اس وصیت نامہ کا تذکرہ ملتا ہے، فرانسیسی مورخ "جوائنویل" (Joinville) (۱۲۲۴ء–۱۳۱۷ء) نے صلیبی جنگوں کے کئی سال بعد لوئی نہم کی دستاویز کو بنیاد بنا کر عالم اسلام سے متعلق مغرب کے موقف کی تحدید کی ہے، محمد علی غنیت نے اپنی کتاب "من الحروب الصليبية إلى حرب السويس" میں اس دستاویز کے بہت سے خطرناک اقتباسات پیش کیے ہیں، ڈاکٹر انور الجندی نے اپنی کتاب "الإسلام في وجه التغريب" اور "معالم التاريخ الإسلامي المعاصر" میں اور ڈاکٹر توفیق الواعی نے اپنی کتاب "دور المسلم في الحياة" میں اور ڈاکٹر اسماعیل علی محمد نے اپنی کتاب "الغزو الفكري، التحدي و المواجهة" میں لوئی نہم کی وصیت کے خطرناک پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے اور عالم عربی واسلامی کی بگڑتی موجودہ صورت حال کو اس کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ لوئی نہم کا وصیت نامہ

پیرس کی قومی دستاویزات لائبریری میں موجود ہے۔

لوئی نہم کی وصیت

لوئی نہم نے ساتویں صلیبی حملہ (۱۲۴۸ء—۱۲۵۰ء) میں شکست کھانے کے بعد وصیت کی تھی کہ:۔

جنگ اور طاقت کے بل پر مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرنا ناممکن ہے، کیونکہ مسلمانوں میں اپنے دین وعقیدہ سے بے پناہ لگاؤ ہے اور اللہ کے راستہ میں جان ومال قربان کردینے اور اتباع رسول کا جذبہ ان کے دلوں میں موجزن ہے اور ان جذبات کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو زیر کرنا ممکن نہیں، اس کے لیے ایسی حکمت عملی اور پلاننگ کی ضرورت ہے جس سے مسلمانوں کے دینی تعلق کو ختم کردیا جائے، دینی اسپرٹ اور روح کو ختم کردیا جائے، مسلم ممالک کے مابین نفرت وعداوت اور خلفشار وانتشار پیدا کردیا جائے، مسلمانوں کے اتحاد واتفاق کو ختم کردیا جائے، مسلم معاشرہ میں الحاد وکفر، دین بیزاری، اخلاقی بے راہ روی عام کردی جائے، مسلمانوں کو مختلف گروہوں، جماعتوں اور فرقوں میں بانٹ دیا جائے، فقہی اور مسلکی اختلافات پیدا کردئے جائیں، اسلامی اور دینی اقدار وروایات سے دوری پیدا کردی جائے اور قرآن وحدیث سے مسلمانوں کے تعلق کو بالکل ختم کردیا جائے، تو مسلمانوں پر کنٹرول اور غلبہ حاصل کیا جاسکتا ہے"۔(۱)

اس مقصد کی تکمیل کے لیے اور مسلمانوں کے دینی عقائد ومسلمات کو مسخ کرنے، مسلمانوں میں موجود دینی اسپرٹ اور جذبہ جہاد کو ختم کرنے، دین سے ان کی وابستگی کو کمزور کرنے اور اسلامی اور دینی مآخذ قرآن وحدیث کے متعلق مسلمانوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے مغربی سامراج نے متعدد وسائل اور طریقے اختیار کیے، جن میں سرفہرست وسائل مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) عیسائی مشنری۔
(۲) استشراق۔
(۳) تجدد پسندی۔
(۴) فکری وثقافتی یلغار۔

تیونس میں ۱۲۷۰ء میں آٹھویں صلیبی جنگ میں لوئی نہم کی موت کے کچھ عرصہ بعد یورپ نے لوئی نہم کے نقشہ میں رنگ بھرنا شروع کر دیا، یورپ میں اسلامیات، تراجم قرآن وحدیث، فقہ اسلامی، فکر اسلامی اور تاریخ اسلام پر ریسرچ اور مطالعہ کی تحریک شروع کی گئی، یورپین یونیورسٹیوں میں مشنری اور استشراق کی سرگرمیاں شروع ہوئیں، اور ۱۲۹۱ء میں صلیبی جنگوں کے خاتمہ کے بعد سے فکری اور تہذیبی یلغار کا آغاز ہوا، مغربی سامراج چار محاذوں (مشنری Missionary، استشراق Orientalism مغربیت Westernization ، فکری وثقافتی یلغار) کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو کچلنے میں کامیاب رہا۔

آج مسلمان جن داخلی وخارجی اختلافات ومسائل سے دوچار ہیں وہ مغربی سامراج کے پیدا کردہ ہیں جو لوئی نہم کی وصیت کے مطابق اقدامات کر رہا ہے۔

لوئی نہم کی وصیت بیسویں صدی عیسوی کے نصف تک پردۂ خفا میں رہی، سب سے پہلے ۱۹۵۸ء میں امین فارس نے اس خطرناک وصیت کا انکشاف کیا، امین فارس نے رسالہ ''الابحاث'' میں اپنے ایک مضمون میں بڑی صراحت کے ساتھ لکھا تھا کہ یورپ نے آج اسلام اور مسلمانوں کو زیر کرنے کے لیے جو حکمت عملی اور طریقہ اختیار کیا ہے وہ لوئی نہم کی وہ وصیت ہے جو اس نے تیونس میں اپنی وفات سے پہلے کی تھی۔

ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی نے ۱۹۱۳ء میں رسالہ ''الفتح'' میں لکھا تھا کہ:

> لوئی نہم نے اپنی وصیت میں جن نکات پر زیادہ زور دیا ہے وہ مسلمانوں میں جہاد کی روح کا خاتمہ ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے عیسائی مشنری اور مستشرقین نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، عیسائی مشنری نے تعلیم وتربیت اور تعاون وہمدردی، مصائب وآلام اور قدرتی آفات، طوفان

وسیلاب کے موقعوں پر لوگوں کی مدد کے راستہ سے اور مستشرقین نے بحث وتحقیق کے راستہ سے شریعت اسلامی کے بنیادی مصادر وماٰخذ قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی پر مسلمانوں کے اعتماد کو متزلزل کردیا، اور دین اسلام کے تعلق سے دلوں اور ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کردئے۔

یورپ نے فکری وثقافتی یلغار کے ذریعہ بڑی حد تک اپنے مقاصد حاصل کرلیے، مسلمانوں میں اختلاف وانتشار پیدا کردیا، ان کو گروہوں اور چھوٹے چھوٹے کیمپوں میں تقسیم کردیا، خلافت عثمانیہ کو (جس کو یورپ نے ''یورپ کا مرد بیمار'' کہا تھا) ختم کرکے مسلم ملکوں پر قبضہ کرلیا اور اقتدار کی کرسی پر ایسے افراد بٹھادیئے جو مغربی سامراج کے وفادار تھے، اور تعلیم وتربیت کے راستہ سے دین اسلام سے دوری اور نفرت پیدا کردی، الجزائر، مصر، ترکی، تیونس، مراکش، انڈونیشیا، ہندوستان، بنگلہ دیش اور افریقہ کے ملکوں میں عیسائی مشنری اور مستشرقین کی دسیسہ کاریوں اور ان کی سامراجی کوششوں کے اثرات نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

درحقیقت مغرب اور یورپ کو خوف اسلام سے نہیں، اس کی موثر وروادارانہ تعلیمات، تسخیری صلاحیت اور دلوں کو فتح کرلینے والی قوت سے ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے وہ مسلمانوں کے قرآن وسنت سے مضبوط تعلق، خدا اور رسول کی بے پناہ محبت، اسلامی تعلیمات پر ان کے اعتماد ویقین، اور راہِ خدا میں جاں سپاری وجاں نثاری کے بے مثال جذبہ کا اندازہ لگا چکا ہے، اسے معلوم ہوگیا ہے کہ مسلمان اسلام کے تحفظ کی خاطر جان ومال، عزت ومتاع ہر قسم کی قربانی پیش کرسکتے ہیں، لیکن اس کے دامن پر کوئی دھبہ برداشت نہیں کرسکتے، اسلام کے عوض انہیں کوئی سودا منظور نہیں ہوگا۔

لارنس براؤن Laurence Browne کہتا ہے۔

''پہلے ہم یہودی خطرے سے ڈرتے تھے، زرد خطرے (جاپان۔ چین) سے ڈرتے تھے اور اشتراکیت سے ڈرتے تھے لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا، اس لیے کہ یہود ہمارے دوست نکلے، چنانچہ ان پر ظلم کرنے والا ہمارا جانی دشمن ہوگا، پھر دوسری عالمی جنگ کے دوران اشتراکی ہمارے

حلیف بنے، رہا زرد خطرہ (جاپان۔چین) تو اس سے نمٹنے کے لیے بڑی جمہوری حکومتیں کافی ہیں، اب اصل خطرہ نظام اسلامی اور اس کے زندہ جاوید مذہب ہونے کی حیثیت سے اپنے حلقۂ متبعین کو وسیع کر لینے کی غیر معمولی قدرت وصلاحیت سے ہے، مسلمان زبردست حیرت انگیز حیات بخش طاقت وقوت کے مالک ہیں، یورپی سامراج کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تنہا یہی (اسلام) ہے"۔

ایک دوسری جگہ کہتا ہے کہ:۔

"جب تک مسلمانوں میں اختلاف اور انتشار رہے گا اس وقت تک ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی اور نہ ان کا کوئی وزن ہوگا، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ عرب اور مسلمان ایک دوسرے سے الگ رہیں، ان میں اتحاد قائم نہ ہونے پائے تا کہ انہیں کوئی طاقت وقوت حاصل نہ ہو سکے اور دنیا کے نقشہ میں ان کی کوئی حیثیت نہ رہے" (۲)

آرنلڈ ٹائن بی A. Toynbee اپنی کتاب "الاسلام والغرب" میں کہتا ہے:۔

"عربی اتحاد ابھی سویا ہوا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ہمیشہ یہ بات خیال میں رہے کہ سویا ہوا کبھی بیدار بھی ہو سکتا ہے"۔

مورو بیرجر (Morroe Bergere) اپنی کتاب "العالم العربی" میں کہتا ہے:۔

"یہ بات تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے کہ عربوں کی قوت کا مطلب ہے اسلام کی طاقت، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اسلام کو ملیا میٹ کر کے مسلمانوں کو ختم کر دیں"۔

ایک دوسرا مغربی رہنما کہتا ہے:۔

"میرے خیال میں کمیونزم یورپ کے لیے کوئی خطرہ نہیں، بلکہ حقیقی خطرہ اسلام سے ہے، جو ہم کو براہ راست چیلنج کر رہا ہے، مسلمان ہماری مغربی دنیا سے الگ اپنی ایک مستقبل دنیا رکھتے ہیں، ان کے پاس خالص

روحانی سرمایہ ہے اور وہ ایک حقیقی یکجہتی اور تاریخی تہذیب وتمدن کے مالک
ہیں، مسلمانوں میں اس کی صلاحیت واہلیت ہے کہ وہ بغیر کسی تعاون ومدد
کے ایک نئی دنیا کی بنیاد رکھ سکتے ہیں، مسلمانوں کے اپنے مقاصد کو بروئے
کار لانے کے لئے صرف اس صنعتی اور ٹکنیکل ترقی کی ضرورت ہے جو
مغرب نے حاصل کرلی ہے''۔

۱۹۵۲ء میں فرانسیسی وزارت خارجہ کے ایک ذمہ دار نے کہا تھا کہ:۔
''عالم اسلام کی جو بھی ضرورت ہو ہم اسے فوراً پورا کریں اور اس کو صنعتی اور ٹکنیکل ترقی سے بالکل غافل رکھیں، اگر ہم نے ایسا نہیں کیا اور اس نے صنعتی اور ٹکنیکل ترقی حاصل کرلی تو وہ اپنی اسلامی طاقت وقوت کی بنیاد پر ایک عظیم خطرہ بن جائے گا جس سے مغرب علم وفن میں اپنے قائدانہ کردار سے محروم ہو جائے گا اور اس کا وجود مٹ جائے گا''۔(۳)

پادری سائمن Saimon کہتا ہے:۔

''اسلامی وحدت ہی مسلمان قوموں کی آماجگاہ ہے، اور اسی سے
مسلمان یورپین تسلط سے خلاصی حاصل کر سکتے ہیں، دوسری طرف
عیسائی مشنری ہی اس وحدت کو پاش پاش کرسکتی ہے، لہٰذا ہمیں
چاہئے کہ ہم عیسائی مشنری کے ذریعہ مسلمانوں کا رخ اسلامی وحدت
سے پھیر دیں''۔(۴)

۱۹۳۸ء میں برطانوی نوآبادیات کے وزیر ''اورمسی گو'' نے اس وقت کے برطانوی وزیر اعظم کو ایک رپورٹ پیش کی تھی جو لندن کے ڈاکومنٹری سنٹر میں موجود ہے جس کا نمبر ۳۷۱-۵۵۹۵ ہے، اور مصری اخبار ''العلم'' نے مجلّہ ''درع الوطن'' کے حوالہ سے شائع بھی کیا تھا، اس ڈاکومنٹری رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:۔

''جنگوں سے ہم کو یہ سبق ملا ہے کہ اسلامی وحدت سب سے بڑا خطرہ
ہے، دولت عظمی کو چاہئے کہ وہ فوری طور پر اس کا قلع قمع کرے، اور تنہا
برطانیہ ہی اس کا ذمہ دار نہیں ہے، بلکہ فرانس کو بھی اس پر توجہ دینی چاہئے۔

ہمارے لئے یہ باعث مسرت ہے کہ خلافت عثمانیہ کا زوال ہو چکا ہے اور ہماری اب یہی تمنا ہے کہ پھر کبھی دوبارہ خلافت قائم نہ ہو۔ ہماری پالیسی اب ہمیشہ یہی رہے کہ اسلامی وحدت یا اسلامی یکجہتی قائم نہ ہونے پائے، ہم نے سوڈان، نائجیریا، مصر اور دوسرے اسلامی ملکوں میں مقامی قومیت اور عصبیت کو فروغ دیا ہے، اس لئے کہ یہ ہمارے لئے خطرہ نہیں ہیں، بلکہ اس سے اسلامی وحدت پاش پاش ہو جائے گی، اسی لئے ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ خلافت عثمانیہ کو کمزور کر دیا جائے اور مکہ و مدینہ سے اس کے اثر کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ ہمارے لئے یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ کمال اتاترک نے ترکی میں صرف سیکولرازم ہی کو فروغ نہیں دیا، بلکہ ایسے اقدامات کئے جن سے اسلام کا نام ونشان مٹ جائے گا، یہی کام ایران میں رضا شاہ نے بھی کیا"۔(۵)

مشنری دین کے لبادہ میں سیاسی وسامراجی مقاصد کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں، صموئیل زویمر Zweimer نے ۱۹۳۵ء میں قدس میں منعقد مشنری کانفرنس میں اپنے مشن کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

"میرے پیارے بہادر بھائیو! آپ لوگوں کو آپ کے رب کی خاص توجہ اور عنایت حاصل ہے، اس لئے کہ آپ حضرات مسیحیت کی خدمت کے راستے میں کام کر رہے ہیں، آپ لوگوں نے اپنی ذمے داریوں کو بحسن وخوبی ادا کر دیا ہے، میرا خیال ہے کہ آپ میں سے اکثر لوگوں نے اگرچہ اپنے مفوضہ کام کو احسن طریقہ پر پورا کر دیا ہے، لیکن اپنے مشن کے بنیادی پیغام کو پورے طور پر نہیں سمجھا، میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ جو مسلمان عیسائیت میں داخل کئے گئے ہیں، وہ حقیقت میں مسلمان تھے ہی نہیں، اس لئے کہ وہ (جیسا کہ آپ حضرات کا بیان ہے) یا تو ناواقف اور بے سہارا تھے، کسی نے آج تک انہیں اسلام سے متعارف کرایا ہی نہیں تھا، یا دین بیزار تھے، فقیر وقلاش تھے، ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا، صرف

روزی روٹی کی فکر انہیں لاحق تھی، یا وہ لوگ تھے جنہیں صرف اپنا مفاد اور ذاتی مقصد عزیز تھا، یاد رکھو کہ آپ کو جس مہم کے لئے منتخب کر کے اسلامی ملکوں میں بھیجا گیا ہے اس کا مقصد مسلمانوں کو عیسائیت میں داخل کرنا نہیں، آپ کا مشن یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو عیسائی مذہب میں داخل کرلو، یہ تو ان کے لیے ہدایت اور باعث شرف بات ہوگی، بلکہ آپ کے مشن کا مقصد یہ ہے کہ تم مسلمانوں کو اسلام سے خارج کردو کہ اللہ اور دین سے ان کا کوئی تعلق باقی نہ رہے، نتیجۃً ان قدروں اور مسلمات سے بھی ان کا تعلق وربط ختم ہو جائے گا جن پر قومیں اپنی زندگی میں بھروسہ کرتی ہیں، اس طرح تم لوگ اسلامی ملکوں میں سامراجی فتح اور غلبہ کے ہراول دستے کہلاؤ گے اور یہ کام تم لوگوں نے گزشتہ سو برسوں میں بخیر وخوبی انجام بھی دیا ہے، میں آپ لوگوں کو اس پر مبارکباد دیتا ہوں۔

میرے عزیزو! ہم نے اب تک (انیسوی صدی کے ثلث اول تک) تمام آزاد اسلامی ممالک یا وہ ممالک جو عیسائی اثر ورسوخ کے تابع ہیں ان میں تعلیم وتربیت کے تمام وسائل اور اداروں پر قبضہ کرلیا ہے، اور ہم نے ان ملکوں میں عیسائی مشنری کا نیٹ ورک پھیلا دیا ہے، اور یورپی اور امریکی تعاون کے تحت چلنے والے تمام اداروں میں ہم نے کنٹرول حاصل کرلیا ہے، اور یہ سب آپ حضرات کی کوششوں کا فیض ہے، یہ بڑی کامیابی ہے، آپ لوگوں نے اپنے وسائل کے ذریعہ اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے دل ودماغ کو متاثر کردیا ہے، اور اسلام سے مسلمانوں کو خارج کرنے کی راہ بالکل ہموار کردی ہے، آپ نے ایک ایسی نسل تیار کردی ہے جو خدا بیزار ہے، مسلمان کو اسلام سے نکال دیا اور عیسائیت میں داخل بھی نہیں کیا (یعنی دین کے رہے نہ دنیا کے)۔لہٰذا اب مسلمانوں کی نئی نسل سامراج کی منشا کے مطابق تیار ہوئی ہے، جو عزم وحوصلہ سے عاری اور سہل انگاری اور کاہلی کی عادی ہے، لہٰذا اگر وہ پڑھتے ہیں تو خواہش نفس

کی تکمیل کے لئے، مال کماتے ہیں تو نفس کی آسودگی کے لئے اور اگر کوئی عہدہ یا منصب حاصل کرتے ہیں تو وہ بھی خواہشات نفس کے لئے، تم لوگوں نے اپنا مشن پورا کر دیا، اچھے نتائج حاصل کر لیے، پوری عیسائی دنیا تم کو مبارکباد پیش کرتی ہے، سامراج تم سے خوش ہے، لہٰذا اپنے مشن میں دل وجان سے لگے رہو، اس عمل کی وجہ سے تم پر تمہارے رب کی رحمتوں اور برکتوں کی بارش ہو رہی ہے''۔(۶)

عیسائی مبلغ جسپ Jessup کہتا ہے کہ اسلام کو دنیا سے ختم کر دیا جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے مغرب نے اپنے زیر اثر اسلامی ملکوں کے حکام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی کہ:

اسلام بالکل سادہ اور محدود مذہب ہے، اس میں زندگی کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں، اس نے اگرچہ ماضی میں عرب کے کچھ بدوؤں میں سدھار پیدا کر دیا تھا، لیکن اب یہ موجودہ دور میں نئے سماج کی تعمیر وترقی میں کوئی رول ادا نہیں کر سکتا، اور مشرقی طرز حیات ایک بدترین ماضی کی یاد دلاتا ہے مشرقی (مسلمان) ذلیل اور پسماندہ لوگ ہیں ان میں بداخلاقی، انتشار وخلفشار، مختلف بیماریاں اور بھکمری عام ہے۔ ان کی اس پسماندگی اور ذلت کا سبب محض اسلام سے وابستگی ہے، جو نہ تو زندگی کی رہنمائی کر سکتا ہے اور نہ حکومت اور اقتدار ہی کی کوئی صلاحیت رکھتا ہے۔

مغرب کے اس گمراہ کن تصور اور پر پیگنڈہ کی وجہ سے خود مسلم حکام نے اسلام کے خلاف مہم چھیڑ دی، حتیٰ کہ بعض ملکوں میں اسلامی شعائر اور دینی مظاہر پر پابندی لگادی گئی اور مغرب کے الحاد اور دین بیزاری پر مبنی افکار وتصورات (اشتراکیت، سیکولرازم، قومیت، وطنیت، علاقائیت) عام ہو گئے اور مسلمانوں کی اپنے دین اسلام سے وابستگی کمزور بلکہ ختم ہو گئی، اور مغربی تہذیب وتمدن کے اثر سے دینی تشخص اور اسلامی شناخت مٹ گئی اور قومیت اور وطنیت کے پرفریب نعروں کی وجہ سے اسلامی وحدت کا شعور ختم ہو گیا۔

اپریل ۲۰۰۵ء میں امریکہ کے پالیسی ساز اور تحقیقی ادارہ رینڈ کارپوریشن (RAND CORPORATION) نے ''عالم اسلام نائن الیون کے بعد'' (The Muslim World after 9/11) کے عنوان سے ۵۶۷ صفحات میں ایک رپورٹ شائع کی، جس میں عالم اسلام پر کنٹرول حاصل کرنے کی سیاسی اور فوجی حکمت عملی طے کی گئی ہے، اس رپورٹ میں بھی اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ عالم اسلام میں رنگ ونسل، علاقائیت اور قومیت کی بنیاد پر تفریق وانتشار اور فقہی اور مسلکی اختلافات پیدا کر کے مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر کر دیا جائے۔ تجدد اور روشن خیالی کے عنوان کے تحت الحاد و بے دینی کو فروغ دیا جائے، اصلاح کے نام سے دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں دینی مضامین کو کم کر دیا جائے، بلکہ اسلامی اور دینی روح بالکل ختم کر دی جائے، اور اسلامی ملکوں میں قیام امن کے نام سے فوجی اڈے قائم کے جائیں۔ (۷)

۲۶ر مارچ ۲۰۰۷ء میں رینڈ نے (Bulding Moderate Muslim Network) کے عنوان سے ایک اور رپورٹ شائع کی جس میں ''معتدل اسلام'' کے نام سے دین اسلام کو بدلنے کی حکمت عملی تیار کی گئی اور مسلمانوں میں سیکولر، کمیونسٹ اور اشتراکی رجحان کے حامل افراد کے ساتھ تعامل پر زور دیا گیا اور مساجد اور اسلامی مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ قرار دے کر مسلمانوں کو مسجدوں سے دور کرنے کی پالیسی اختیار کی گئی۔ (۸)

اقتصادی اور سیاسی پس منظر

بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے اوائل میں مغربی سامراج نے اپنے نظام کے تحفظ وبقا کے لیے مہلک اور تباہ کن ہتھیار اور زہریلے کیمیکل ایجاد کیے ہیں، اور ذہن کی تبدیلی ومخالف کی ہلاکت یا اس کو اذیت پہونچانے کے لیے نئے وسائل ایجاد کیے جارہے ہیں، ان میں بعض ایسے ہتھیار ہیں جن کا مقصد صرف انسان کی تباہی ہے، اس طور پر کہ صنعتی اداروں اور مراکز کو اس سے کسی قسم کا نقصان نہ ہونے پائے، اس کی واضح دلیل نائٹروجن بم کے موجد کا وہ بیان ہے جو انھوں نے ایک ٹیلی ویژن انٹرویو میں دیا تھا،

انھوں نے کہا کہ: ''ان کا بم صرف انسانوں کو فنا کرے گا صنعتی اداروں کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا، انھوں نے یہ بھی کہا کہ انسان چونکہ جنگ کرتا ہے، اس لیے وہی قتل کا مستحق ہے، ان اداروں کی کوئی خطا نہیں ہے جس کی پاداش میں ان کو تباہ و برباد کیا جائے''۔

اخباری رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کیمیائی ہتھیاروں کا نشانہ صرف انسان ہے، ان کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے نتیجہ میں انسان دست، قے، دماغی خرابی اور اندرونی اضطراب و بے چینی کا شکار ہو جاتا ہے، پھر وہ نیند سے محروم ہو جاتا ہے، اور اعصاب بے کار ہو جاتے ہیں، آنکھ کی روشنی جاتی رہتی ہے، اور سینہ و سر میں سخت تکلیف اور درد ہوتا ہے، آخر کار یا تو انسان مر جاتا ہے یا مردوں کی سی زندگی گذارتا ہے۔

۲۰۰۴ء میں عراق کے شہر فلوجہ پر امریکہ نے جو ایٹمی بمباری کی تھی اس کے نتیجہ میں خطرناک اور مہلک بیماریاں پیدا ہو گئی ہیں، جن میں سرفہرست کینسر اور بلڈ کینسر کا خطرناک مرض ہے، امریکی صحافی رابرٹ کوہلر کی رپورٹ کے مطابق فلوجہ پر امریکی بمباری کے بعد جو بچے جنم لے رہے ہیں، وہ عجیب و غریب قسم کے ہیں، کسی کے سر نہیں ہوتا، تو کسی کے دو سر ہوتے ہیں، کسی کی ایک آنکھ پیشانی میں ہے تو دوسری غائب، یا نو مولود بچوں کے اعضاء جسمانی کٹے ہوئے یا بعض اعضاء بالکل جھلسے ہوتے ہیں، یہ بچے جلد ہی موت کی نیند سو جاتے ہیں یا جوں جوں بڑے ہوتے جاتے ہیں خوفناک اور بھیانک شکل اختیار کر لیتے ہیں اور بلڈ کینسر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ رابرٹ کوہلر نے لکھا ہے کہ فلوجہ میں ایٹمی بمباری کے بعد شیر خوار بچوں کی وفات کا تناسب ۱۹۴۵ء میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر پھینکے گئے ایٹم بم کے نتیجہ میں ہونی والی اموات سے کئی گنا زیادہ ہے، اور یہاں پر تیزی سے کینسر خصوصاً بلڈ کینسر نے وبا کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اور جس طرح جاپان میں ایٹم بم گرانے کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کی ولادت کے تناسب میں فرق آ گیا تھا اسی طرح کی صورت حال فلوجہ شہر میں پیش آ رہی ہے، لہٰذا فلوجہ پر ایٹمی بمباری سے پہلے لڑکوں کی شرح پیدائش ۱۰۵۰ تھی، اور لڑکیوں کا تناسب ۱۰۰۰ تھا، لیکن بمباری کے بعد لڑکوں کی شرح پیدائش ۸۶۰ ہو گئی ہے جبکہ لڑکیوں کی شرح پیدائش ۱۰۰۰ ہے۔ (۹)

گذشتہ جنگ عظیم میں جاپان کے شہروں پر جو ایٹم بم پھینکا گیا تھا، اس کی وجہ سے اس علاقہ کی بربادی اور وہاں سے زندگی کا نام ونشان مٹنے کے علاوہ اب تک جانوں کو نقصان پہونچ رہا ہے، چنانچہ صرف فضا میں باقی ماندہ ایٹمی اثرات سے مرنے والوں کی تعداد دسیوں ہزار سے زیادہ ہو چکی ہے۔

کویت سے شائع ہونے والے عربی رسالہ "المجتمع" نے ۲۰۱۰ء میں امریکی محققین کے حوالہ سے ایک دستاویزی رپورٹ شائع کی جس میں کہا گیا ہے کہ "آج کل جو مختلف نئی نئی جان لیوا بیماریاں سامنے آرہی ہیں یہ سب ان ایٹمی اور بایولوجیکل تجربات کا نتیجہ ہیں جو وقتاً فوقتاً عالمی طاقتیں کرتی رہتی ہیں، امریکہ نے ایک نیا زہریلا "کمٹر ائیل" (Chemtrail) ایجاد کیا ہے. جس کے استعمال سے خطرناک زلزلے اور حوادث برپا کیے جاتے ہیں اور انسانی زندگی تباہ کردی جاتی ہے، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ایڈز، کینسر، بلڈ کینسر، دل کی بیماری، گردہ کی بیماری، تنفس کی بیماری، سوائن فلو، برڈ فلو، سارس، ڈینگو بخار، چکن گنیا جیسے خطرناک امراض زہریلے کیمیکل اور ایٹمی ذرات کے ذریعہ دنیا میں پھیلائے جارہے ہیں، جس کا مقصد متعینہ علاقوں میں انسانی آبادی کو برباد کرنا ہے، نئے سامراج کا یہ انتہائی خفیہ اور مہلک ہتھیار ہے، اس کیمیکل کے ذریعہ کہیں سخت ترین ٹھنڈک اور کہیں سخت ترین گرمی پیدا کی جاتی ہے جیسا کہ کوسوو، تورابورا اور شمالی کوریا میں کیا گیا، کوسوو میں سردی کے موسم میں سخت ترین ٹھنڈک پیدا کردی گئی جس کے نتیجہ میں کوسوو کی بڑی آبادی ہلاک ہوگئی، افغانستان میں تورابورا پہاڑی کو خشک کردیا گیا جس کی وجہ سے پہاڑی پر رہنے والی آبادی نقل مکانی پر مجبور ہوگئی، شمالی کوریا میں اس کیمیکل کو استعمال کیا گیا جس کے نتیجہ میں صرف دو سال کی مدت میں ۶ ملین بچے اور ۸ ملین نوجوان ہلاک ہوگئے، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ امریکہ میں ہیٹی (Haiti) کا زلزلہ اسی کیمیکل کے تجربہ کا نتیجہ ہے۔ ماحولیاتی تبدیلی اور گلوبل وارمنگ (Global Warming) بھی بایولوجیکل اور ایٹمی تجربات کا نتیجہ ہے۔ کمٹر ائیل کیمیکل کے استعمال سے کہیں زوردار بارش کرائی جاتی ہے کہ سیلاب آجاتا ہے اور کہیں فضا میں پانی

روک کر خشکی پیدا کی جاتی ہے جیسا کہ روس نے ۲۰۰۵ء میں دوسری جنگ عظیم کے ساٹھویں جشن کے موقع پر کیا تھا، جنگ خلیج میں بھی اس کیمیکل کا استعمال کیا گیا تھا جس کی وجہ سے ۷۴ر فیصد امریکی فوجی مہلک بیماریوں کا شکار ہو گئے تھے۔ حالیہ چند برسوں میں مصر اور شمالی افریقہ میں جو سخت ترین گرمی پڑی اس کے پیچھے بھی اس کیمیکل کا تجربہ شامل تھا، امریکہ کے پاس اس وقت چار خطرناک کیمیائی پروگرام ہیں، جن کا مقصد دنیا کے ماحولیاتی نظام اور جغرافیائی نظام میں خرابی پیدا کر کے سامراجی مقاصد کو بروئے کار لانا ہے۔

امریکی قومی سلامتی کونسل کے سابق سربراہ ہنری کیسنجر نے جو سابق وزیر خارجہ بھی رہ چکے ہیں، امریکی انتظامیہ کو مشورہ دیا تھا کہ امریکہ کی بقا کے لئے تیسری دنیا کے ممالک میں انسانی آبادی کو کم کرنا بہت ضروری ہے، کیونکہ ہماری اقتصادی ضروریات بہت ہیں، اور ہمیں خارجی دنیا کے معادن اور ذخائر کی شدید ضرورت ہے، خاص طور پر وہ ممالک جو اپنے معدنی ذخائر کو استعمال کرنے پر قادر نہیں ہیں، اس طریقہ سے ہم ان ممالک میں اقتصادی، سیاسی اور سماجی استقرار کو مضبوط کریں گے اور آبادی کی کمی سے اس استقرار کے امکانات اور زیادہ قوی ہو جائیں گے، اس لئے تیسری دنیا کی آبادی کا مسئلہ امریکہ کے اقتصادی مفادات اور قدرتی ذخائر کے لئے اہم مسئلہ ہے۔ لہذا امریکہ نے ایسا ہی کیا اور تیسری دنیا کے ممالک کو کیمیائی اور بایولوجیکل ہتھیار سپلائی کئے۔ جیسا کہ عراق ایران جنگ کے موقع پر امریکہ نے عراق کو یہ مہلک ہتھیار بہم پہونچائے اور جنگ سے پہلے امریکہ، روس اور چین نے عراق کو کیمیائی ہتھیار سپلائی کیے۔

انسان دشمن اور جنگ دوست مغرب دوبارہ جنگ کی تیاری میں مصروف ہے، کیمیائی اور ایٹمی ہتھیاروں سے لیس فوجی نقل وحرکت مختلف علاقوں میں جاری ہے، سمندر اور دریا کی اس نقل وحرکت کا میدان بننے کی وجہ سے زہریلی گیسوں کے اثرات سے آلودگی بڑھتی جا رہی ہے، ایٹمی تجربوں نے فضا کو ایسا آلودہ کر دیا ہے کہ انسان کے استعمال کی ہر چیز متاثر ہونے لگی ہے جس کی وجہ سے طرح طرح کے لاعلاج امراض پیدا ہو رہے ہیں، ان میں ایک نیا مرض

مارگیولنس (Morgellons) ہے جس کا اثر جسم کے جوڑوں میں ظاہر ہوتا ہے، قوت حافظہ ختم ہونے لگتی ہے اور اس مرض میں مبتلا مریض کو ایک عجیب بے چینی ہوتی ہے کہ کھال کے نیچے کوئی چیز کاٹ رہی ہے"۔ (۱۰)

مندرجہ بالا جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مغربی سامراج اپنے غلبہ وبالا دستی کو باقی رکھنے کے لیے کیسے کیسے انسانیت سوز جرائم کا ارتکاب کرتا ہے اور جنگیں کراتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مغربی تہذیب کے نزدیک انسان کی کیا قدر و قیمت ہے۔

یہی وہ "تہذیب" ہے جس نے پوری دنیا میں انتشار، فساد، کرپشن، بدامنی اور اخلاقی انارکی پیدا کردی ہے، انسان کا چین وسکون چھین لیا ہے، ماں کی ممتا چھین لی ہے، باپ کی شفقت وفکر مندی سلب کرلی ہے، گھر کا سکون غارت کردیا ہے، سماج کا تانابانا بکھیر دیا ہے، ملک کا نظام تہہ وبالا کردیا ہے، انسانی اور اخلاقی قدروں کا جنازہ نکال دیا ہے اور انسانی زندگی کو جہنم بنادیا ہے۔

اسلامی مفکر ومعروف ادیب وصحافی مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:۔

> "مغربی تہذیب ایک ترقی پذیر تہذیب ہے، جس میں سکون اور ٹھہراؤ نہیں، اس کی ترقی کی راہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی ہے، اخلاق اور انسانی قدریں اس کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں، اگر وہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنیں تو انھیں قربان کیا جاسکتا ہے، بلکہ اس تہذیب کے علمبرداروں کی نگاہ میں انسانی قدریں ایک فرسودہ تصور ہے، جو ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اس لیے موجودہ تمدن میں سب سے بڑی جو قربانی پیش کی جاتی ہے وہ اخلاق اور اقدار زندگی کی قربانی ہے۔ موجودہ سیاست کے بانی میکاویلی MACHIAVELLI کے نزدیک اپنے مقصد کے حصول کے لیے ہزاروں انسانوں کا خون کیا جاسکتا ہے، اور مقاصد کے

حصول کے لئے کسی طرح کے وسائل اختیار کئے جاسکتے ہیں۔

مغربی تہذیب انسان کو کس نظر سے دیکھتی ہے، اس کا اندازہ اس کی سیاسی تاریخ اور علمی تصورات سے کیا جاسکتا ہے، سیاسی تاریخ اس کی رومی عہد سے سامراجی اور استبدادی ہے، علمی لحاظ سے اس کے دانشور، انسان کے حیوان الاصل ہونے کے قائل ہیں، موجودہ عہد میں بھی مختلف ملکوں میں سرمایہ دار اور اشتراکی نظاموں کی جابرانہ پالیسیوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے نزدیک انسان کا کوئی احترام نہیں ہے، اس سے زیادہ حیوان قابل احترام ہے، شاید اس لئے کہ انسان کے اندر احساس وشعور اور اپنے دفاع کی صلاحیت وقوت موجود ہے، اس لئے اسے کسی قسم کی حفاظت، پناہ اور احترام کی ضرورت نہیں ہے، اس نے انسان کو صنعتی اور تہذیبی ترقیوں کا ایندھن بنالیا ہے، اس پر مہلک تجربے کیے جاتے ہیں، اس کے ذہن اور دماغ کو متاثر کرنے کے لئے اذیت کے نئے نئے وسائل اور مشینیں ایجاد کی جاتی ہیں، اور مختلف ملکوں میں ان کو رائج کیا جاتا ہے، اس کو اپنے عقیدہ اور مرضی کے مطابق صاف اور پاکیزہ زندگی گذارنے کے حق سے محروم کیا جاتا ہے، اور اس کی مرضی کے خلاف نظریات اور نظام زندگی کا پابند بنایا جاتا ہے، مویشیوں اور بکریوں کے گلہ کی طرح اس کو ہانکا جاتا ہے"۔(۱۱)

مغربی سامراج نے اپنے سامراجی مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے لوئی نہم کی وصیت کے مطابق حکمت عملی تیار کر کے جو وسائل اختیار کیے ہیں اور جن محاذوں پر کام کیا ہے، آئندہ صفحات میں ان کا مختصر تعارف پیش کیا جائے گا تا کہ ان سے واقف ہو کر بچاؤ کی تدبیر کی جاسکے اور انسانیت کے دشمنوں کی اصلی تصویر دنیا کے سامنے آسکے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی اور ناصر ہو۔ (آمین)

حوالہ جات:

(۱)۔بحوالہ:دور المسلم في الحياة"از:ڈاکٹر توفیق الواعي،مطبوعہ دار التوزیع والنشر الإسلامية، قاہرہ، منقول از: الغزو الفكري :التحدي والمواجهة" بقلم:ڈاکٹر اسماعیل علی محمد، منصورہ،مصر۔

(۲)۔قادة الغرب يقولون: دمروا الاسلام ،حلال العالم، ص ۷۵،عمان دار الارقم، ۱۹۸۱ء۔

(۳)۔قادة الغرب يقولون: دمروا الاسلام ،حلال العالم، ص ۸۱،عمان دار الارقم، ۱۹۸۱ء۔

(۴)قادة الغرب يقولون: دمروا الاسلام ،حلال العالم، ص ۷٤،عمان دارالارقم، ۱۹۸۱ء۔

(۵)۔بحوالہ کتاب" هموم داعية" مؤلفہ محمد الغزالی،ص:۱۶۶-۱۶۷۔

(۶)۔حذور البلاء،عبداللہ التل،ص:۲۷۷،طبع دوم،المکتب الاسلامی، بیروت،۱۹۷۸ء)

(۷)۔(مجلہ" المجتمع" کویت،شمارہ نمبر ۱۶۴۸،۲۰۰۵ء)

(۸)۔(مجلہ المجتمع" کویت،شمارہ نمبر ۱۷۵۰،۲۰۰۷ء)

(۹)۔عربی رسالہ" المجتمع" شمارہ نمبر:۱۹۲۰،ستمبر ۲۰۱۰ء

(۱۰)۔مجلہ" المجتمع" کویت،شمارہ نمبر:۱۹۱۹،۱۹۲۰،۱۹۲۱،ستمبر ۲۰۱۰ء

(۱۱)، پندرہ روزہ تعمیر حیات، ۲۵/اکتوبر ۲۰۱۰ء

وسائل

عیسائی مشنری　　استشراق

صہیونیت　　یہودیت

تخریبی انجمنیں اور افکار و نظریات

عیسائی مشنری

عیسائی مشنری دینی، سیاسی اور استعماری تحریک ہے جو تیرہویں صدی عیسوی میں صلیبی جنگوں میں شکست کے بعد وجود میں آئی، جس کا مقصد دنیا کی مختلف قوموں خصوصاً مسلمانوں میں عیسائی مذہب کی تبلیغ واشاعت کے ذریعہ پوری دنیا پر کنٹرول اور غلبہ حاصل کرنا قرار پایا، اسی وجہ سے مغربی سامراج نے عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کی ہمت افزائی کی، مشنریوں کو ہر ممکن سہولت بہم پہونچائی، اوران کو بہت سے اختیارات دیدیے تاکہ وہ آسانی کے ساتھ مقامی عقائداور قومی ووطنی تہذیب وثقافت کے خلاف اپنی تخریبی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں۔

آغاز اور کلیدی شخصیات

ریمن لل Ramon Lull پہلا شخص ہے جس نے صلیبی جنگوں میں شکست کے بعد عیسائی مشنری کی داغ بیل ڈالی، ریمن نے بڑی جدوجہد سے عربی زبان سیکھی، اس کے بعد شام کے مختلف علاقوں میں مسلم علماء سے مباحثے اور مناظرے کرتا رہا۔

پیٹر ہیلنگ Peter Hellings نے افریقہ کے ساحلی علاقوں میں کام کیا، اور مسلمانوں کے اندر رہ کر نصرانیت کی تبلیغ کی، بارون ڈو پیٹز نے ۱۶۶۴ء میں عیسائی مشنری کی تعلیم کے لیے ایک کالج قائم کیا یہ ادارہ حقیقت میں مشنری سرگرمیوں کا مرکز تھا، یہاں عیسائی مبلغین کو تیار کیا جاتا، اور پھر انہیں مختلف علاقوں میں بھیج دیا جاتا۔

اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں مسٹر کاری سرگرم مشنری کی حیثیت سے منصۂ شہود پر آیا، اس نے مشنری مشن کو مزید تقویت پہونچائی اور اس کے کاز کو منظم کیا۔

ہنری مارٹن (متوفی ۱۸۱۲ء) نے مغربی ایشیا کے ملکوں میں مشنری بھیجے اور اس خطہ میں نصرانیت کو فروغ دیا، اس نے ہندی، فارسی اور آرمینی زبان میں توریت کا ترجمہ کیا۔

۱۷۹۵ء میں لندن مشنری انجمن قائم ہوئی، اس کے بعد اسکاٹ لینڈ اور نیویارک میں مشنری انجمنیں قائم ہوئیں۔

۱۸۱۹ء میں پروٹسٹنٹ کلیسا نے مصر کے قبطیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کے تحت مصر میں ایک مشنری انجمن قائم کی گئی، جس پر افریقہ میں انجیل کی اشاعت و تبلیغ کی ذمہ داری ڈالی گئی، اور برطانوی سیاح ڈیوڈ لیونسٹن (۱۸۱۳ء-۱۸۷۳ء) نے افریقہ کے وسطی علاقوں کا دورہ کیا، یہ اصلاً مشنری تھا، اس نے ریسرچ اور تحقیق کے پردہ میں نصرانیت کی تبلیغ کی اور مختلف طریقوں سے لوگوں کو نصرانیت سے قریب کیا اور اسلام اور مسلمانوں سے نفرت پیدا کی۔

۱۸۴۹ء میں عیسائی مشنریوں نے شام کا رخ کیا، اور پورے ملک میں مشنری کا جال پھیلا دیا، اور ملک کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے منظم طریقہ پر عیسائیت کو فروغ دیا۔

۱۸۵۵ء میں نوجوان نسل میں نصرانیت کو فروغ دینے کے لیے شام میں ایک انجمن قائم ہوئی جس میں امریکہ اور برطانیہ کے عیسائی نوجوان شریک ہوئے۔

عیسائی مشنری نے اسلامی ملکوں میں تعلیمی اور رفاہی ادارے قائم کرنے کی اسکیم تیار کی تا کہ ان اداروں کے ذریعہ آنے والی نسلوں کا بآسانی شکار کیا جا سکے، سب سے پہلے یہ رائے ڈینیل بلس Danial Bliss اور ڈاکٹر ولیم ٹامسن William Tomson نے دی تھی، ان دونوں نے ۱۸۶۱ء-۱۸۶۲ء میں مسلم ملکوں میں تعلیمی ادارے اور اسکول قائم کرنے کے بارے میں غور وخوض کیا تا کہ بیک وقت خود مسلمانوں میں سے عیسائیت کے مبلغ اور داعی تیار کیے جا سکیں، اور بڑی تعداد میں لوگوں کو متاثر بھی کیا جا سکے، ان دونوں کا اس بات پر اصرار تھا کہ ان اسکولوں اور کالجوں میں تمام اساتذہ عیسائی مشنری ہی رکھے جائیں، چنانچہ ان کی تجویز اور رائے کے مطابق ترکی، شام، مصر، لبنان، الجزائر اور عراق میں تعلیمی ادارے اور اسکول کھولے گئے، اور ان اداروں کی طرف لوگوں کا زبردست رجحان ہوا،

عیسائی مشنریوں کی زیادہ تر توجہ بڑے گھرانوں اور اعلیٰ طبقہ کی طرف تھی اس لیے کہ ملک کے حکمراں اور رہنما انہی گھرانوں میں تیار ہوتے ہیں۔

۱۸۹۵ء میں ورلڈ اسٹوڈینٹ کرسچن فیڈریشن World Student Christian Federation قائم ہوئی، اس فیڈریشن کا مقصد یہ تھا کہ دنیا بھر میں کرسچن طلبہ کے حالات کا جائزہ لیا جاتا رہے اور ان میں نصرانیت کی اشاعت وتبلیغ کا جذبہ اور سوچ پیدا کی جائے۔

صموئیل زویمر: یہ بحرین میں مشنری کاز کا صدر تھا، بعد میں شرق اوسط میں سرگرم عمل عیسائی مشنریوں کا صدر منتخب ہوا، سموئیل زویمر نے ۱۹۱۱ء میں انگریزی رسالہ ''العالم الاسلامی'' (The Muslim World Journal) جاری کیا، جس نے اسلام اور مسلمانوں کی گمراہ کن تصویر پیش کی، ذہنوں میں اسلام کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کردیئے اور اس کے کالم نگاروں میں گولڈزیہر Goldziher جیسے خطرناک مستشرق تھے، زویمر ۱۸۹۰ء میں بحرین پہونچا، ۱۸۹۱ء میں امریکن اصلاح پسند کلیسا نے اس کا بھرپور تعاون کیا، زویمر نے علاج ومعالجہ کی راہ سے مشنری کا کام انجام دیا، اور خلیج میں جگہ جگہ پر کلینک اور اسپتال قائم کیے، اس کے بعد بحرین، کویت، مسقط اور عمان میں مشنری اسپتال کھولے گئے، موجودہ زمانہ میں زویمر کو نصرانیت کا سب سے بڑا مبلغ اور داعی سمجھا جاتا ہے۔

زویمر نے ''العالم الاسلامی'' نامی جو مجلہ جاری کیا اس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا، اسلامی عقائد ومسلمات کی غلط شبیہ پیش کرنا، مسلمانوں کی نئی نسل کو ان کے دین سے متنفر وبیزار کرنا، قرآن وحدیث پر مسلمانوں کے اعتماد کو کمزور کرنا اور عیسائیت کی دعوت دینا تھا، اس مجلّہ کے بنیادی موضوعات اسلام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، دنیا میں مسلمانوں کے حالات، قرآن وحدیث، عیسائی مشنری سرگرمیاں، کتاب مقدس (انجیل) اور مسلم خواتین تھے۔ ان موضوعات پر غلط اور گمراہ کن مضامین شائع کرکے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ذہنوں میں نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی، اس کے مشہور لکھنے والوں میں کارڈنر (Cardnar) میکڈونلڈ (D.B. Macdnald) آرتھر جیفری

(A. Jeffry) مارگولیوتھ (D.S. Margoliouth) اور رچرڈ بیل (Richard Bell) جیسے خطرناک مبلغ اور مستشرقین تھے۔ اس رسالہ نے نصرانیت کی اشاعت وتبلیغ اور اسلام اور مسلمانوں سے عداوت اور نفرت عام کرنے میں کلیدی رول ادا کیا ہے۔

زویمر کے بعد کانٹ کراج Kant Cragg نے انگریزی رسالہ "The Muslim World" کی ادارت سنبھالی کانٹ نے اپنی زہریلی تحریروں اور مقالات کے ذریعہ دین اسلام اور مسلمانوں سے نفرت پیدا کی، نصرانیت کے لیے راہ ہموار کی، تعلیم وتربیت کے راستہ سے نصرانیت کی اشاعت کا کام کیا، کانٹ نے قاہرہ کی امریکن یونیورسٹی میں ایک عرصہ تک تدریسی خدمت انجام دی، اور امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی میں شعبہ الٰہیات کا صدر رہا، اصلاً یہ شعبہ مشنریوں کی تعلیم وتربیت اور عیسائی مبلغین کی ذہن سازی اور تشکیل کا سنٹر ہے، کانٹ نے اسلامیات کے موضوع پر کئی کتابیں تصنیف کیں، جن میں سب سے مشہور ''دعوۃ المئذنہ'' ہے جو ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔

لوئیس ماسینیون Massignon مشنری نے مصر میں مشنری کاز کو وسعت دی، وہ مصر کی مجمع اللغۃ العربیہ کا ممبر رہا، شمالی افریقہ میں فرانسیسی وزارت نوآبادیات کا مشیر رہا، لوئیس ماسینیون کہتا ہے: جو مشرقی طلباء فرانس تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں، ان کو عیسائی رنگ میں رنگنا ضروری ہے''

ڈینیل بلس کہتا ہے کہ استنبول میں جو رابرٹ کالج ہے جس کو اب امریکن یونیورسٹی کہا جاتا ہے خالص عیسائی مشنری کا مرکز ہے، یہاں کا پورا نظام مشنری محور کے اردگرد گھومتا ہے، اس کا چانسلر صرف مشنری ہی ہوسکتا ہے، اور اس کو قائم بھی ایک مشنری ہی نے کیا تھا۔

پوپ شانتور فرانسیسی سامراج کے عہد میں ایک طویل عرصہ تک بیروت کرسچن کالج کا ڈین رہا، اس پوپ نے بیروت میں نصرانیت کو پھیلانے میں کلیدی رول ادا کیا، اور تعلیمی نظام کو مشنری رنگ میں رنگ دیا، مسٹر پنروز Penrose جو ۱۹۴۸ء میں بیروت کی امریکن یونیورسٹی کا چانسلر ہوا، کہتا ہے: امریکی عیسائی مبلغین نے شام اور لبنان کو عیسائی بنانے میں

تعلیم کا سہارا لیا، اور تعلیم وتربیت کے ذریعہ شام ولبنان میں نصرانیت کو رواج دیا۔

ڈنس ہک کری نے ۱۹۷۸ء کی لوزان مشنری کانفرنس میں اہم رول ادا کیا، یہ پروٹسٹنٹ فرقہ سے تعلق رکھتا ہے، بیس سال تک پاکستان میں نصرانیت کی تبلیغ کی، اس نے ورلڈ مشنری اسکول میں تعلیم حاصل کی تھی، ۱۹۷۸ء میں کولوراڈو Colorado مشنری کانفرنس کے بعد صموئیل زویمر انسٹی ٹیوٹ کا ڈائریکٹر منتخب ہوا، جس کا ہیڈ کوارٹر کیلی فورنیا میں واقع ہے، اس انسٹی ٹیوٹ میں مسلمانوں کو نصرانی بنانے کا بھی ایک شعبہ ہے، جس کے تحت مشنری لٹریچر تیار اور شائع کیا جاتا ہے اور عیسائی مبلغین کی تعلیم وتربیت اور ذہن سازی کے لیے کیمپ لگائے جاتے ہیں۔

مشنریوں نے نصرانیت کے فروغ واشاعت میں تعلیم کے ذریعہ کو بڑی اہمیت دی ہے، اور مسلم نوجوانوں کے ذہن ودماغ اور قلب ونظر کو تعلیم کے ذریعہ بدلنے پر زور دیا ہے، صموئیل زویمر نے ۱۹۲۴ء میں ہونے والی مشنری کانفرنس میں اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

> ’’یہ ضروری ہے کہ ہر میدان میں ساری توجہ مسلمانوں کی نئی نسل پر دی جائے تاکہ ان کا احاطہ کیا جاسکے، اور براہ راست اس سے رابطہ قائم رہے، اس لیے کہ نئی نسل میں اسلامی روح کی روشنی بچپن ہی سے شروع ہوجاتی ہے، لہذا اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کی چھوٹی نسل کا شعور پختہ ہونے سے پہلے اس پر بھرپور توجہ دی جائے‘‘

مسٹر ٹاکلی Takle کہتا ہے:

> ’’یہ ضروری ہے کہ ہم اسکول قائم کرنے کی ہمت افزائی کریں، خصوصاً مغربی تعلیم پر ابھاریں، کیونکہ بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ صرف انگریزی زبان سیکھنے سے ان کا ایمان واعتقاد کمزور پڑ گیا، اس لیے کہ ہمارے نصاب کی کتابیں پڑھنے کے بعد کسی مذہبی مقدس کتاب پر ایمان

رکھنا آسان نہیں رہتا۔''

عیسائی مبلغہ انا ملی گن Anna Milligan کہتی ہے:

''اسلام کے قلعہ تک پہونچنے کا راستہ تعلیم سے مختصر اور کوئی راستہ نہیں ہو سکتا، بلاشبہ تعلیمی نظام اور مغربی نصاب تعلیم نئی نسل کو نصرانیت سے متاثر کرنے کا ایک طاقتور و مؤثر ذریعہ ہے، اس راستہ سے جو اثر ڈالا جائے گا وہ دائمی ہوگا، یہاں تک کہ وہ لوگ بھی متاثر ہو جائیں گے جو عنقریب اپنے ملکوں کے رہنما بنیں گے''۔

گب Gibb تعلیم کے نتائج کے متعلق کہتا ہے:

''ان اسکولوں اور تعلیمی اداروں نے طلبہ کے اخلاق وکردار کو ایک خاص رنگ میں رنگ دیا، ان کے ذہن ومذاق کو ایک خاص سانچہ میں ڈھال دیا، اور سب سے اہم نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ان اسکولوں نے طلبہ کو یورپین زبانیں سکھا دیں، جس کے بعد وہ زندگی میں براہ راست یورپی فکر اور طرز حیات اپنا سکیں گے، اور ان اثرات کو قبول کر سکیں گے جو ایام طفولیت میں ان کے ذہن ودماغ پر مرتب ہوتے ہیں''۔

گب کہتا ہے:

صحافت اور عصری اسکولوں کے ذریعہ جاری ہماری تعلیمی وثقافتی سرگرمیوں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلمانوں پر ایسا اثر ڈالا کہ بڑی حد تک دین سے ان کا رشتہ منقطع ہو گیا۔

زویمر کہتا ہے:

''پرائمری اسکولوں میں تعلیمی پروگرام کی تقریباً نصف صدی پوری کر لینے کے بعد سامراجی نظام نے اسکولوں سے قرآن کو باہر کر دیا، پھر تاریخ اسلام کو نکال دیا اور اس طرح ایک ایسی نسل تیار کی جو مادیت پرست، تذبذب اور فکری وذہنی اضطراب میں مبتلا تھی، جسے نہ اپنے عقیدہ پر

ایمان ویقین تھا، نہ دین کا پاس ولحاظ اور نہ ملک کی آزادی کا کوئی خیال تھا"۔

واٹسن Watson کہتا ہے:

"ہم مدارس اسلامیہ میں قرآنی تعلیم کے نتائج پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں، ہم کو مدارس اسلامیہ سے بڑا خطرہ لاحق ہے کیونکہ قرآن اور اسلامی تاریخ یہ دونوں بڑے عظیم خطرے ہیں جن سے عیسائی مشنری کو خوف لاحق ہے"۔(۱)

عقائد وافکار اور افترا پردازیاں

مذکورہ بالا بیانات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ عیسائی مشنری نے سامراجی اغراض ومقاصد کے حصول کے لیے تعلیم کو بنیادی ذریعہ بنایا، ایسا نظام تعلیم وتربیت بنایا جس کی بنیاد ایک طرف خالص علمی اور عقیدہ، اخلاق اور انسانی قدروں سے خالی تھی، تو دوسری طرف اس کی بنیاد قدیم سے بغاوت پر تھی، چنانچہ اس نظام تعلیم کے اثر سے ایک ایسی نسل وجود میں آئی جو روحانیت سے خالی تھی اور اپنے اسلاف کی میراث کی باغی تھی، یعنی اسلامی تہذیب وتمدن، اقدار وروایات، عقائد اور اسلامی طرز حیات کی باغی تھی۔

W.C.Smith اپنی کتاب Islam in Modern history (اسلام تاریخ جدید میں) میں لکھتا ہے:

"بہت سے مسلمان نوجوانوں نے مغرب کا سفر کیا، اور یورپ کی اسپرٹ اور اقدار سے واقفیت حاصل کی، اور ایک حد تک وہ اس کے رسیا ہوگئے، یہ بات ان طلباء پر خصوصیت سے صادق آتی ہے جو یورپین یونیورسٹیوں میں تعلیم وتربیت حاصل کرتے رہے۔"

پوپ سائمن G.Simon کہتا ہے:

"امت اسلامیہ کی بقا کا انحصار اس کے آپسی اتحاد واتفاق اور وحدت پر ہے، اور وحدت اسلامی ہی یورپ کے راستہ میں روڑا ہے، اس روڑے کو مشنری مہم کے ذریعہ ہی ہٹایا جاسکتا ہے، چنانچہ ضروری ہے کہ مشنری

سرگرمیاں وحدت اسلامیہ کو توڑنے پر مرکوز ہوں"۔

لارنس براون Laurance Browne کہتا ہے:

"اگر مسلمان کسی عربی مملکت کی شکل میں متحد ہو گئے تو یہ دنیائے انسانیت کے لیے فال نیک بھی ہو سکتا ہے اور لعنت وخطرہ بھی، لیکن اگر ان میں باہم خلفشار وانتشار اور فرقہ بندی رہی تو ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی"

بلس Bilss کہتا ہے:

"افریقہ میں عیسائی مشنری کی پیش قدمی کے راستہ میں اسلام سب سے بڑا روڑا ہے"

مشنری نلسن Missonary Nilson کہتا ہے:

"اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، اور مسلمانوں نے تلوار کے بل پر افریقہ، اور ایشائی قوموں کو زیر کیا۔"

ہنری جسپ Henry Jesups کہتا ہے:

"مسلمان اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب عالم کو نہیں سمجھتے، اور نہ احترام کرتے ہیں، یہ چور، قاتل اور پسماندہ قوم ہیں، عیسائی مشنری ان کو مہذب بنائے گی، (بحوالہ Re-Thin king Missions16)

لطفی لیونین Lootfy Levonian جس نے اسلام کو بدنام کرنے کے لیے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں کہتا ہے:

"تاریخ اسلام جنگ وجدال، خون خرابہ، جنگوں اور قتل عام کے واقعات سے بھری ہے" (Islam and Christanity, Moslem: Mentality)

اڈیسن James Thayer Addison لکھتا ہے:

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نصرانیت کو نہیں سمجھا، اس وجہ سے آپ کے خیال میں اس کے متعلق غلط تصور تھا، اور اسی پر اس دین کی

بنیاد رکھی جسے بعد میں عربوں نے پیش کیا‘‘ (The Christain
(Approach to the Moslem

نلسن کہتا ہے:

’’مذہب اسلام مقلد ہے، اس میں جو بات سب سے بہتر ہے وہ نصرانیت سے ماخوذ ہے، اس میں ساری باتیں یا تو ہو بہو بت پرستی سے ماخوذ ہیں یا جزوی تبدیلی کے ساتھ منقول ہیں‘‘ (Islam and Missions)

ہارپر F.J.Harper کہتا ہے:

’’حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حقیقت میں ایک بت پرست تھے (نعوذ باللہ) کیونکہ آپ کی معرفت الٰہی حقیقت میں ایک کارٹون ہے‘‘

جسپ کہتا ہے:

’’دین اسلام کا سارا دارومدار قرآن کے مقابلہ احادیث پر زیادہ ہے، لیکن اگر ہم جھوٹی احادیث حذف کر دیں تو اسلام میں کچھ باقی نہیں رہے گا
(Fifty three years in syrea)

جسپ مزید کہتا ہے:

اسلام ایک نامکمل مذہب ہے اور اس میں عورت کی حیثیت باندی کی ہے‘‘

جان ٹاکلی کہتا ہے:

’’ہم خود مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بٹھا دیں کہ قرآن میں جو بات صحیح ہے وہ نئی نہیں، اور جو بات نئی ہے وہ صحیح نہیں‘‘۔

زویمر اپنی کتاب "العالم الاسلامی الیوم" میں کہتا ہے:

’’مسلمانوں کو یہ یقین دلایا جائے کہ عیسائی ان کے دشمن نہیں ہیں‘‘

’’مسلمانوں کی ہی زبانوں میں کتاب مقدس (انجیل) کو عام کیا جائے اس لئے کہ یہ اہم ترین عیسائی عمل ہے‘‘

’’یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے انہی کی صفوں

سے افراد تیار کیے جائیں''۔

''عیسائی مبلغین مایوس نہ ہوں جب نتائج اچھے نہ نکل رہے ہوں کیونکہ یہ بات طے ہے کہ اب مسلمانوں میں یورپین علوم ومعارف سے دلچسپی بڑھ رہی ہے اور عورتوں کو آزادی دینے والا رجحان بھی بڑھ رہا ہے''۔

''تم لوگوں نے ایک ایسی نسل تیار کردی ہے جس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، اور وہ اللہ سے تعلق رکھنا بھی نہیں چاہتی، تم نے مسلمانوں کو اسلام سے خارج کردیا، اور وہ نصرانیت سے بھی محروم ہیں، نتیجۃً سامراج کو جس نسل کی ضرورت تھی وہ نسل تیار ہوگئی، اس کو اولوالعزمیوں اور بلند حوصلوں سے کوئی دلچسپی نہیں، آرام وعیش اور کاہلی وسستی کی دلدادہ ہے، یہ شہرت کے خاطر کچھ بھی کرسکتی ہے''۔(۲)

عیسائی مشنری کی اہم کانفرنسیں

عیسائی مشنریاں سال بھر کی سرگرمیوں اور کارگزاریوں کا جائزہ لینے اور اس کی روشنی میں آئندہ کی حکمت عملی اختیار کرنے کے لیے عالمی سطح پر کانفرنسیں منعقد کرتی ہیں، جن میں دنیا کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے نمائندے اپنے اپنے دائرہ کے علاقوں میں نصرانیت کی اشاعت وتبلیغ کی پیش رفت کے متعلق رپورٹیں پیش کرتے ہیں، طویل تجربہ رکھنے والے مشنری پوری دنیا میں نصرانیت کی اشاعت وترویج کے نئے نئے منصوبے پیش کرتے ہیں، اسی طرح مختلف اوقات میں مختلف سطحوں پر کانفرنسیں بھی ہوئیں، یہ مختلف کانفرنسیں نصرانیت کے فروغ واشاعت میں اہم رول ادا کرتی ہیں، اس لیے مختصراً ذیل میں اہم کانفرنسوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

سب سے پہلی کانفرنس قاہرہ میں ۱۹۰۶ء میں منعقد ہوئی، اس کا کنویز صموئیل زویمر تھا، اس میں تمام پروٹسٹنٹ عیسائی مشنریاں شریک ہوئیں، اس کا مرکزی موضوع یہ تھا کہ مسلمانوں کے اندر انجیل کو کس طرح عام کیا جائے، شرکاء کی تعداد جن میں مرد عورت دونوں تھے، ۶۲ تھی، اور ان کا سربراہ زویمر تھا۔

۱۹۱۰ء میں اڈنبرگ Edinburgh اسکاٹ لینڈ Scotland میں کانفرنس ہوئی جس

میں دنیا بھر سے ۱۵۹ مشنریوں کے نمائندے شریک ہوئے۔

۱۹۱۱ء میں لکھنؤ میں زویمر کی صدارت میں عالمی کانفرنس منعقد ہوئی، کانفرنس کے اختتام پر شرکاء اجلاس کو ایک یادگاری کارڈ دیا گیا جس کے ایک رخ پر ”بیادگار لکھنؤ ۱۹۱۱ء“ کندہ تھا، اور دوسرے رخ پر یہ جملہ نقش تھا ”اے وہ ذات جس کے سامنے مسلمان دن میں پانچ مرتبہ خشوع وخضوع کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں، مسلم قوموں کو شفقت کی نظر سے دیکھ اور ان کے دلوں میں یسوع مسیح سے اخلاص وعقیدت پیدا کردے“

۱۹۱۱ء میں ایک کانفرنس بیروت میں ہوئی۔

قدس میں مختلف کانفرنسیں ہوئیں، ایک کانفرنس ۱۹۲۴ء میں ہوئی، دوسری بین الاقوامی کانفرنس ۱۹۲۸ء میں ہوئی، تیسری کانفرنس ۱۹۳۵ء میں ہوئی جس میں ۱۲۰۰ نمائندے شریک ہوئے، چوتھی کانفرنس ۱۹۶۱ء میں منعقد ہوئی۔

۱۹۷۴ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر لوزان میں پروٹسٹنٹ کلیساؤں کی ایک کانفرنس ہوئی۔

سب سے خطرناک کانفرنس ۱۵؍اکتوبر ۱۹۷۸ء میں کولوراڈو Colorado میں منعقد ہوئی، جس کا مرکزی موضوع ”مسلمانوں کو نصرانی کیسے بنایا جائے؟“ تھا، اس میں دنیا بھر سے سرگرم ۱۵۰ مشنری شریک ہوئے، یہ کانفرنس انتہائی رازداری کے ساتھ مسلسل دو ہفتے جاری رہی، طویل غور وخوض اور بحث وتدبر کے بعد ایک خطرناک حکمت عملی وضع کی گئی جس کو پردہ خفا میں رکھا گیا، اور مجوزہ منصوبہ کی تنفیذ کے لیے ایک ہزار ملین ڈالر کا بجٹ پاس کیا گیا، مطلوبہ رقم فوراً ہی جمع ہوگئی اور امریکہ کی ایک بینک میں جمع کردی گئی۔

اس کے بعد ۱۹۸۱ء میں مارٹن لوتھر کے نام سے منسوب فیڈرل کونسل کے تحت ایک کانفرنس ہوئی، جس میں لوزان اور کولوراڈو Colorado کی کانفرنسوں کے نتائج کا جائزہ لیا گیا، اور سمندر پار تیسری دنیا میں نصرانیت کے فروغ واشاعت کے وسائل وذرائع اور طریقۂ کار کا مفصل خاکہ پیش کیا گیا۔

اس کے بعد مختلف وقتوں میں مختلف ملکوں میں کانفرنسیں ہوئیں، جن میں قابل ذکر استنبول، مصر، لبنان، بغداد، الجزائر، شکاگو کی کانفرنسیں ہیں، ہندوستان کے شہر مدراس میں

ہر دس سال پر ایک کانفرنس منعقد ہوتی تھی، ۱۹۴۲ء میں امریکہ کے شہر بالٹی مور میں ایک خطرناک قسم کی کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں کئی یہودی مدبر بھی شریک ہوئے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد سے عیسائی مشنری نے ایک نیا نظام بنایا، جس کے تحت ہر چھ یا سات سال پر کلیسا کی ایک کانفرنس منعقد ہوتی ہے، چنانچہ ۱۹۴۸ء میں ایمسٹرڈم Amsterdam میں اس کانفرنس کا انعقاد ہوا، پھر ۱۹۵۴ء میں امریکہ کے شہر ایوانسٹن میں ہوئی، پھر ۱۹۶۰ء میں دہلی میں ہوئی، پھر ۱۹۶۷ء میں یورپ، اس کے بعد ۱۹۷۵ء میں جکارتہ انڈونیشیا میں منعقد ہوئی جس میں تین ہزار مشنری شریک ہوئے۔

۱۰ رتا ۲۴ / اکتوبر ۲۰۱۰ء کو ویٹی کن سٹی نے مشرقی کیتھولک پادریوں کی ایک خطرناک کانفرنس منعقد کی جس میں شرق اوسط میں عرب عیسائیوں کی حفاظت کے لیے اس کو عیسائی بنانے کا منصوبہ تیار کیا گیا، جس طرح ۱۹۷۸ء میں کولوراڈو Colorado میں انجیلی چرچ کونسل کی کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں براعظم افریقہ کو عیسائیت میں تبدیل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا، اس موقع پر ”جدید سولہویں پوپ بینڈیکٹ پرچم“ کا اعلان کیا گیا، جس میں سہ منزلہ تاج دکھایا گیا ہے، یہ تینوں رموز مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی دعوت دیتے ہیں، اور اس بات کی طرف صاف اشارہ ہے کہ زندگی کے تینوں میدان (دنیوی، قانونی اور مذہبی) پر قبضہ کلیسا کا ہو، جس کا صاف مطلب ہے کہ پوپ مسیحی دنیا کا بے تاج بادشاہ ہوگا۔

اس نئے پرچم کے اجزائے ترکیبی میں تین یونٹ ہیں:۔ ایک غلام کا سر ہے جس پر تاج ہے، غلام سے مراد مسلمان ہیں جو پوپ کی نظر میں اسلام کے غلام ہیں، ان کو آزاد کر کے عیسائی بنانا ہے، جس طرح اسپین پر قبضہ کر کے وہاں کے مسلمانوں کو عیسائی بنالیا گیا، جنہیں قرون وسطی میں مور کہا جاتا تھا اور اب بھی کہا جاتا ہے، مور اس غلام کو کہتے ہیں جسے آزاد کر کے عیسائی بنالیا جائے۔ دوسرا یونٹ آٹھویں صدی کے پادری کوربینیان کا ریچھ ہے، یہ وہی پادری ہیں جنہوں نے باواریا خطہ کو عیسائیت میں تبدیل کر دیا تھا، اس رمز کا مطلب بھی صاف ہے، تیسرا یونٹ مشہور پادری یعقوب نامی پیالہ ہے جس کے ذریعہ پادری اس شخص

کے سر پر پانی بہاتا ہے جسے عیسائی بنایا جاتا ہے اور پرچم کا بیرونی حصہ آٹھویں پوپ اربن کے پرچم سے مستفاد ہے، یہ وہی اربن ہیں جو تیس سالہ یورپی خانہ جنگی کے محرک تھے اور خیانت اور غداری کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔

عیسائی مشنری کے اہم مراکز

عیسائی مشنری کے اہم ترین وسائل وذرائع میں تعلیم، طب، امداد اور رفاہی خدمات ہیں، مشنری جس علاقہ میں پہونچتے ہیں وہاں سب سے پہلے تعلیمی ادارے، اسکول اور ابتدائی تعلیم کے ادارے قائم کرتے ہیں۔ ۱۸۲۰ء میں شام کے علاقہ میں مشنریوں کے پہونچنے کے فوراً بعد وہاں مختلف ادارے قائم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا، اور اس منصوبہ کی تنفیذ کے لیے مشنریوں نے شام کے مختلف علاقوں کفرشیما، حمص اور لبنان کے بعض شہروں کا دورہ کیا اور مشنری کاز کے لیے فضا ہموار کی، پھر ۱۸۴۳ء میں لبنان کے پہاڑی علاقہ میں واقع عبیہ قصبہ میں مشنریوں کی تعلیم وتربیت کا ایک اسکول ڈاکٹر کارنیلیس وان ڈک (Cornilius Van Dyck) کی سربراہی میں قائم ہوا، اسی علاقہ میں ۱۸۵۹ء میں امریکی پروٹسٹنٹ عیسائیوں نے لڑکیوں کا اسکول قائم کیا، اسکے بعد یسوعی نصرانیوں نے ایک اسکول قائم کیا، اور ایک عرصہ بعد مشنری سرگرمیوں کا مرکز عمل بیروت منتقل ہوگیا، اور ۱۹۱۲ء میں شام میں مشنری اداروں کی تعداد ۳۸ ہوگئی، برطانیہ، اسکاٹ لینڈ، آئرلینڈ، جرمنی، سویڈن، ڈنمارک اور امریکا نے اپنے الگ الگ اسکول اور ادارے قائم کیے، سب کا مقصد ایک ہی تھا کہ طلبہ کے سامنے توریت کو عربی زبان میں اس طرح پیش کیا جائے گویا کہ وہ کورس کی اصل اور بنیادی کتاب ہے، اسی وجہ سے ۱۹۲۴ء میں قدس، برمانا (لبنان) الجزائر، مصر اور بغداد میں ہونے والی علاقائی کانفرنسوں میں یہ بات متفقہ طور پر طے کی گئی کہ سب کا مشترکہ مقصد عالم اسلام میں نصرانیت کو فروغ دینا اور اس پر کنٹرول حاصل کرنا ہے، اور تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کو ان کے دین اسلام سے برگشتہ کردینا ہے۔

مشنریوں کے مشہور اداروں میں استنبول کا رابرٹ کالج، بیروت کی امریکن

یونیورسٹی، لبنان کا جیرارڈ کالج، خرطوم سوڈان کا گارڈن کالج ہے۔ ۱۹۷۸ء کی کولوریڈو کانفرنس کی قرارداد کے مطابق کیلی فورنیا میں صموئیل زویمر سنٹر قائم ہوا، کلی فورنیا ہی میں ورلڈ ریسرچ مشنری سنٹر قائم ہے، جو مشنری کاز کو افراد اور مال فراہم کرتا ہے، اور مشنری ذہن کی تشکیل کرتا ہے۔

۱۸۶۵ء میں بیروت میں شامی انجیلی کالج قائم ہوا، جو آج امریکن یونیورسٹی کے نام سے موسوم ہے، دراصل ۱۸۶۱ء-۱۸۶۲ء میں ڈینیل بلس اور ڈاکٹر ولیم ٹامسن نے بڑے غور و خوض اور تدبر کے بعد تعلیم کا اعلیٰ ادارہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی تھی تا کہ ابتدائی مرحلہ میں طلبہ کی جو ذہن سازی اور تشکیل ہوتی ہے اس میں پختگی پیدا کی جا سکے اور سامراجی مفادات کے تحفظ کا سامان فراہم کیا جا سکے، کالج کی مجلس منتظمہ میں انگریزوں خصوصاً ان امریکیوں کو داخل کیا گیا جو مشنری کاز کو مالی تعاون دیتے ہیں، اس کا صدر دانیال بلس کو بنایا گیا، اور امریکن مشنری نے اس کالج کی سرپرستی قبول کی۔

ڈینیل بلس نے نیویارک کے کلیسا میں اپنی پہلی تقریر میں کہا تھا کہ مشرق قریب میں ایسے ڈاکٹر اور ایسی مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے جس میں توریت کو نصاب تعلیم میں اصل اور بنیادی حیثیت حاصل ہو، اور کالج کو یہ ذمہ داری دی جائے کہ وہ ایسی کتابیں اور لٹریچر تیار کرے جس کی مدد سے افریقہ اور ایشیاء میں عوام سے رابطہ آسان ہو سکے اور نصرانیت کے لیے زمین ہموار ہو سکے۔

کالج میں استاد کے لیے یہ شرط تھی کہ یہاں وہی استاد ہو سکتا ہے جو عیسائی ہو اور مشنری کا پر جوش حامی اور مبلغ ہو۔

آغاز میں کالج کی مشنری سرگرمیاں، تعلیم کے پردہ میں شروع ہوئیں، لیکن کچھ عرصہ بعد مشنری سرگرمیاں علانیہ طور پر انجام پانے لگیں، اور طلبہ کو کلیسا میں ہر روز حاضری پر مجبور کیا جانے لگا۔

۱۸۹۵ء میں مشنری جان واٹ کے دورہ کے بعد کالج نے عیسائی نوجوانوں کی تنظیم

قائم کی، یہ تنظیم آج بھی فعال ہے۔

قاہرہ مصر میں جامع ازہر کے متوازی امریکن یونیورسٹی قائم ہوئی اس کو اصلاً امریکی سامراج نے مشنریوں کے تعاون سے قائم کیا تھا۔

لاہور پاکستان میں فرنچ کالج قائم ہے۔

دنیا کے مختلف خطوں میں امریکن مشنری تنظیمیں کام کر رہی ہیں، اسی طرح جرمن مشنری تنظیمیں دنیا کے مختلف گوشوں میں سرگرم عمل ہیں۔

۱۸۰۹ء میں انگریزوں نے یہودیوں میں نصرانیت کی اشاعت وتبلیغ کے لیے لندن انجمن کے نام سے ایک مشنری ادارہ قائم کیا، اس کا سب سے اہم کارنامہ دنیا بھر سے یہودیوں کو جمع کر کے فلسطین میں بسانا ہے۔

عیسائی مشنری کی ایک بین الاقوامی فیڈریشن قائم ہوئی جو انٹرنیٹ کے ذریعہ نصرانیت کی تبلیغ کرتی ہے، اس کی سالانہ ایک میٹنگ ہوتی ہے جس میں نصرانیت کے فروغ اور اس کی اشاعت وتبلیغ کے مختلف پہلوؤں پر غور وخوض ہوتا ہے اور جدید ترین وسائل کے استعمال پر تبادلۂ خیال ہوتا ہے۔

مشنری کا عالمی نیٹ ورک

پوری دنیا میں عیسائی مشنری کے اٹھارہ سو (۱۸۰۰) ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن قائم ہیں، کلیسا سے وابستہ مشنریوں کے پاس تقریباً تیس لاکھ کمپیوٹر ہیں اور چار ہزار نیوز ایجنسیاں ہیں۔

۲۰۰۶ء کے آغاز میں ''پوری دنیا کو عیسائی بنانے کے سات سو منصوبے'' کے عنوان سے امریکہ میں ایک کتاب شائع ہوئی جس میں حیرت انگیز حقائق کا انکشاف کیا گیا، اسکے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عیسائی مشنری کیل کانٹے سے لیس ہو کر اسلام کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے کس طرح سرگرم ہے، اور جدید وسائل اختیار کر کے اسلام کا دائرہ تنگ کر رہی ہے، کتاب میں مذکور اعداد وشمار کے مطابق ورلڈ مشنری ادارہ سالانہ ۱۴۵ ارب بلین ڈالر خرچ کرتا ہے، اس کے مختلف شعبوں میں تقریباً ۴۰۱ ملین افراد کام کرتے ہیں، ۱۳۰۰ ار

پبلک لائبریریاں ہیں، دنیا کی مختلف زبانوں میں ۲۲۰ر رسائل وجرائد اور میگزین شائع ہوتی ہیں، ایک سال میں چالیس لاکھ انجیل کے نسخے شائع ہوتے ہیں، اور اس ادارہ کے دنیا کے مختلف خطوں میں انیس سو (۱۹۰۰) ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن کام کر رہے ہیں۔

ورلڈ اسلامک یوتھ آرگنائزیشن کی ایک رپورٹ کے مطابق عیسائیوں کی تعداد ایک ارب سات سو اکیس ملین ہے، مشنری تنظیموں کی تعداد ۲۴۵۸۰ر ہے، جب کہ مختلف میدانوں میں سرگرم عمل عیسائی انجمنوں کی تعداد ۲۰۷۰۰۰ر ہے، ۳۸۸۰ر ایسی تنظیمیں ہیں جو عیسائی مبلغین تیار کرتی ہیں، مشنری سنٹروں کی تعداد ۲۰۷۹۸ر ہے، دنیا بھر سے ۲۲۷۰ر رسائل ومجلات نکلتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن حمود السمیط نے اپنی کتاب "لمحات عن التنصير في أفريقيا" میں مختلف اعداد وشمار اور دیگر رسائل کی مدد سے لکھا ہے کہ ۱۹۹۹ء تک افریقہ میں عیسائی مبلغین کی تعداد ۴۱۵ر ہزار تھی، جب کہ مقامی مشنریوں کی تعداد چار ملین ہے، اور مشنری لٹریچر کی تعداد ۲۴۸۰۰ر ہے، رسائل واخبارات کی تعداد ۳۳۷۰۰ر ہے، اور انجیل کے جو نسخے تقسیم کیے گئے ان کی تعداد ۲۱۴۹۳۴۱۰۰۰ر ہے، اور ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشنوں کی تعداد ۳۷۷۰ر ہے۔

مذکورہ بالا اعداد وشمار ۲۰۰۰ء تک کے ہیں۔

عربی رسالہ "المجتمع" نے مارچ ۲۰۰۷ء کے شمارہ نمبر ۱۷۳۹ر میں ایک جرمن اخبار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ویٹی کن نے پوری دنیا میں اسلام کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے ایک خطیر رقم منظور کی ہے، اور اس کام کے لیے پادریوں کی ایک تنظیم کو جو انجیل کی اشاعت وترویج کا کام کرتی ہے، مکلّف کیا گیا ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے متعدد وسائل اختیار کئے گئے ہیں، جن میں سرفہرست اسکولوں کا قیام، رفاہ عام کے اداروں کی تعمیر خصوصاً محتاجوں، غریبوں اور ناداروں کے قیام وطعام کا نظم وانتظام کرنا ہے، پادریوں کی مذکورہ تنظیم میں تقریباً ایک ملین افراد کام کرتے ہیں، اس میں ۱۸۵ر ہزار پادری اور کاہن ہیں، ۴۵۰ر ہزار دیگر کارکن ہیں جنہوں نے حالیہ سالوں میں ۲۸۰ر تربیتی کیمپوں کے ذریعہ ۶۵ر ہزار

عیسائی مبلغ تیار کیے ہیں، اس تنظیم میں تقریباً ایک ملین کارکن ایسے بھی ہیں جو شہر شہر، قریہ قریہ گشت کرتے ہیں اور نادار اور غریبوں کا شکار کر کے ان کو کیتھولک چرچ کا تابع بنا دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا جرمن اخبار نے لکھا ہے کہ عیسائی مشنریوں نے اب اپنا الفت ومودت اور ہمدردی والا طریقۂ کار تبدیل کر دیا ہے اور سامراجی فوجوں کی طرح جارحانہ اور پرتشدد طریقہ اختیار کر لیا ہے، اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ پادریوں کی تنظیم کے صدر کارڈینل کریسینیو سیبی نے اپنے بیان میں ''میرے فوجی'' ''میرے فوجی جانباز'' جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے ایسے الفاظ استعمال نہیں ہوتے تھے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، عیسائی مشنری بھی زور وقوت اور جارحیت کے راستہ پر گامزن ہو گئی ہے، اس تنظیم کا سالانہ بجٹ ۵۰۰؍ملین ڈالر ہے، یہ ساری رقم لوگوں کو نصرانی بنانے اور اسلام کو روکنے کے لیے خرچ کی جاتی ہے۔

وہائٹ ہاؤس کی ایک رپورٹ میں اس کا انکشاف ہوا ہے کہ بش انتظامیہ نے سال ۲۰۰۵ء میں رفاہی اور عیسائی مذہبی اداروں کو دو ارب ڈالر سے زیادہ تعاون دیا ہے، گویا کہ امریکی سامراج فوجی اور مشنری دونوں راستوں سے اسلام پر حملہ آور ہے۔

عربی رسالہ "المجتمع" (شمارہ نمبر ۱۷۳۹، ۱۷؍فروری ۲۰۰۷ء) کے نئے اعداد وشمار کے مطابق پوری دنیا میں تقریباً چالیس لاکھ مشنری مراکز کام کر رہے ہیں، جن کے پاس سو ملین کمپیوٹر ہیں، جن کو دنیا کے بڑے کلیسا ۲۵؍ہزار نیٹ ورک کے ذریعہ چلا رہے ہیں، ایک لاکھ لٹریچر مختلف موضوعات پر شائع ہوتا ہے، ۱۵۰؍سے زائد زبانوں میں تقریباً ۲۵؍ہزار اخبارات ورسائل شائع ہو رہے ہیں، جو مشنری کاز کی ترجمانی کرتے ہیں، ۵۰۰؍فضائی اور زمینی چینل ہیں، ایک لاکھ ایسے ادارے اور اسٹیشن ہیں جو عالم اسلام کے لیے عیسائی مبلغین تیار کرتے ہیں، مشنری کاز کے لیے ۸۲؍ملین کمپیوٹر کام کر رہے ہیں، ۵۳؍ملین انجیل کے نسخے تقسیم کیے جا چکے ہیں، عیسائی ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشنوں کی تعداد ۳۲۴۰؍رہے۔

بنگلہ دیش میں تیس ہزار عیسائی مشنری کام کر رہے ہیں، جن کے پاس ۵۴؍ہزار

اسکوائرفٹ زمین ہے، مغربی ملکوں سے عیسائی مشنریوں کو سالانہ ۲۵۰؍ملین ڈالر کا تعاون ملتا ہے، جن میں ۲۰۰؍ملین ڈالر لوگوں کو عیسائی بنانے میں خرچ ہوتے ہیں، اس وقت بنگلہ دیش میں عیسائیوں کی تعداد ۸؍ملین ہے جب کہ ۱۹۷۲ء تک ان کی تعداد صرف دو لاکھ تھی۔

اسی طرح سوڈان، صومالیہ، الجزائر، انڈونیشیا، عراق، شام، مصر اور دیگر غریب اسلامی ملکوں میں عیسائی مشنری قدرتی آفات وحوادث، سیلاب، طوفان، زلزلہ اور جنگوں کے متاثرین کی مدد کی آڑ میں سرگرم عمل ہیں، چونکہ امریکی سامراج بھی اب براہ راست کلیسا کی مدد کر رہا ہے اس سے عیسائی مشنری اب علانیہ کام کر رہی ہے اور مغربی ملکوں کا یہ دعویٰ کھوکھلا ثابت ہو گیا ہے کہ حکومت اور مذہب دونوں الگ الگ ہیں، بلکہ موجودہ سامراج کی تاریخ بتلاتی ہے کہ اس کو کلیسا اور عیسائی مشنریوں نے سب سے زیادہ قوت بہم پہونچائی ہے۔

خطرناک تصنیفات

۱۔"وسائل التبشیر بالنصرانیة بین المسلمین "اس کتاب میں قاہرہ کانفرنس کے مقالات وبحوث جمع کیے گئے ہیں جو ۱۹۰۶ء میں ہوئی تھی، اس کانفرنس میں نصرانی بنانے اور مشنری کاز کے مختلف وسائل وامکانات پر خوب خوب غور وخوض ہوا، اور کانفرنس کے اختتام پر ایک مبسوط اور محکم لائحہ عمل طے کیا گیا جس کی تفصیلات اس کتاب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

۲۔"العالم الإسلامی الیوم "مولفہ ڈاکٹر زویمر، اس کتاب میں زویمر نے مشنری سرگرمیوں کی متعدد رپورٹیں اور جائزے جمع کیے ہیں، زویمر نے اس کتاب میں غیر عیسائی قوموں سے اختلاط اور رابطہ کے وسائل وذرائع پر بحث کی ہے، اور لوگوں کو نصرانیت میں کیسے داخل کیا جائے؟ اور مشنریز کو کن خطوط پر چلنا چاہئے، ان جیسے دیگر موضوعات پر بحث کی ہے اور رہنما اصول وضوابط اور خطوط متعین کیے ہیں۔

۳۔تاریخ التبشیر: مولفہ پروٹسٹنٹ مشنری اڈوین بلس Edwin M.Bliss۔

۴۔مسٹر وارڈنر Vodner کی کتاب، وارڈنر نے اپنی کتاب میں افریقہ کو موضوع

بنایا ہے کہ یہاں پر کس طرح عیسائیت کو فروغ دیا جاسکتا ہے، امکانات ووسائل، موانع ورکاوٹیں اور مشکلات اوران کا حل، ان پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔

۵۔ پال سوئٹزرلینڈ سے نکلنے والا پروٹسٹنٹ مشنری رسالہ، اسی رسالہ میں ۱۹۱۰ء میں ہونے والی اڈنبرگ کانفرنس کی روداد شائع ہوئی تھی، یہ رسالہ اسلام اور مسلمانوں کی غلط شبیہ پیش کرتا ہے، مشنریز کے لیے زمین ہموار کرتا ہے۔

۶۔ ایک رسالہ جرمنی سے نکلتا ہے جس کو مشرقی جرمنی عیسائی مشنری نکالتی ہے، یہ رسالہ بھی ۱۹۱۰ء سے نکل رہا ہے۔

۷۔ اسلامک انسائیکلوپیڈیا، یہ دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہوئی ہے۔

۸۔ مختصر اسلامک انسائیکلوپیڈیا۔

۹۔ حقیقی مذہب کی تلاش (Research de La Religion) مؤلفہ: المنس نیورکولی، اس کتاب میں عربوں اور مسلمانوں کے خلاف زہرافشانی کی گئی ہے اور مسلمانوں کے جذبات کا مذاق اڑایا گیا ہے۔

۱۰۔ ج.ایزاک کے محاضرات کی تاریخ، مرتبہ اے .البا A. Alba اس کتاب میں مشرق قریب میں نصرانیت کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، اور پانچویں کلاس کے کورس میں داخل ہے۔

۱۱۔ The Muslim World: اس رسالہ نے عیسائی مشنری کے لیے زمین ہموار کی، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کیے، مستشرقین نے اس کے ذریعہ اسلام کے بنیادی مصادر پر تیشہ چلایا اور اسلام کی غلط شبیہ پیش کر کے بہت سے مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کردیا۔

مشنریز کے وسائل وامکانات

مشنری کے اہم ترین وسائل وذرائع میں مفت علاج ومعالجہ، تعلیم، رفاہی ادارے، حوادث وآفات اور سیلاب وزلزلہ کے متاثرین کی امدادوتعاون، غذائی اجناس کی فراہمی وتقسیم وغیرہ ہیں۔

مشنریوں نے غور وخوض کے بعد طبابت کو نصرانی بنانے کا اہم وسیلہ قرار دیتے ہوئے اس پر بڑی توجہ دی، اور طبابت کی راہ سے ایک بڑی تعداد کو نصرانیت میں داخل کرلیا، مبلغہ ملی گن Milligan مشنریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی ہے کہ:

''جہاں انسان ہوں گے وہاں بیماریاں اورامراض ہوں گے اور جہاں امراض ہوں گے وہاں ڈاکٹر کی ضرورت ہوگی اور جہاں ڈاکٹر کی ضرورت ہوگی وہاں نصرانیت کی تبلیغ ودعوت کا اچھا موقع ہوگا''۔

چنانچہ مشنریوں نے طبابت کو اختیار کیا اور علاج ومعالجہ کے پردہ میں مریضوں میں نصرانیت کی تبلیغ واشاعت کی۔

اس غرض سے ۱۹۵۹ء میں امریکی مشنریوں نے سیواس ترکی میں ڈپنسری قائم کی، اس تجربہ کے بعد عالم اسلام کے مختلف ملکوں خصوصاً افریقہ کے متعدد ملکوں میں کلینک اور ڈپنسریاں قائم کی گئیں، غریب محتاج، اور ناداروں کو مفت علاج فراہم کرکے نصرانیت کو''مسیحا'' کی شکل میں پیش کیا۔

ڈاکٹر پال ہاریسن (Paul Harrison) کہتا ہے:

ہم مشنری عرب ملکوں میں اس لئے نہیں آئے کہ اسپتال، میڈیکل کالج، کلینک اور ڈپنسری قائم کرکے دولت کمائیں، بلکہ ہمارا بنیادی مقصد یہ ہے کہ یہاں کے مردوں اور عورتوں کو نصرانی بنادیا جائے'' (۳)

مشنریز کے دیگر وسائل کے مقابلہ طبابت کا ذریعہ زیادہ مؤثر اور وسیع ہے، کیونکہ ڈاکٹر کے پاس تمام طبقات کے لوگ آتے ہیں حتی کہ وہ لوگ بھی ڈاکٹر کے پاس آنے پر مجبور ہیں جو غیروں سے اختلاط روا نہیں رکھتے، اسی وجہ سے مشنری اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مشنری ڈاکٹر مریضوں کے ذریعہ مسلمانوں کے تمام طبقات تک بآسانی پہونچ سکتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ڈاکٹر کو عیسائیت کا بھرپور علم ہو، بلکہ وہ انجیل کا چلتا پھرتا ایڈیشن ہو، تاکہ آنے والوں کو نصرانیت سے متاثر کرکے یا تو ان کو نصرانی بنالے، یا کم سے کم ان کے اندر نصرانیت کے تئیں نرم گوشہ پیدا کردے، اور دین اسلام سے بیزار کردے۔ (۴)

اکثر مشنریوں نے اس پہلو پر زور دیا ہے، SA Morrison جو مشنری رسالہ "The Muslim World" کے ایڈیٹر رہے ہیں لکھتے ہیں:

''ہم سب کا اس پر اتفاق ہے کہ بیماروں اور مریضوں کے درمیان عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کا مقصد یہ ہے کہ ان کو اپنے رب یسوع مسیح سے واقف کرائیں اور کلیسا میں داخل کرلیں۔''

ماریسن مزید لکھتے ہیں کہ:

''مریضوں کے درمیان مشنری کام کے دو طریقے ہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ مشنری ڈاکٹر خود مسلم مریض کے پاس جائے اس سے ہمدردی اور محبت کا اظہار کرے، تاکہ اس مریض کے ذریعہ دوسرے مسلمانوں تک رسائی آسان ہوسکے کیونکہ یہ مریض اپنے مشفق ڈاکٹر کا اپنے دوسرے احباب واقارب سے تذکرہ کرے گا تو وہ بھی اس سے ملاقات کی خواہش کریں گے، اسطرح جب جب یہ ڈاکٹر اس کے پاس مزاج پرسی کے لیے جائے گا تو دوسرے لوگ بھی وہاں موجود ہوں گے اس طریقہ سے ایک ہی جگہ ایک بڑی تعداد کو نصرانی بنانے کا موقع فراہم ہوجائے گا۔''

مسٹر ہار پر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ:

''مسلمانوں کے علاقوں میں زیادہ سے زیادہ ڈاکٹروں کی ٹیمیں روانہ کی جائیں، کیونکہ ڈاکٹروں کا عوام سے ربط اور اختلاط زیادہ رہتا ہے، اس وجہ سے دوسرے مشنریوں کے مقابلہ میں مشنری ڈاکٹروں کے مسلمانوں پر اثرات گہرے مرتب ہوں گے۔''

مشنریز کے کلینک، ڈسپنسری اور نرسنگ ہوم فلسطین، غزہ، نابلس، شام، مصر، افریقہ، سوڈان، صومالیہ، نائجیریا، صومالیہ اور غریب اسلامی ملکوں میں جابجا قائم ہیں، ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بھی ان کا جال پھیلا ہوا ہے، مفت علاج کی وجہ سے سیدھے سادھے اور ناخواندہ افراد ان کا شکار ہوجاتے ہیں۔

مشہور مشنری ڈاکٹروں میں جنہوں نے ڈاکٹروں کے بھیس میں صرف عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کی اور ایک بڑی تعداد کو اسلام سے بے دخل کر دیا، درج ذیل نام آتے ہیں:

ڈاکٹر تامسن Thomson، چارلس کلھون Charles Calhoun، ماری ایڈی Mary Eddy، واڈیک Vodax، جارج پوسٹ Gorge Post، وارستھ Warsith، ہاریسن Harrison، رچٹر Richter۔

مرد مشنریوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی اس میدان میں بڑا موثر رول ادا کرتی ہیں، عورتیں نرسوں کی شکل میں گاؤں گاؤں، شہر شہر اور گھر گھر گشت کرتی ہیں، عورتوں اور بچوں سے براہ راست ملاقاتیں کرتی ہیں، ان کی تکلیفوں اور بیماریوں کو معلوم کر کے ان سے ہمدردی اور شفقت کا معاملہ کرتی ہیں اور جلد ہی اپنا ہم نوا بنا لیتی ہیں اور مفت علاج اور طبی خدمات فراہم کر کے یا تو نصرانی بنا لیتی ہیں یا کم سے کم نصرانیت سے ان کے دلوں میں محبت اور لگاؤ پیدا کر دیتی ہیں۔

تعلیم

عیسائی مشنریز کا دوسرا اہم وسیلہ تعلیم ہے، ان کے نزدیک تعلیم صرف اور صرف وسیلہ ہے مقصود نہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام لوگوں کو عیسائی بنا لیا جائے اور پوری نوع انسانی نصرانیت میں داخل ہو جائے، ہنری جسپ Jessup کہتا ہے:

> ”تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ تمام لوگوں کو عیسائی بنا کر پوری دنیا میں نصرانیت کی بالادستی قائم کر دی جائے۔“

جسپ لکھتا ہے کہ مشنری مہم کی کامیابی کے لیے اسکولوں کا قیام بنیادی شرط ہے۔

۱۲۹۴ء میں جب ریمن لل Ramon Lull نے پوپ سلستین پنجم سے ملاقات کی تھی، تو اس نے پوپ کو دو کتابیں دیں جن میں مسلمانوں کو نصرانی بنانے کا منصوبہ پیش کیا گیا تھا، ریمن لل کے دو منصوبے تھے، ایک یہ کہ کلیسا تعلیم اور اسکول کو نصرانی بنانے کے لیے اختیار کرے، دوسرا پہلو یہ تھا کہ طاقت کے ذریعہ مسلمانوں کو نصرانی بنایا جائے جب کہ دوسری کوششیں بار آور نہ ہوں۔

ریمن لل کے اس منصوبہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشنریوں نے تعلیم کو بڑی اہمیت دی ہے اوراس راستہ سے کئی نسلوں کو متاثر کیا ہے۔

یورپی ممالک میں عالم اسلام کے جوطلبہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے جاتے ہیں تو مستشرقین اور مشنری ان کی ایسی ذہن سازی کرتے ہیں کہ وہ وطن واپس آ کر سامراجی مقاصد کی تکمیل کے لیے کام کرتے ہیں، اسی وجہ سے مختلف عنوانات سے مسلم طلبہ کو ملک سے باہر تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہے، پھران کی ایسی تربیت اور ذہن کی تشکیل کی جاتی ہے کہ وہ اسلام سے بیزار ہو جاتے ہیں اور اسلامی قدروں کو چھوڑ کر مغربی تمدن وتہذیب کے رنگ میں رنگ جاتے۔

مشنریز عالم اسلام میں اپنے سامراجی اغراض کے حصول کی خاطر خانہ جنگیاں، اور لڑائیاں کراتی رہتی ہیں تا کہ مسلمان قوموں کو باہم لڑا کران کی طاقت وقوت کمزور کر دی جائے اور وہ مزاحمت اور مقابلہ کی پوزیشن میں نہ ہونے پائیں، کیونکہ دشمن طاقتیں اچھی طرح سمجھتی ہیں کہ اگر مسلمانوں میں اتحاد قائم رہا اور ایک امت رہے، تو دنیا کی کوئی طاقت ان کا بال بیکا نہیں کرسکتی، تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں، خلافت عثمانیہ کو توڑنے اور مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر کرنے میں مشنریز نے کلیدی کردارادا کیا ہے۔ عالم اسلام میں وقتاً فوقتاً قومیت عربیہ، اور لسانی وعلاقائی عصبیت کی جوتحریکیں اٹھیں ان کے پیچھے مشنریز ہی کا ہاتھ رہا ہے، اسی طرح مصر میں فرعونیت، شام، فلسطین اور لبنان میں فینیقیت، عراق میں آشوری زبان اور شمالی افریقہ میں بربری زبان وثقافت کی جوآوازیں بلند ہوئیں وہ سب مشنریوں ہی کی اٹھائی ہوئی آوازیں ہیں، مشنریوں نے ہمیشہ ان تحریکوں، جماعتوں اور نعروں کی ہمت افزائی کی ہے۔جن سے امت اسلامیہ کی وحدت ٹوٹ سکتی تھی۔

استشراق اور تنصیر (نصرانی بنانے) کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں مغربی سامراج کے لیے راستہ ہموار کرتے ہیں، ڈاکٹر انور جندی نے اپنی کتاب ''فی وجہ التغریب'' میں دلائل کے ساتھ لکھا ہے کہ مغربی صلیبی طاقتوں نے صلیبی جنگوں کے

طویل سلسلہ ۱۰۹۹ء-۱۲۵۴ء کے بعد عالم اسلام پر غلبہ حاصل کرنے، مسلمانوں کو زیر کرنے اور دین اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے جو منصوبہ بنایا اس کی تکمیل کے اہم ترین وسائل تین قرار دیے، استشراق، تبشیر، اور تجدد پسندی، چنانچہ مغرب نے ان تینوں وسائل کو اختیار کر کے عالم اسلام پر غلبہ حاصل کر لیا ہے۔

مسلح جماعتیں

مذکورہ وسائل کے علاوہ مشنری نے کلیسا کے توسط سے مسلح جماعتیں اور تنظیمیں بھی بنائی ہیں جو دہشت گردی اور تشدد کے ذریعہ لوگوں کو ڈرا کر اور خوفزدہ کر کے عیسائی بنا لیتی ہیں۔

افریقی ممالک یوگنڈا اور لائبیریا میں غیر قانونی عیسائی مسلح جماعتوں نے بڑی تباہی مچائی ہے، ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور لاکھوں انسانوں کو ملک بدر کر دیا ہے، یوگنڈا میں مسلح جماعتوں میں سب سے خطرناک مسلح فوج ''جیش الرب'' ہے، اس کا قائد پادری ''جوزف کونی'' ہے، اس جماعت میں تقریباً چار ہزار افراد شامل ہیں جن میں ۸۰؍ فیصد نوعمر لڑکے ہیں۔ (رسالہ "المجتمع شمارہ نمبر: ۱۶۳۵، جنوری ۲۰۰۵ء)

لائبیریا میں مشنریوں کی ایک مسلح تنظیم ہے جو "NPFL" کے نام سے جانی جاتی ہے، اس کا رہنما سابق ڈکٹیٹر چارلس ٹائلور ہے، ٹائلور نے ۱۹۹۷ء میں ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد مشنری سرگرمیوں کو خوب فروغ دیا اور ہر ممکن تعاون دیا، اس مسلح جماعت نے ۳۵؍ ہزار مسلمانوں کو قتل کر دیا، پانچ لاکھ سے زائد مسلمانوں کو گھروں سے نکال دیا، اور سیکڑوں مساجد اور مدارس کو منہدم کر دیا۔ (رسالہ ''المجتمع'' شمارہ نمبر: ۱۶۳۵، جنوری ۲۰۰۵ء)

ایتھوپیا میں متعدد مشنری تنظیمیں کام کر رہی ہیں، اور کلیسا ان کی رہنمائی کر رہا ہے، ایتھوپیا کی آبادی ۷۰؍ ملین ہے، مسلمانوں کی آبادی ۵۰؍ فیصد ہے، سولہویں صدی عیسوی کے نصف میں عیسائی حاکم تیوڈر نے اعلان کیا کہ تمام مسلمانوں کو قتل کر دیا جائے، مسلمان مرتد ہیں وہ یا تو نصرانیت اختیار کر لیں یا پھر ملک چھوڑ کر چلے جائیں، ۱۸۷۸ء میں شہنشاہ یوحنا نے حکم صادر کیا کہ تمام مسلمان تین سال کے اندر اندر نصرانیت اختیار کر لیں،

اور مسجدوں کو کلیساؤں میں تبدیل کر دیا جائے، انیسویں صدی کے شہنشاہ منلیک نے ''ہرر'' شہر کی سڑکوں پر ۱۵ر ہزار مسلمانوں کو قتل کر دیا، ان کے اموال ضبط کر لئے، عربی زبان پر پابندی لگادی، اور تمام مسلمانوں کو اپنے اور فوج کے درمیان تقسیم کر دیا، شہنشاہ اور اس کے خاندان کے حصہ میں ۷۰ر ہزار مسلمان آئے۔(۵)

اس کے بعد ہیل سلاسی اور زیناوی کے عہد اقتدار میں مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے۔(۶)

کردستان میں ۱۹۲۸ء سے مشنری سرگرمیاں جاری ہیں۔ پادری گلیسنر (Glessner) ۱۹۲۸ء میں اپنی بیوی کے ساتھ عراق میں داخل ہوا، عربی زبان سیکھنے کے بعد اس نے بغداد میں لڑکیوں کے ایک اسکول میں کام کیا اور پھر کچھ مدت کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ ''کرکوک'' منتقل ہو گیا جہاں دونوں نے عیسائی مشنری کا ایک اسٹیشن قائم کیا، اس کے بعد ۱۹۳۲ء میں ایک اسکول اور انجیل و مذہبی کتابوں کا ایک مکتبہ قائم کیا جس نے مختصر مدت میں بڑی شہرت حاصل کر لی۔ ۱۹۴۱ء میں گلیسنر اور اس کی بیوی دونوں نے عراق چھوڑ دیا، دوسری عالمی جنگ کے بعد ۱۹۴۵ء میں دوبارہ کرکوک واپس آئے اور خاص طور پر کرد، ترکمان اور عربوں میں کام شروع کیا اور ۱۹۵۷ء تک ایک عیسائی مشنری کے تحت کام کرتے رہے، پھر اس سے علاحدگی اختیار کر لی اور مستقل طور پر عیسائی مشنری کا نیٹ ورک قائم کیا اور بڑے منظم پیمانے پر کام شروع کیا۔

ایک دوسرا پادری روجر کریگ کامبر لانڈ نے ۱۹۳۳ء میں موصل شہر سے شمال میں ستر کیلو میٹر کی دوری پر واقع دھوک میں مشنری مشن کا آغاز کیا جس نے پورے علاقہ میں نصرانیت کے گہرے اثرات چھوڑے، جب گلیسنر، برنارڈ ہاکن اور کامبر لانڈ کی مشنری سرگرمیاں بڑھنے لگیں تو ایک مقامی کردی نے کامبر لانڈ کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد کرکوک میں ایک قومی انجیلی کلیسا قائم ہوا، ۱۹۹۱ء کی انتفاضہ تحریک کے کچھ مدت بعد انجیلی پروٹسٹنٹ کلیسا کے ایک تربیت یافتہ یوسف متی نے امریکن اور

یورپین عیسائی مشنریوں کی مدد سے کردستان کے تین صوبوں میں انجیلی کلیسا قائم کیے، جس کے نتیجہ میں بہت سے کردوں نے عیسائیت اختیار کرلی اور کلدانی نصرانی اکثریت والے علاقہ ''عین کاواہ'' اور ''اربیل'' شہر میں وہ پہلا کلیسا قائم ہوا جس کی زبان کردعربی تھی۔

۱۹۹۱ء میں کردستان سے عراقی کنٹرول ختم ہوجانے کے بعد کردستان میں جب سیکولر پارٹیاں اقتدار میں آئیں تو ایک بار پھر یورپی، امریکی اور مغربی عیسائی مشنریاں کردستان میں سرگرم عمل ہوگئیں، اور کردقوم کی مالی امداد کرکے عیسائیت کو فروغ دیا، اور کردستان کی سیکولر، لبرل اور کمیونسٹ پارٹیوں نے اسلام مخالف سرگرمیوں کو بڑی کمک پہونچائی جس کی وجہ سے بڑی آزادی کے ساتھ مشنریوں نے کام کیا۔ اس وقت کردستان کے تین بڑے صوبوں دھوک، اربیل اور سلیمانیہ میں عیسائیوں کی بڑی تعداد موجود ہے اور ان کے بڑے بڑے کامپلکس ہیں، مکتبات ہیں، عمان، قاہرہ اور بیروت میں قائم عیسائی مشنری اداروں سے یہاں بڑی مقدار میں مسیحیت پر مشتمل لٹریچر پہنچتا ہے، اور بغداد پر امریکی قبضہ کے بعد جرمنی، ترکی خصوصاً استنبول سے کمک فراہم کی جارہی ہے، اور کردستان کے عیسائی اسرائیل کی کھل کر مدد کررہے ہیں، مشنریوں نے کردوں کے دل ودماغ میں یہ بٹھادیا ہے کہ مذہب اسلام ان کی پستی کا سبب ہے، عربوں، ایرانیوں اور ترکوں نے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں، جس کی وجہ سے کردعربوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔

اس وقت امریکا اور یورپ کے بڑے بڑے عیسائی مشنری ادارے اور تنظیمیں کردستان میں مشنری مشن کی سرپرستی کررہی ہیں، بلکہ بعض آزاد ذرائع کے مطابق یہودی بڑی تعداد میں عراق اور کردستان میں موجود ہیں جو عیسائی مشنری کو بھرپور تعاون پہونچارہے ہیں، شیعہ سنی اختلافات کو ہوادے رہے ہیں بلکہ ایرانیوں کی مدد سے سنیوں کا صفایا کیا جارہا ہے۔ (۷)

اسی طرح سوڈان میں کئی مشنری مسلح جماعتیں سرگرم عمل ہیں اور عالمی کلیسا ان کی ہرطرح سرپرستی کررہا ہے، سوڈان میں کلیساؤں کی تعداد ۱۹۹۷ء تک ۱۴۳۸ر تھی، اور اس کے بعد سے یہ تعداد مسلسل بڑھتی ہی جارہی ہے، ۶۶۰ر اسکول ہیں جو مشنری تنظیموں کے تابع ہیں، سوڈان کے کلیساؤں میں تقریباً ۵۰۰ر پادری کام کررہے ہیں، اور ان کا تعلق دنیا

کے مختلف ملکوں سے ہے۔

جنوبی سوڈان کو امریکہ اور یورپ کی عیسائی اسٹیٹ بنانے کے منصوبنایا گیا، بلکہ براعظم افریقہ کو عیسائیت میں تبدیل کرنے کا تانابانا مدت ہائے دراز سے بنا جارہا ہے، اس مشن کی سرپرستی اور نگرانی کی ذمہ داری ''سوڈانی چرچ کونسل'' کو سونپی گئی تھی، اس کونسل نے اس منصوبہ پر اسی وقت سے عمل شروع کردیا تھا جب ''آل افریقہ چرچ کونسل'' کے سامنے ''سوڈان بچاؤ'' تجویز پیش کی گئی تھی، جس میں واضح طور پر ایسے نئے سوڈان کی تشکیل کی تجاویز پیش کی گئی تھیں جو عربوں کے تسلط اور اقتدار سے پاک ہو اور عیسائیت کا لیبل اس اسٹیٹ کا خاصہ ہو، اس کانفرنس کی سفارشات کے تحت بین الاقوامی وافریقی چرچ کونسل نے جنوبی سوڈان میں عیسائیت کی ترویج واشاعت کے لئے سرگرمیوں کا آغاز کردیا۔

۱۹۸۷ء میں ''آل چرچ کونسل'' کی سالانہ رپورٹ میں کہا گیا کہ مشہور اطالوی عیسائی مبلغ ''دانیال کمبونی'' نے دوسرے پادری کی وفات کے وقت یہ عہد کیا تھا کہ وہ اپنی زندگی افریقہ کو عیسائیت میں تبدیل کرنے کے لئے وقف کررہے ہیں، وہ افریقہ کو عیسائی مملکت بنا کر چھوڑیں گے، اس مہم میں بہت سے پادریوں اور عیسائی مبلغین نے اپنی جانیں گنوادیں، مگر انہوں نے اپنی صلیبی کوششوں کا علم اٹھائے رکھا، عیسائی مشنریوں نے اپنی رپورٹوں میں جنوبی سوڈان کی تاریخ کو ہمیشہ توڑ مروڑ کر پیش کیا۔

عیسائی مشنریوں کو یقین ہے کہ اگر جنوبی سوڈان میں اسلام مضبوط ہوگیا تو اپنی فطری کشش کی وجہ سے پورے قرن افریقہ Horn of Africa (شمال مشرقی افریقہ اور یہ اصطلاح جبوتی، ایتھوپیا، اریٹریا اور صومالیہ پر مشتمل خطے کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے) دریائے نیل اور یہاں کے تمام علاقوں میں پھیل جائے گا اور اسلام کی بالادستی جڑ پکڑ جائے گی، جبکہ یہ علاقے نہ صرف جغرافیائی لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں، بلکہ معدنیات سے مالا مال ہیں، لہذا جنوبی سوڈان میں چرچوں نے بڑی تیزی سے کامیابی حاصل کی اور اس میں اسلام کے خلاف بنائی جانے والی تنظیم ''صفوہ'' نے بڑا اہم کردار ادا کیا، ''صفوہ'' کو مسلمانوں کے خلاف ریشہ

دوانیوں کے لیے مغرب نے بھرپور امداد دی، اس طرح سوڈان میں نفاذ شریعت اور اسلام کے فروغ میں عیسائی مشنریوں نے رکاوٹیں پیدا کیں۔ بالآخر ۲۰۱۲ء میں سوڈان کے جنوبی حصہ کو الگ کر کے عیسائی اسٹیٹ بنا دیا گیا اور یہاں پائے جانے والے پٹرول کے ذخائر، معدنیات اور وسائل پر سامراجی اور مغربی طاقتوں کا قبضہ ہو گیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مشنریاں اپنے مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے ہر طرح کے وسائل اختیار کر رہی ہیں، تعلیم وطب سے لے کر ہتھیار تک استعمال کیے جا رہے ہیں، مسلمانوں کو اس پہلو پر غور کر کے مشنری حملوں سے بچاؤ کی مناسب تدبیر اختیار کرنی چاہئے۔

مجلہ "المجتمع" (شمارہ نمبر:۱۸۱۹تا۱۸۳۰،۲۰۰۸ء) کے مطابق امریکی مشنریز کی صورت حال مندرجہ ذیل ہے:۔

120,000/مشنری ادارے ہیں۔

99,000/سنٹر ایسے ہیں جہاں سرکاری مبلغین کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔

4,208,250/پیشہ ور سرکاری مبلغ ہیں۔

82,000,000/کمپیوٹر ہیں۔

24,900/مجلات ہیں۔

2,740/ریڈیو اور ٹیلی ویژن اسٹیشن ہیں۔

امریکی مشنریز کے اسکولوں میں 9,000,000/طلبہ زیر تعلیم ہیں، جو 10,677/ اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں۔ امریکی مشنریز کا سالانہ بجٹ ۱۶۳/ارب ڈالر ہے۔

صرف افریقہ میں 140,00/پیشہ ور مبلغ کام کر رہے ہیں، مبلغین اور مبلغات کی مجموعی تعداد 119,000/ہے، جو سالانہ دو ارب ڈالر خرچ کرتے ہیں، ۳۸/افریقی ملکوں میں 111,000/ مشنریز کام کر رہے ہیں، عیسائی بنانے کے 16,000/ادارے ہیں، 500/مذہبی اسکول ہیں۔

حوالہ جات:

(۱)۔ ماخوذ از: نظام تعلیم وتربیت، بقلم: مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، دار الرشید لکھنؤ، ۲۰۱۳ء

(۲)۔تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں:التبشير والاستعمار في البلاد العربية،ڈاکٹر مصطفیٰ خالدی اورڈاکٹر عمر فروخ
(۳)۔بحوالہ الطبیب فی البلاد العربیۃ،ص ۲۷۷۔
(۴)۔بحوالہ:الطبيب في البلاد العربية،ازڈاکٹر پال ہاریسن۔
(۵)۔مسلمو أثيوبيا الأغلبية المقهورة۔
(٦)۔رسالہ ''المجتمع'' ۲۶؍مارچ ۲۰۰۵ء۔
(۷)۔مجلہ المجتمع،شمارہ نمبر۱۹۲۴، ۲۳؍۱۰؍۲۰۱۰ء۔

مراجع:

۱۔الفکر الاسلامی الحدیث/ڈاکٹر محمد البہی،مکتبہ وھبہ،القاہرہ،۱۹۷۵ء
۲۔التبشیر والاستعمار/محمد عزت اسماعیل الطھطاوی،قاہرہ۱۹۷۷ء
۳۔التبشیر والاستعمار فی البلاد العربیۃ/ڈاکٹر مصطفیٰ خالدی،وڈاکٹر عمر فروخ،۱۹۷۳ء
۴۔الغارۃ علی العالم الاسلامی/ا.ل.شاتیلہ،ترجمہ:محب الدین خطیب،۱۳۸۵ھ
۵۔معاول الھدم والتدمیر فی النصرانیۃ والتبشیر/ابراہیم سلیمان الجبھان،۱۹۸۱ء
۶۔أضواء علی الاستشراق/ڈاکٹر محمد عبد الفتاح علیان،۱۹۸۰ء
۷۔قادۃ الغرب یقولون/جلال العالم،۱۹۷۵ء
۸۔مجلۃ البلاد/العدد:۴۸۴/۱۴/۲،۱۹۷۹ء
۹۔دائرۃ المعارف الاسلامیہ The Encyclopedia of Islam
۱۰۔دائرۃ معارف الدین والاخلاق Encyclopedia of Relijion Ethics
۱۱۔Focus chris Tian Muslim Ralations
۱۲۔اضطھاد القبیلۃ المسلمۃ العملاقۃ فی غرب افریقیا/ابوبکر عبدالقادر سیسی۔
۱۳۔أزمۃ لیبیا وانعکاساتھا علی المسلمین/بدر حسن شافعی۔
۱۴۔الدعوۃ فی اثیوبیا/الفرص والخاطر
۱۵۔مسلمو اثیوبیا......الاغلبیۃ المقھورۃ/سھا سلیمان۔
۱۵۔الکنائس العالمیۃ والتبشیر فی جنوب السودان/سیدی أحمد بن احمد سالم
۱۶۔لمحات عن التقصیر فی افریقیا/ڈاکٹر عبدالرحمن السمیط
۱۷۔الوجود النصرانی فی السودان دراسۃ میدانیۃ/موقع المشکاۃ السودانی
۱۸۔مجلۃ ''المجتمع'' الکویتیۃ:شمارے:۱۶۱۵،۱۶۳۵،۱۶۳۶۔

استشراق

Orientalism

استشراق کی تعریف

استشراق کا مشتق منہ ''شرق'' ہے جو ''غرب'' کا مقابل ہے، لہٰذا اس کے لغوی معنی مشرق (مشرقی ممالک کے متعلق معلومات) حاصل کرنے کے ہیں، مشرق میں ایشیائی اور افریقی ممالک آتے ہیں اور مغرب میں یورپی اور امریکی ممالک آتے ہیں، مشرق کے باشندوں کی اکثریت کا مذہب دین اسلام ہے، یہ اقتصادی اعتبار سے پسماندہ ہیں اور سیاسی اعتبار سے سامراج اور غلامی کا شکار ہوتے رہے ہیں، جبکہ مغرب کے باشندوں کی اکثریت کا مذہب نصرانیت ہے، یہ اقتصادی اعتبار سے خوش حال ہیں اور سیاسی اعتبار سے سامراجی اور تخریبی نظریات رکھتے ہیں۔(۱)

علمی اصطلاح میں استشراق ایک علمی تحریک ہے جس کا خصوصی مرکز توجہ اسلام، اسلامی تہذیب وتمدن اور مشرقی علوم ہے۔(۲)

ڈاکٹر ایڈورڈ سعید نے اپنی کتاب ''الاستشراق'' میں اور شکری نجار نے اپنے ایک مضمون ''لِمَ الاھتمام بالاستشراق؟'' (استشراق پر توجہ کیوں؟) میں لکھا ہے کہ استشراق، مشرقی ممالک پر کنٹرول اور حکمرانی کرنے، یہاں کے ذخائر ومعدنیات اور قدرتی وسائل پر قبضہ کرنے کا ایک مغربی حربہ اور سامراجی طریقہ ہے۔(۳)

ڈاکٹر فتح اللہ زیادی کی رائے میں استشراق اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے، اسلامی عقائد ومسلمات کے متعلق ذہنوں اور دلوں میں شک وشبہ پیدا کرنے اور دین اسلام

کے بنیادی مآخذ کو کمزور کرنے کی ایک علمی تحریک ہے۔

ڈاکٹر انور الجندی نے لکھا ہے کہ استشراق مغربی سامراج کے توسیع پسندانہ عزائم ومقاصد کی تکمیل کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے، دیگر ذرائع میں عیسائی مشنری، فکری وثقافتی یلغار اور تجدد پسندی ومغرب زدگی کی تحریکات ہیں۔

ڈاکٹر محمد محمد حسین نے اپنی کتاب ''الإسلام والحضارة الغربية ''میں لکھا ہے کہ مستشرقین کی اصطلاح ایک وسیع اصطلاح ہے جس کے تحت وہ تمام باحثین اور محققین آتے ہیں جو مشرقیات کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقات کرتے ہیں، چنانچہ یہ مشرقی اقوام مثلاً ہندوستان، ایران، جاپان اور عالم عربی کے علوم وفنون، کلچر، ثقافت، زبان، مذہب اور تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں، اس کے علاوہ غیر مشرقی اقوام کو بھی موضوع بحث بناتے ہیں''۔

اسلامی مفکر مالک بن نبی اپنی کتاب "إنتاج المستشرقين وأثره في الفكر الإسلامي" میں رقمطراز ہیں کہ مستشرقین سے مراد وہ اہل علم وقلم ہیں جو فکر اسلامی اور اسلامی تہذیب وتمدن کو اپنی بحث وتحقیق کا موضوع بناتے ہیں۔

ڈاکٹر علی خربوطلی کی رائے میں مستشرق وہ مغربی صاحب علم ہے جو مشرقیات پر بحث کرتا ہے۔(۴)

مشہور محقق محمد کرد علی کہتے ہیں کہ مستشرقین وہ لوگ ہیں جو مشرق کے علوم اور اس کی زبان پر بحث کرتے ہیں۔(۵)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مستشرقین Orientalist ان مغربی اور یورپی علماء وفضلاء اور محققین وباحثین کو کہتے ہیں جنہوں نے مشرقی اقوام خصوصاً مسلمانوں اور عربوں کے علوم وفنون اور مشرقی (اسلامی وعربی) ممالک کے دینی، تہذیبی، اقتصادی، سیاسی، سماجی اور جغرافیائی احوال کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا، اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ذہنوں اور دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کر دئے اور اسلامی سرچشموں اور مآخذ کو کمزور کر دیا۔

اس علمی تحریک نے مغربی سامراج کے اشارہ پر مشرقی اسلامی علوم وفنون کے

اسکول کھولے، مشرقی کتب خانوں کی بنیادیں ڈالیں، ایشاٹک سوسائٹیاں قائم کیں، مشرقی تصنیفات کی طبع واشاعت کے سامان پیدا کیے اور اسلامیات کا مطالعہ وترجمہ شروع کیا۔

استشراق کا آغاز

استشراق کی تاریخ بہت پرانی ہے، اس کی ابتدا کے بارے میں محققین کی آراء مختلف ہیں، ڈاکٹر محمود حمدی زقزوق اور ڈاکٹر ہیثال حجانے لکھا ہے کہ استشراق کی ابتدائی تاریخ کی تحدید مشکل ہے۔(۶)

بعض محققین کی رائے ہے کہ استشراق کا آغاز اسپین میں اسلامی عہد سے ہوا، جب کہ دوسرے محققین کی رائے میں اس کا آغاز صلیبی جنگوں (۱۰۹۷ء-۱۲۹۵ء) کے دوران ہوا، اسی دوران مغرب کا مشرق سے اتصال ہوا، جان گبن اور یوہان ووک نے صراحت کی ہے کہ یورپ صلیبی جنگوں کے دوران مشرق سے واقف ہوا اور یہیں سے علوم مشرقیہ کی تحقیق اور مطالعات اسلامی کی بنیاد پڑی۔(۷)

ڈاکٹر عبدالعظیم مطعنی نے اپنی کتاب "أوربا فی وجه الاسلام" میں لکھا ہے کہ استشراق کا آغاز صلیبی جنگوں کی ناکامی کے بعد ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ شروع میں استشراق کا مقصد علوم اسلامیہ کو یورپی زبانوں میں منتقل کرنا تھا، لیکن صلیبی جنگوں میں ناکامی کے بعد مغرب نے اس علمی تحریک کو مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے اختیار کیا، جیسا کہ لوئی نہم نے منصورہ میں ۱۲۵۰ء میں شکست کھانے کے بعد اپنی وصیت میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کو میدان جنگ میں شکست دینا ناممکن ہے؛ کیونکہ وہ جہاد، فدائیت، جان نثاری اور قربانی کے جذبے سے سرشار ہیں، لہٰذا جنگ کے طریقہ کو چھوڑ کر علم کے راستے سے مسلمانوں پر حملہ کیا جائے، دین وعقیدہ کے متعلق ان کے اندر شکوک وشبہات پیدا کردیے جائیں اور ان کے جذبہ ایمانی وجذبہ جہاد وقربانی کو کمزور بلکہ ختم کردیا جائے۔(۸)

انفرادی استشراقی کوششیں

بہرحال جربرٹ دی اورلیاک (۹۳۸ء-۱۰۰۳ء) Jerbert De Oraliac

پہلا شخص ہے جس نے خفیہ طور پر اندلس جا کر علوم اسلامیہ حاصل کیے اور اشبیلہ اور قرطبہ کے اساتذہ فن سے کسب فیض کیا، اندلس سے واپسی کے بعد اس کو سلوسٹر دوم (۹۹۹ء-۱۰۰۳ء) کے نام سے روم کے کلیسا کا پوپ منتخب کیا گیا، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کے مطابق یہ پہلا شخص ہے جس نے عربی علوم اور مشرقی زبان وادب پر توجہ دی، اس کے بعد مغرب کے دیگر فضلاء اور اہل علم اندلس گئے اور وہاں مسلمانوں اور عربوں کے علوم سے استفادہ کیا اور واپس آ کر اپنے وطن میں اسلامی تہذیب وثقافت کی اشاعت کی، عربی تعلیم کے بہت سے تعلیمی ادارے قائم کیے۔(۹)

طلیطلہ کے اسقف اعظم ریمنڈلل نے بعض عربی کتب کو لاطینی زبان میں منتقل کیا، اٹلی نژاد جیرارڈ دی کریمون Gerard de Cermona (۱۱۱۴ء-۱۱۸۷ء) نے طلیطلہ کا سفر کیا، وہاں عربی زبان سیکھی اور اپنے وطن واپس آ کر فلسفہ، طب، فلکیات اور دیگر موضوعات پر ۸۷ کتابیں ترجمہ کیں، پطرس کلونی کے اشارہ پر رابرٹ Robert of Kettom نے ۱۱۴۳ء میں قرآن کریم کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا، اسی صدی میں لاطینی وعربی زبان میں پہلا لغت تیار ہوا۔ یہودی مشنری جان سیولا Juan de Sevila نے علم نجوم کو موضوع بنایا اور ابو معشر بلخی متوفی ۱۱۳۳ء کی چار کتابیں عربی میں ترجمہ کیں، اس کام میں ایڈلرف پاتھ نے بھی اس کی مدد کی، اسی طرح دیگر مستشرقین نے قرآن کریم، حدیث نبوی، سیرت نبوی، فقہ اسلامی وعلم کلام، سیرت صحابہ کرام، ائمہ ومجتہدین، مشائخ وصوفیہ، رواۃ حدیث، فن جرح وتعدیل، اسماء الرجال، حدیث کی حجیت، تدوین حدیث، فقہ اسلامی کے مآخذ اور اس کا ارتقا، جیسے موضوعات پر کام کیا، لیکن ان میں سے ہر موضوع کے متعلق مستشرقین کی کتابوں اور تحقیقات میں اتنا تشکیکی مواد پایا جاتا ہے جو اچھے خاصے پڑھے لکھے اور ذہین شخص کو بھی اسلام سے منحرف کر دینے کے لیے کافی ہے۔

یہ انفرادی علمی کاوشیں تھیں، کیونکہ کلیسا نے جس کی اب تک بالادستی قائم تھی اور علم پر اس کا قبضہ تھا، عام طور پر علم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی تھی، یہی نہیں بلکہ متعدد اہل علم

پاپاؤں اور پادریوں کی علم دشمنی کے وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے "کوپرنیک" (۱۴۷۳ء-۱۵۴۳ء)Nicolaus Copernicus "گلیلیو گلیلی" (۱۵۶۴ء-۱۶۴۲ء) Galileo Galilei اور "برونو" (۱۵۴۸ء-۱۶۰۰ء)Bruno اس کی زندہ مثال ہیں۔(۱۰)

استشراق کی منظّم کوششیں اور کلیسا کی سرپرستی

لیکن صلیبی جنگوں میں شکست فاش کے بعد لوئی نہم کی وصیت کے مطابق بعض پادریوں نے پاپائے اعظم سے ملاقات کی اور ان کے سامنے مسلمانوں کو زیر کرنے اور ان کو شکست دینے کے لیے لوئی نہم کا فارمولہ پیش کیا جس میں اس نے یہ مشورہ دیا تھا کہ جنگ کے بجائے علم کے راستے کو اختیار کیا جائے اور مسلمانوں کی طاقت وقوت اور ان کے جذبہ ایثار وقربانی کے اسباب وعوامل کا پتہ لگایا جائے اور پھر ان کی قوت وطاقت کے چشمہ کو خشک کردیا جائے، چنانچہ ان پادریوں نے پوپ کے سامنے دو طریقے پیش کیے: (۱) کلیسا علم حاصل کرنے کی اجازت دے اور اس کے ادارے قائم کرے اور اس کے ذریعہ عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کی جائے۔(۲) مسلمانوں کو عیسائی بنایا جائے خواہ اس کے لیے طاقت استعمال کرنی پڑے۔(۱۱)

اس کے بعد استشراق نے خطرناک شکل اختیار کرلی، یہ منصوبہ پیش کرنے والوں اور پوپ کو قائل کرنے والوں میں سرفہرست روجر بیکن اور ریمنڈ لل تھے، اس کے بعد ۱۳۱۲ء میں ویانا کے کلیسا نے روجر بیکن اور ریمونڈ لل کے منصوبہ سے اتفاق کرتے ہوئے علم حاصل کرنے خصوصاً اسلامی علوم وفنون اور عربی زبان سیکھنے کی اجازت دیدی، فوری طور پر اس کے مقصد کے لیے پیرس، آکسفورڈ، اوینون Avignon، پولینڈ اور سلامینا Salamina کے تعلیمی اداروں میں عربی زبان وادب اور مشرقی علوم کے شعبے قائم کیے گئے۔(۱۲)

پھر چودھویں صدی عیسوی کے اواخر میں ویٹی کن کے پوپ پنجم نے یورپ کی اہم یونیورسٹیوں میں عربی، عبرانی اور کلدانی زبانوں کے شعبے قائم کرنے کا حکم جاری کیا، پندرھویں صدی میں قسطنطنیہ کے سقوط (۱۴۵۳ء) اور ویانا کی سرحد تک عثمانی فوجوں کے

پہونچنے کے بعد جس نے یورپ کی چولیں ہلادیں، اس رجحان میں مزید تیزی آئی، چارلس مارٹل Charles Martel، شارلمان Charlemagne اوررولانڈ Roland نے یورپ میں بیداری کی مہم چلائی، جس کے سبب یورپ میں عربی وعبرانی زبان وعلوم سیکھنے کا رواج عام ہونے لگا اور مشنری ادارے اور اسکول قائم کیے، اور کلیسا نے مشرقی ممالک میں متعدد عیسائی مبلغین روانہ کیے جہاں مشنریوں کی تعلیم وتربیت ہوئی، مشرقی زبانیں سکھائی گئیں، مشرقی قوموں کی مذہبی کتابوں کی تعلیم دی گئی تاکہ ان کتابوں میں کمزور پہلو تلاش کرکے ان کے عقائد کو باطل ٹھہرائیں۔ (۱۳)

خود ویٹی کن میں مشرقی مذاہب وعلوم پر مشتمل کتابوں کا ایک کتب خانہ قائم کیا گیا، سولہویں صدی عیسوی میں اس علمی تحریک نے ترقی حاصل کی اور رومی کلیسا نے مشرقی زبانوں کے سیکھنے کے لیے ہر ممکن تعاون فراہم کیا، اس وجہ سے بعض محققین کی رائے ہے کہ استشراق اور عیسائی مشنری مغربی فکری یلغار کا ایک حصہ ہیں اور دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ (۱۴)

جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ جب رومی کلیسا نے مشرق خصوصاً اسلامی ممالک میں عیسائیت کی تبلیغ واشاعت پر توجہ کی تو اسے مشنریوں کو عربی زبان سکھانے کی ضرورت پیش آئی، چنانچہ اس مذہبی ضرورت کے تحت روم اور ویٹی کن میں استشراق کا آغاز ہوا، عملی طور پر رومی کلیسا نے عربی زبان کی فراہمی کے لیے پریس قائم کیا، علوم مشرقیہ کی کتابیں فراہم کیں۔ (۱۵)

اسی طرح فرانس، روس، امریکہ اور دیگر مغربی ملکوں میں استشراق کا آغاز ہوا، اور اسلامک اسٹڈیز کے عنوان سے سنٹر قائم کئے گئے، یونیورسٹیوں میں عربی زبان اور اسلامیات کے شعبے قائم کیے گئے، عربی کتابوں کے انگریزی زبان میں ترجمے ہوئے، ایک تحقیق کے مطابق پندرہویں صدی عیسوی تک تقریباً چار سو کتابیں عربی سے انگریزی اور یورپی زبانوں میں منتقل ہوگئیں، تقریباً چھ صدیوں تک عربوں کی کتابیں یورپی یونیورسٹیوں میں نصاب کی بنیاد رہیں اور یورپ ان کو اپنا علمی مأخذ سمجھتا رہا، خاص طور پر رازی، زہراوی، ابن رشد، ابن سینا اور دیگر مسلم فلاسفہ کی کتابیں انگریزی میں منتقل ہوئیں، اسی طرح یونانی زبان سے عربی

میں سقراط، افلاطون، ارسطو اور جالینوس کی کتابیں بھی منتقل ہوئیں۔اس عمل سے مشرق ومغرب کے درمیان علمی تبادلہ ہوااور ایک دوسرے کے تجربات سے مستفید بھی ہوئے۔بعض مستشرقین نے صراحت کی ہے کہ یورپ نے اس طریقہ سے اپنے تین سو سال بچالیے۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں اس علمی تحریک (استشراق) میں زبردست تبدیلی واقع ہوئی اور اسلام دشمنی اور دجل وفریب کا عنصر بڑھ گیا، اسلامی تحقیقات اور مشرقی علوم کی تحقیق کی آڑ میں اسلام کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کی منظم کوششیں ہونے لگیں۔

مستشرقین نے جن مشرقی اقوام کے علوم وفنون کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا ان میں زندہ ومردہ اقوام شامل ہیں، مردہ اقوام میں کلدانی، بابلی، نینوا، مصری، سریانی، یونانی وغیرہ اور زندہ اقوام میں اہل عرب (مسلمان) ہندی اور چینی قومیں شامل ہیں۔

مستشرقین کا طریقۂ کار

استشراقی تحقیقات کی کئی قسمیں ہیں، خالص علمی وتحقیقی، خالص دینی کوشش وتحقیق، خالص تجارتی وسیاسی تحقیقات۔خالص علمی بحث وتحقیق کا آغاز دسویں صدی عیسوی میں ہوا، یہ تحقیق کرنے والے مستشرقین معروضی اور تحقیقی وعلمی مزاج رکھنے والے تھے، ان میں حسد وعداوت نہ تھی، پھر کلیسا کی سرپرستی کی وجہ سے استشراق کا رجحان یکسر بدل گیا اور منفی اور مشنری رخ اختیار کرلیا۔

مستشرقین اپنی ساری کدوکاوش تاریخ اسلام، اسلامی معاشرہ، تہذیب وتمدن، اور ادب وثقافت میں جھول اور کمزوریوں کی تلاش ونشان دہی میں صرف کرتے ہیں، پھر ہولناک اور ڈرامائی انداز میں پیش کرتے ہیں، ان کی ذہانت وطباعی کا پورا مظاہرہ چہرۂ اسلام کو بدنما دکھانے میں ہوتا ہے اور اسی طرح اسلامی ممالک کے زعماء اور قائدین کے دماغ میں اسلام اور اسلامی قانون، نظام وتہذیب کے سرچشموں کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں اور اسلام کے مستقبل سے ناامیدی، حال سے بیزاری اور ماضی سے بدگمانی اس طرح پیدا کردیتے ہیں کہ ان کا سارا جوش وخروش دین کو عصری تقاضوں کے مطابق ڈھالنے اور اسلامی

خانوں میں اصلاح وترمیم کی مہم چلانے میں منحصر ہو کر رہ جاتا ہے۔(۱۶)

مستشرقین جب علمی موضوعات پر بحث کرتے ہیں تو بڑے محقق معلوم ہوتے ہیں اوران کا علم خوب چلتا ہے، لیکن جب اسلامیات پر کام کرتے ہیں اور قرآن اور پیغمبر اسلام سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ آتا ہے توان کا علم پنکچر ہو جاتا ہے، اوران کی بحث وتحقیق سب وشتم، دجل وفریب اور جہل میں تبدیل ہو جاتی ہے، مشہور مستشرق کارل بروکلمین (Carl Brocklemann) جس کی کتاب The History of Arab Literature یونیورسٹیوں، کالجوں اور علمی حلقوں میں تاریخ عربی ادبیات کا مرجع وماٰخذ سمجھی جاتی ہے، کارل کو علمی حلقوں میں بڑا محقق سمجھا جاتا ہے، لیکن جب بات اسلام اور نبی اسلام کی آتی ہے تو یہی محقق زہر گھولتا ہوا نظر آتا ہے اوراس کی تحقیق تلبیس اور تضلیل میں بدل جاتی ہے۔

مستشرقین کے اثرات

اس میں دورائے نہیں کہ مستشرقین کی بعض علمی تحقیقات وخدمات بڑی وقیع اور مستحسن ہیں، انہوں نے ایک طرف مردہ اقوام کی گم شدہ تاریخ کے ایک ایک ورق کو اپنی سعی پیہم اور عرق ریزی سے ایک جگہ جمع کیا اوراس کو قابل مطالعہ بنایا، دوسری طرف زندہ اقوام کے علوم وفنون کو جو مخطوطات اور دستاویزات کی صورت میں دنیا کی مختلف لائبریریوں اور اہل علم کے ذاتی ذخیروں میں محفوظ مگر طاق نسیان بنے ہوئے تھے، باہر نکالا اوران کی اصلاح وتہذیب اور شائع کر کے تشنگان علم کی سیرابی کا سامان بہم پہونچایا۔

لیکن اسلامی علوم خصوصاً سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، تاریخ اسلام، فقہ اسلامی اور تفسیر قرآن وحدیث نبوی سے متعلق مسلمانوں کے پرانے علمی وتاریخی سرمایہ کی تلاش وتحقیق اور پھر اشاعت وطباعت کے میدان میں مستشرقین نے جو جدوجہد کی ہے اس کا اصلی وحقیقی سبب ومحرک وہ بغض وعناد اور نفرت وعداوت تھا جو وہ اسلام کے خلاف رکھتے تھے، مغرب صلیبی جنگوں میں شکستوں سے اچھی طرح جان گیا کہ مسلمانوں کی تمدنی وتہذیبی برتری اور سیاسی عظمت وشوکت کا رازان کی دینی آسمانی کتاب قرآن مجید اوران کے رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی پاک سیرت اور جامع وہمہ گیر اور آفاقی تعلیمات میں پوشیدہ ہے جو حدیث شریف کی شکل میں موجود ہیں، لہٰذا سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت مغربی اہل علم وقلم نے مسلمانوں کے دینی، روحانی اور اخلاقی سرچشموں کو کمزور کرنے اور ان پر ان کے بے مثال اعتماد اور ایمان کو متزلزل اور ان کے ذہنوں اور دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے اسلامی مآخذ میں تبدیلی وعیب پیدا کرنا شروع کر دیا، انہوں نے پہلے قدیم اسلامی مآخذ کو تلاش کر کے شائع کیا اور پھر مغربی سامراجی مفادات کی خاطر اسلامی موضوعات پر کتابیں شائع کیں، ان کتابوں میں مستشرقین نے اسلام کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں اور شکوک وشبہات پیدا کیے، قرآن وحدیث اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر اپنی افتراپردازی، طعن وتشنیع اور تنقید کا نشانہ بنایا، ان کے مستشرقین نے اپنی زہر آلود تحریروں کے ذریعہ عالم اسلام کے حکمران طبقہ کے دماغوں میں اسلام کے شاندار اور روشن ماضی کی طرف سے بدگمانی، اس کے حال کی طرف سے بیزاری، اس کے مستقبل کی طرف سے مایوسی، اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی مآخذ Sources کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر دیے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ مغربی مستشرقین کے فکر وفلسفہ کے اثرات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''مستشرقین کا تاثر صرف ان کی ذات تک محدود نہیں، اگر تنہا یہ پہلو ہوتا تو وہ ہماری توجہ کا مرکز اور ہماری اس بحث کا موضوع نہ ہوتا، مسئلہ کا سنگین اور دوررس پہلو یہ ہے کہ وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو معقول وغیر معقول طریقہ پر ان کمزوریوں کی نشان دہی اور ان کو نہایت مہیب شکل میں پیش کرنے میں صرف کرتے ہیں، وہ خوردبین سے دیکھتے ہیں اور اپنے قارئین کو دوربین سے دکھاتے ہیں، رائی کا پربت بنانا ان کا ادنیٰ کام ہے، وہ اپنے اس کام میں (یعنی اسلام کی تاریک تصویر پیش کرنے میں) اس سبک دستی، ہنرمندی اور صبر وسکون سے کام لیتے ہیں، جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، وہ پہلے ایک مقصد تجویز کرتے ہیں، اور ایک بات طے کر لیتے ہیں کہ اس

کو ثابت کرنا ہے، پھر اس مقصد کے لیے ہر طرح کے رطب و یابس، مذہب و تاریخ، ادب، افسانہ، شاعری، مستند و غیر مستند ذخیرہ سے مواد فراہم کرتے ہیں، اور جس سے ذرا بھی ان کی مطلب برآری ہوتی ہو (خواہ وہ صحت و استناد کے اعتبار سے کتنا ہی مجروح و مشکوک اور بے قیمت ہو) اس کو بڑے آب و تاب سے پیش کرتے ہیں، اور اس متفرق مواد سے ایک نظریہ کا پورا ڈھانچہ تیار کر لیتے ہیں، جس کا اجتماعی وجود صرف ان کے ذہن میں ہوتا ہے، وہ اکثر ایک برائی بیان کرتے ہیں اور اس کو دماغوں میں بٹھانے کے لیے بڑی فیاضی کے ساتھ اپنے ممدوح کی دس خوبیاں بیان کرتے ہیں، تاکہ پڑھنے والے کا ذہن ان کے انصاف، وسعتِ قلب اور بے تعصبی سے مرعوب ہو کر اس ایک برائی کو (جو تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے) قبول کر لے، وہ کسی شخصیت یا دعوت کے ماحول، تاریخی پس منظر، قدرتی و طبعی عوامل و محرکات کا نقشہ ایسی خوبصورتی اور عالمانہ انداز سے کھینچتے ہیں (خواہ وہ محض خیالی ہو) کہ ذہن اس کو قبول کرتا چلا جاتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں وہ اس شخصیت و دعوت کو اس ماحول کا قدرتی ردعمل یا اس کا فطری نتیجہ سمجھنے لگتا ہے، اور اس کی عظمت و تقدیس اور کسی غیر انسانی سرچشمہ سے اس کے اتصال و تعلق کا منکر بن جاتا ہے، اکثر مستشرقین اپنی تحریروں میں "زہر" کی ایک مناسب مقدار رکھتے ہیں، اور اسکا اہتمام کرتے ہیں کہ وہ تناسب سے بڑھنے نہ پائے اور پڑھنے والے کو متنفر اور بدگمان نہ کر دے، ان کی تحریریں زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہیں، اور ایک متوسط آدمی کا ان کی زد سے بچ کر نکل جانا مشکل ہے۔

قرآن، سیرت نبوی، فقہ و کلام، صحابہ کرام، تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین و فقہاء، مشائخ و صوفیہ، رواۃ حدیث، فن جرح و تعدیل، اسماء الرجال، حدیث کی حجیت، تدوین حدیث، فقہ اسلامی کے مآخذ، فقہ اسلامی کا ارتقا، ان میں سے ہر موضوع کے متعلق مستشرقین کی کتابوں اور تحقیقات

میں اتنا تشکیکی مواد پایا جاتا ہے جو ایک ایسے ذہین وحساس آدمی کو جو اس موضوع پر وسیع اور گہری نظر نہ رکھتا ہو، پورے اسلام سے منحرف کر دینے کے لیے کافی ہے۔

ان مستشرقین نے ایک طرف اسلام کے دینی افکار واقدار کی تحقیر کا کام کیا اور مسیحی مغرب کے افکار واقدار کی عظمت ثابت کی اور اسلامی تعلیمات واصول کی ایسی تشریح پیش کی کہ اس سے اسلامی اقدار کی کمزوری ثابت ہو اور ایک تعلیم یافتہ مسلمان کا رابطہ اسلام سے کمزور پڑ جائے اور وہ اسلام کے بارے میں متشکک ہو جائے، کم از کم یہ سمجھنے پر مجبور ہو کہ اسلام موجودہ زندگی کے مزاج کے ساتھ ساز نہیں کرتا اور اس زمانہ کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرنے سے عاجز ہے، ایک طرف انھوں نے بدلتی ہوئی زندگی اور تغیر پذیر اور ترقی یافتہ زمانہ کا نام لے کر خدا کے آخری اور ابدی دین اور قانون پر عمل کرنے کو روایت پرستی، رجعت پسندی اور قدامت ودقیانوسیت کا مرادف قرار دیا، دوسری طرف اس کے بالکل برعکس انہوں نے ان قدیم ترین تہذیبوں اور زبانوں کے احیاء کی دعوت دی جو اپنی زندگی کی صلاحیت اور ہر طرح کی افادیت کھو کر ماضی کے ملبہ کے نیچے سیکڑوں ہزاروں برس سے مدفون ہیں، اور جن کے احیاء کا مقصد مسلم معاشرہ میں انتشار پیدا کرنے، اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے، اسلامی تہذیب اور عربی زبان کو نقصان پہونچانے اور جاہلیت قدیمہ کو زندہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا، چنانچہ انہی کی تحریوں کے اثر اور انہی کے شاگردان رشید کے ذریعہ مصر میں "فرعونی" عراق میں "آشوری" شمالی افریقہ میں "بربری"، فلسطین ولبنان کے ساحل پر "فنیقی" تہذیب وزبان کے احیاء کی تحریکیں شروع ہوئیں، اور ان کے مستقل داعی پیدا ہو گئے، انہی مستشرقین اور ان کے شاگردوں نے شدومد کے ساتھ یہ کہنا

شروع کیا کہ قرآنی عربی زبان ''فصحیٰ'' اس زمانہ کی ضرورت کو پورا نہیں کرسکتی، اس کے بجائے عامی (Colloquail) اور مقامی زبانوں کو رواج دینا چاہئے اوانہی کو اخبارات اور کتابوں کی زبان بنانا چاہئے، یہ بات انہوں نے اتنی خوبصورتی سے اور اتنے بار کہی کہ مصر میں اچھے پڑھے لکھے اور صاحب قلم لوگوں نے اس تحریک کی حمایت شروع کردی، جس کا نتیجہ اس کے سوااور کچھ نہیں ہوسکتا تھا کہ ہر ملک اور ہر صوبہ کی الگ الگ زبان ہوجائے قرآن مجید اور اسلامی ادب سے عرب قوموں کا رشتہ کٹ جائے اور وہ ان کے لیے ایک اجنبی زبان بن جائے، عربی زبان اپنی بین الاقوامی حیثیت ختم کردے اور عرب اس پورے دینی سرمایہ اور روح سے محروم ہوکر الحاد وارتداد اور اختلاف وانتشار کے نذر ہو جائیں۔

اسی طرح انہوں نے عربی رسم الخط کے بجائے لاطینی رسم الخط (Roman Character) کے اختیار کرنے کی دعوت دی اور ان کے تلامذہ نے وقتاً فوقتاً اس کی ضرورت ثابت کی، اور اس کے فوائد وفضائل بڑی بلند آہنگی سے بیان کیے، اس کا نتیجہ بھی اس کے سوااور کچھ نہیں ہوسکتا کہ پوری عرب قوم صحیح طور پر قرآن مجید پڑھنے سے محروم ونا آشنا ہوجائے اور وہ پورا علمی ذخیرہ (جو اپنی وسعت اور علمی قیمت میں بے نظیر ہے) بے معنی اور بیکار ہو کر رہ جائے۔

ان تجاویز اور مشوروں سے مستشرقین کے حقیقی مقاصد وخیالات، ان کی دور بینی اور ان کی اسلام دشمنی کا پورا اندازہ ہوسکتا ہے، ان میں سے اکثر کی تصنیفات اسلام کی بنیادوں پر تیشہ چلاتی ہیں، اسلامیات کے سرچشموں (بشمول حدیث وفقہ) کو مشکوک قرار دیتی ہیں، مسلم معاشرہ میں سخت ذہنی انتشار اور تشکک وارتیاب پیدا کرتی ہیں، اسلام کے حاملین وشارحین (محدثین وفقہاء) کی علمیت وذہانت کی طرف سے متشکک بناتی

ہیں، فاحش علمی غلطیوں، مضحکہ خیز غلط فہمیوں، زبان وقواعد سے ناواقفیت اور بعض اوقات کھلی تحریفات کی ان میں بکثرت مثالیں ملتی ہیں، لیکن ان کی اکثر و بیشتر تصنیفات مغربی ومشرقی دنیا میں مقبول ہیں، نیا تعلیم یافتہ طبقہ اس کی حسن ترتیب، طرز استدلال، نتائج کے استنباط اور پیش کرنے کے علمی (سائنٹفک) طریقہ سے مرعوب ومسحور ہے"۔(۱۷)

"زویمر" رسالہ "العالم الاسلامی" The Muslim World (۱۹۱۱ء) جو مستشرقین کا ترجمان ہے، کے پہلے شمارہ میں رسالہ کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"اس میگزین کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا، اسلامی عقائد ومسلمات کی غلط شبیہ پیش کرنا، مسلمانوں کی نئی نسل کو ان کے دین سے متنفر وبیزار کرنا، قرآن وحدیث پر مسلمانوں کے اعتماد کو کمزور کرنا اور عیسائیت کی دعوت دینا ہے"۔

اس رسالہ کے بنیادی موضوعات اسلام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، مسلمانوں کے حالات، قرآن وحدیث، عیسائی مشنری سرگرمیاں، کتاب مقدس (انجیل) اور مسلم خواتین تھے۔ ان موضوعات پر غلط اور گمراہ کن مواد شائع کر کے اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے ذہنوں میں نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی، اس کے مشہور لکھنے والوں میں کارڈنر، میکڈونلڈ، آرتھر جیفری، مارگولیوتھ اور رچرڈ بیل جیسے خطرناک مستشرقین شامل تھے۔

انصاف پسند مستشرقین اور ان کی تصنیفات

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مستشرقین علوم مشرقیہ اور اسلامیات کو اپنے ذوق علمی کے ماتحت بھی اختیار کرتے ہیں اور اس کے لیے دیدہ ریزی، دماغ سوزی اور جفاکشی سے کام لیتے ہیں، جس کی داد نہ دینا ایک اخلاقی کوتاہی اور علمی ناانصافی ہے، ان کی کوششوں سے بہت سے مشرقی واسلامی علمی جواہرات ونوادر پردۂ خفا سے نکل کر منظر عام پر آئے، متعدد اعلیٰ اسلامی مآخذ اور تاریخی دستاویزات ان کی جستجو وتلاش، محنت وہمت اور بحث وتحقیق سے

پہلی مرتبہ شائع ہوئیں اور مشرق کے اہل علم ان سے روشناس ہوئے، مستشرقین میں بعض متعصب اور اسلام دشمن ہیں اور بعض انصاف پسند، جو درج ذیل ہیں:

ا۔ ہارڈرین رونالڈ (م ۱۷۱۸ء) Hardrian Ronald: ہالینڈ کی اوٹرشت یونیورسٹی میں السنۂ مشرقیہ کے استاد رہے، ۱۷۰۵ء میں ''دین محمدی'' کے نام سے لاطینی زبان میں دو جلدوں پر مشتمل کتاب لکھی، لیکن کلیسا نے یورپ میں اس کتاب پر پابندی لگا دی۔

۲۔ یویان رسک (۱۷۱۶ء-۱۷۷۴ء) J. Reiske: پہلا جرمن مستشرق ہے، اسلام کے تعلق سے مثبت رویہ اپنانے کی وجہ سے اسے زندیق کہا گیا، رسک ہی نے جرمنی میں عربی زبان کی تعلیم کی داغ بیل ڈالی اور اس کی کوششوں سے اسلامیات کا مطالعہ شروع ہوا۔

۳۔ سلوسٹر دی ساس (۱۸۳۸ء) Silvestre de Sacy: اس نے مطالعات اسلامی کے بجائے ادب اور نحو پر توجہ کی، اس نے پیرس میں عربک ریسرچ سینٹر قائم کیا، مصری فاضل رفاعہ طہطاوی نے سلوسٹر سے کسب فیض کیا۔

۴۔ ٹامس آرنلڈ: (۱۸۶۴ء-۱۹۳۰ء) T.W. Arnold: انگریز ہیں، ان کی مشہور تصنیف ''دعوت اسلام'' "The Preaching of Islam" ہے جو اردو، عربی اور ترکی تین زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔

۵۔ گوستاؤ لیبان Gustave Lebon: مادی، فلسفی مستشرق ہیں، کسی مذہب کو نہیں مانتے، موصوف نے اپنی بیشتر تحقیقات میں اسلامی تمدن وتہذیب کو سراہا ہے، اسی وجہ سے اہل مغرب ان کی تصنیفات سے بے پروائی برتتے ہیں۔

۶۔ جرمن مستشرقہ سیگریڈ ہونکہ Dr. Sigrid Hunke: انصاف پسند خاتون ہیں، اپنی مشہور کتاب ''مغرب پر اسلام کا سورج طلوع ہو رہا ہے'' میں مغربی تہذیب وتمدن پر عربی اسلامی تہذیب وتمدن کے گہرے اثرات ونقوش کا اعتراف کیا ہے۔

۷۔ اسٹین لی لین پول Stanly Lane Poole: انگریزی مورخ ہے، ان کی مشہور ترین کتابیں دو ہیں (۱) صلاح الدین ایوبی Saladin (۲) عرب اندلس میں Moors in Spain۔

۸۔ ڈاکٹر الائس اسپرنگر Dr. Aloys Sprenger: انہوں نے ابن حجر عسقلانی کی ''الاصابہ'' پر انگریزی میں بیش قیمت مقدمہ تحریر کیا ہے۔

۹۔ ایڈورڈ ولیم Edward William: انہوں نے Arabic English Lexieon نامی عظیم لغت مرتب کی ہے، اس معجم میں مصنف نے عربی مواد و معلومات کی انگریزی زبان میں شرح کی ہے، یہ معجم نو جلدوں پر مشتمل ہے، عربی زبان و لغت کے علماء اس پر اعتماد کرتے ہیں۔

منصف و معتدل مستشرقین میں جاک بیرک، انا ماری شمل، ٹوماس کارلائل، رینیہ جینو، ڈاکٹر گرینیہ، گوئٹے (۱۷۴۹ء-۱۸۳۲ء) Goethe، آٹین دینیہ، ''لامرٹائن'' ''ڈیورانٹ'' ''جاک ریسلر'' ہوبرٹ جارج ولیس'' اور ''ہنری'' ہیں۔

خطرناک اور متعصب مستشرقین

۱۔ گولڈزیہر Goldizher (۱۸۵۰ء-۱۹۲۰ء) ہنگری کا یہودی ہے، علمی بددیانتی، بغض و تعصب اور عداوت و خطرناکی میں مشہور ہے، بلا اختلاف یورپ میں اسلامیات کا لیڈر سمجھا جاتا ہے، قرآن کریم اور حدیث نبوی کو خاص موضوع بنایا ہے، اس کی مشہور کتابوں میں "تاریخ مذاهب التفسير الإسلامی "(اسلامی تفسیر کے مذاہب کی تاریخ) ہے۔

۲۔ جان مائی نارڈ J.Maynard: متعصب امریکی ہے، اسلام دشمن رسالہ ''الدراسات الاسلامیہ'' (اسلامی مطالعات) کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں رہا، اسلام کے خلاف زہرافشانی خوب کی ہے۔

۳۔ ایس ایم زویمر S.M. Zweimer: مشہور مشنری مستشرق ہے، امریکی مجلہ ''عالم اسلام'' کا مؤسس ہے، اور ''اسلام اور عقیدہ'' کا مؤلف ہے، یہ کتاب ۱۹۰۸ء میں منظر عام پر آئی، اس کی دوسری کتاب ''اسلام'' ہے، اصلاً یہ کتاب ان مقالات کا مجموعہ ہے جو ۱۹۰۷ء میں لکھنؤ میں منعقد ہونے والی مشنری کانفرنس میں پیش کیے گئے تھے۔

۴۔ جی وون گرونباوم G. Von Grunbaum، جرمن، یہودی ہے، پھر امریکہ کو اپنا مستقر بنایا، اور امریکی یونیورسٹیوں میں تدریسی خدمت انجام دی، سخت اسلام دشمن ہے، اس کی کتابوں میں اسلامی قدروں پر اعتراضات کی بھرمار ہے، اس کی مشہور کتابوں میں ''محمدی تہوار'' سال اشاعت ۱۹۵۱ء، اور "دراسات فی تاریخ الثقافۃ الإسلامیۃ" سال اشاعت ۱۹۵۹ء ہیں، اس کے علاوہ "إسلام العصور الوسطی" (۱۹۴۶ء) "محاولات فی شرح الإسلام المعاصر" (۱۹۴۷ء)، ''الإسلام، (مجموعہ مقالات) اور "الوحدۃ والتنوع فی الحضارۃ الاسلامیۃ" سال اشاعت ۱۹۵۷ء ہیں، یہ ساری کتابیں انگریزی سے عربی میں منتقل ہوئی ہیں۔

۵۔ ہینری لامنس یسوعی H. Lammans (۱۸۷۲ء-۱۹۳۷ء) فرانسیسی ہے، اسلام دشمنی، تعصب اور عداوت میں مشہور ہے، اسلامی انسائیکلو پیڈیا کے محررین میں سے ہے، اس کی دو کتابیں ''اسلام'' اور ''طائف'' مشہور ہیں۔

۶۔ جوزف شاخت J. Sehacht: متعصب اور جرمنی کا رہنے والا ہے، اس کی مشہور کتاب ''فقہ اسلامی کے اصول'' ہے

۷۔ بلاشیر: فرانس کی وزارت خارجہ میں عرب اور مسلمانوں کے امور کے ماہر کی حیثیت سے کام کیا۔

۸۔ اے جے وینسینک A. J. Wensiak: اسلام کا سخت ترین دشمن ہے، مصر کی لسانی اکیڈمی کا رکن رہا، قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت زہر افشانی کی ہے، اس کی مشہور کتاب ''عقیدۂ اسلام'' ہے جو ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی ہے اس کی دوسری کتاب ''مستشرقین اور اسلام'' ہے، اسی نے "المعجم المفهرس العام التفصيلي لالفاظ الحديث الشريف" بھی مرتب کی ہے۔

۹۔ کینٹ کراج K.Gragg: نسلاً امریکی ہے، اسلام سے سخت عداوت وبغض ہے، قاہرہ یونیورسٹی میں تدریسی خدمت انجام دی، مجلّہ "العالم الاسلامی" کا ایڈیٹر رہا،

ایک مشنری ادارہ "اللاهوت المسيحی" کا صدر رہا، اس کی ایک کتاب "دعوة المئذنة" ہے جو ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔

۹۔لوئی ماسینیون L. Massignon: فرانسیسی مستشرق ہے، شمالی افریقہ میں فرانس کی وزارت نوآبادیات کا مشیر رہا، مصر میں مشنری سرگرمیوں کا روح رواں ہے، مصر کی لینگویج اکیڈمی اور دمشق کی المجمع العلمی کا ممبر رہا، فلسفہ اور علم تصوف میں اختصاص پیدا کیا، اس کی معروف کتابوں میں "الحلاج الصوفی الشهيد فی الاسلام" ہے جو ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی، "دائرة المعارف الاسلامية" کے قلم کاروں میں سے ہے، اور اس کی ترتیب وتدوین میں اس کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔

۱۰۔ڈی بی میکڈونلڈ D.B. Macdonald: متعصب امریکی ہے، اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن ہے، عیسائیت کا پرجوش مبلغ وداعی ہے، دائرة المعارف الاسلامية کے محررین میں سے ہے، اس کی مشہور کتابوں میں "تطور علم الكلام والفقه والنظرية الدستورية فی الإسلام" ہے جو ۱۹۳۰ء میں طبع ہوئی، اس کی دوسری مشہور کتاب "الموقف الديني والحياة في الإسلام" ہے، یہ کتاب ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی۔

۱۱۔ڈی ایس مارگولیوتھ D. S. Margoliouth: (۱۹۴۰) متعصب انگریز مستشرق ہے، ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور ڈاکٹر احمد امین اس کے مکتبہ فکر سے متعلق ہیں، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مرتبین میں سے ہے، مصر و دمشق کی اکیڈمیوں کا ممبر رہا، اس کی مشہور کتابیں "التطورات المبكرة فی الإسلام" سن اشاعت ۱۹۱۳ء، "محمد ومصطلح الاسلام" سن اشاعت ۱۹۰۵ اور "الجامعة الإسلامية" سن اشاعت ۱۹۰۸ء ہیں۔

۱۲۔مائلز گرین M. Green: رسالہ "الشرق الاوسط" کا مدیر التحریر رہا۔

۱۳۔اے جے آربری A. J. Arbery: سخت اسلام دشمن، متعصب انگریز مستشرق ہے، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مرتبین میں سے ہے، کیمبرج یونیورسٹی میں پروفیسر رہا، اس کی کتابوں میں "اسلام آج" اور "تصوف" مشہور ہیں، پہلی کتاب ۱۹۴۳ء میں شائع

ہوئی، دوسری ۱۹۵۰ء میں طبع ہوئی۔

۱۴۔ ایچ آر گب H. A. R. Gibb: (۱۸۹۵ء-۱۹۶۵ء) اسلام کا کٹر دشمن اور متعصب مستشرق ہے، امریکہ میں اسلامیات کا پروفیسر رہا، اس کی مشہور کتابوں میں ''مذہب محمدی'' اور ''اسلام میں جدید رجحانات'' ہیں دونوں کتابیں ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئیں۔

۱۵۔ بارون کیراڈی ووکس Baron Carradevoux: متعصب فرانسیسی مستشرق ہے، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مرتبین میں اسکا نام اہم رول ادا کرنے والوں کی فہرست میں ہے۔

۱۶۔ نکسن R. A. Nickolson: انگریز مستشرق ہے، اسلام کے روحانی مذہب ونظام ہونے کا منکر ہے، اس نے اسلام کو سطحی اور پست اور مادی مذہب قرار دیا ہے، اس کی دو مشہور کتابیں ہیں (۱) ''متصوفو الاسلام'' مطبوعہ ۱۹۱۰ء (۲) "التاریخ الأدبی للعرب" جو ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔

۱۷۔ الفرڈ گیوم A. Geom: انگریز متعصب اسلام دشمن مستشرق ہے، انگلینڈ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں لکچرر رہا، اسکی تحریروں اور محاضرات میں مشنری روح غالب ہے، اس کی مشہور کتاب ''اسلام'' ہے۔

۱۸۔ عزیز عطیہ سوریال: مصری عیسائی مستشرق ہے، اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے بہت حاسد ومتعصب واقع ہوا ہے، اور اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے میں بڑا حصہ لیا۔

۱۹۔ فلپ ہٹی P.H.Hitee: لبنانی عیسائی مستشرق ہے، اس نے اسلام اور مسلمانوں کے فضل وعلم کو ناقص قرار دیا ہے اور اسلامی تہذیب وتمدن کو یونانی ومغربی تہذیب سے ماخوذ مانتا ہے، اسکی تحریروں میں اسلام پر طعنہ زنی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تمسخر کی بھر مار ہے، اس کی مشہور کتاب "تاریخ العرب المطول" ہے۔

مستشرقین کی علمی خدمات

مستشرقین نے اسلامی علوم وفنون کی خدمت کی اور بحث وتحقیق کے بعد ان کو شائع

کیا، طب اور تاریخ کے موضوعات پر مسلم علماء کی تصانیف کی دریافت اور ان کی اشاعت کا بھی کام کیا اور دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کا ترجمہ کیا، علامہ شبلی نعمانیؒ (م ۱۹۱۴ء) نے مستشرقین کی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوا لکھا ہے:

''ہم نہایت فیاض دلی سے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یورپ کو آج کل ہمارے علوم وفنون سے جو اعتنا ہے اور جس طرح وہ ہمارے قدیم خزانوں کے بیش بہا نوادر ڈھونڈ کر پیدا کر رہا ہے، ہم خود نہیں کرتے بلکہ نہیں کر سکتے، مسلمانوں کو بھی معلوم نہیں کہ آج تک یورپ نے عربی کی کون کون سی نایاب کتابیں اہتمام کے ساتھ شائع کی ہیں۔''

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''یورپ نے ہماری یادگاروں کو زندہ کرنے میں اور جو کام کیے ہیں، وہ کیا کم ہیں، انہی کی بدولت فن حرب کی وہ کتاب شائع ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے اس فن کے علمی اصول مرتب کیے تھے، اور ان کا فن جنگ موجودہ فن کا مکمل خاکہ تھا، یورپ کی بدولت زہراوی کی کتاب فن تشریح کے متعلق چھپ کر شائع ہوئی جس میں کئی سو آلات تشریح (سرجری) کی تصویریں اور ان کے استعمال کے طریقے درج کیے ہیں، پیٹ میں مرے ہوئے بچے کے نکالنے کے بیسوں آلات کے نقشے دے کر ان کے استعمال کے طریقے بتائے ہیں، یورپ ہی کی بدولت تاریخ طبری، طبقات ابن سعد، اور تاریخ الحکماء وغیرہ کا پتہ لگا جو گویا دنیا سے ناپید ہو گئی تھیں۔ (مقالات شبلی، جلد:۴، ص:۶۷)

مستشرقین کی کوشش اور بحث وتحقیق سے شائع ہونے والی کتابیں

(۱) تاریخ أبی الفداء: اسے مستشرق رسک نے مع ترجمہ لاطینی وحواشی پانچ

جلدوں میں شائع کیا۔(۲)۱۸۰۹ء میں کیپٹن اے متھوس نے کلکتہ سے ''مشکوٰۃ المصابیح'' کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔(۳)۱۸۵۶ء میں وان کریمر نے کلکتہ سے محمد بن عمر واقدی کی ''کتاب المغازی'' شائع کی۔(۴)ابن ہشام کی سیرت رسول شائع کی۔(۵)اسی مستشرق نے سمہودی کی کتاب ''تاریخ المدینۃ'' اور ابن قتیبہ کی کتاب تاریخ المعارف شائع کی۔(۶)۱۸۶۴ء میں ڈاکٹر ویل نے سیرت ابن ہشام کا جرمن ترجمہ شائع کیا۔(۷)۱۸۷۷ء میں پروفیسر ڈی مانیارڈ نے مسعودی کی تاریخ ''مروج الذھب'' مع ترجمہ فرانسیسی طبع کرائی۔(۸)۱۸۸۲ء میں والھوسن نے واقدی کا جرمن ترجمہ بعنوان ''محمد بہ مدینہ'' برلن سے شائع کیا۔(۹)۱۸۸۳ء میں لیڈن سے ہاؤتسما کے اہتمام سے یعقوبی کی تاریخ دو جلدوں میں شائع ہوئی۔(۱۰)۱۸۸۹ء سے ۱۸۹۲ء تک بارتھ اور نولدیکی کی چودہ سال کی محنت سے ''تاریخ الطبری'' شائع ہوئی۔(۱۱)مشہور جرمن مستشرق پروفیسر سخاو اور دیگر مستشرقین کے تعاون سے ابن سعد کی الطبقات لیڈن سے شائع ہوئی۔(۱۲)علامہ سیوطی کی کتاب ''الإتقان فی علوم القرآن''۔(۱۳)علامہ زمخشری کی ''الکشاف''۔(۱۴)امام سیبویہ کی الکتاب۔(۱۵)ابن درید کی کتاب الاشتقاق۔(۱۶)سمعانی کی الأنساب۔(۱۷)یاقوت حموی کی معجم الأدباء۔(۱۸)شہرستانی کی الملل والنحل۔(۱۹)حافظ نسفی کی عمدۃ عقیدۃ أھل السنۃ والجماعۃ۔(۲۰)ازدی کی فتوح الشام۔(۲۱)واقدی کی فتوح الشام۔(۲۲)مبرد کی الکامل۔(۲۳)ابن درید کی الجمھرۃ۔(۲۴)ابن حجر عسقلانی کی الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ۔(۲۵)امام غزالی کی فضائح الباطنیۃ۔(۲۶)ابن الندیم کی الفھرست۔(۲۷)حاجی خلیفہ کی کشف الظنون۔(۲۸)جرجانی کی التعریفات۔(۲۹)امام ذھبی کی طبقات الحفاظ۔(۳۰)ابن خلکان کی وفیات الأعیان۔(۳۱)امام نووی کی تھذیب الأسماء۔(۳۲)صحیح بخاری۔(۳۳)ابن جنی کی المقتضب۔(۳۴)امام اشعری کی مقالات الإسلامیین۔(۳۵)صفدی کی الوافی للوفیات۔(۳۶)ابن ابی اصیبعۃ کی عیون الأنباء فی طبقات الأطباء۔(۳۷)

اصفہانی کی الأغانی۔ (۳۸) امام سیوطی کی الاوائل۔ (۳۹) ابن قتیبہ کی عیون الأخبار۔ (۴۰) ابوحنیفہ کی الفقہ الأکبر۔ (۱۸)

اس کے علاوہ مستشرقین نے زبان وادب، تاریخ، سیرت وسوانح، فلسفہ وعلم کلام، طب، فلکیات اور دیگر موضوعات پر مسلم علماء کی سیکڑوں کتابوں کے دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمے کیے اوران کوشائع کیا۔ ان علمی کوششوں کا اصل محرک وہ بغض وعناد تھا جو وہ اسلام کے خلاف رکھتے تھے، خدمت علم کی حیثیت بالکل ثانوی ہے، ان کتابوں کے مقدمات، حواشی اور تعلیقات میں مستشرقین نے طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا کیں، قرآن اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر اپنی افتراپردازی اور جارحانہ تنقید کا نشانہ بنایا، ان میں قومی اور مذہبی تعصب کی بھی کارفرمائی ملتی ہے۔ سخاو، نولدیکی، مارگولیتھ، ڈاکٹر اسپرنگر، سرولیم میور اور مونٹگمری واٹ نے اسلامیات اور سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتابیں لکھی ہیں ان میں مذہبی تعصب، دروغ گوئی، افسانہ طرازی، دجل وفریب، تحریف وتضلیل اور اسلام دشمنی جابجا نظر آتی ہے، اور اسلام کے خلاف ان کا جذبۂ عناد نقطۂ عروج پر ہے۔

یہودی مستشرقین

ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ استشراق پر یہودی چھاپ غالب ہے، یہودی مستشرقین اسلام مخالف نظریات وافکار کو رواج دیتے ہیں، اسلامی تہذیب وتمدن کی صاف وشفاف صورت کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں، یہودی مستشرقین غیر یہودی مستشرقین سے زیادہ خطرناک ہیں، موجودہ عہد میں یہودی استشراق نے قدیم روایتی استشراق کی جگہ لے لی ہے اور علمی تحقیقات کے بجائے اسٹراٹیجک تحقیقات پر زیادہ توجہ دیتے ہیں، تاکہ صہیونی حکومت کے قیام کے لیے راہ ہموار کی جاسکے، یہودیوں کے استشراق کے میدان میں داخل ہونے کے قدیم نسلی محرکات ہیں، کیونکہ یہودی قدس اور خلیل کے راستہ سے خیبر اور مدینہ منورہ تک حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں، ۱۹۶۷ء میں قدس کے سقوط کے وقت یہودی وزیر دفاع موشے دایان نے یہودی حاخام شلوموگورین کے ساتھ دیوار گریہ کے پاس کھڑے

ہو کر کہا تھا کہ ''آج یثرب (مدینہ منورہ) اور بابل تک پہونچنے کا راستہ کھل گیا ہے''، سابق وزیر اعظم گولڈا مائر نے کہا تھا کہ ''خیبر میں مجھے اپنے آباواجداد کے آثار نظر آرہے ہیں''، فلسطین میں ایک مسلم خاتون کے مکان کو بلڈوزر سے گرانے کے بعد جب وہ سعودی عرب جانے لگی تو ایک ذمہ دار یہودی ''ہرتزوگ'' نے اس سے کہا: فیصل سے کہنا ہم آرہے ہیں، کیونکہ فیصل کے پاس ہماری جائدادیں ہیں، ہمارے جداکبر ابراہیم نے کعبہ بنایا تھا، یہ ہماری ملکیت ہے، ہم ضرور بالضرور اس کو واپس لیں گے۔'' (۱۹)

چنانچہ یہودیوں نے اپنے ان مقاصد کے حصول کے مختلف راستے اور وسائل اختیار کیے، ان میں ایک ذریعہ استشراق بھی ہے، یہودی یونیورسٹیوں میں عربی زبان اور اسلامیات کے شعبے قائم کیے گئے اور اس کے نام پر بڑی بڑی رقمیں مختص کی گئیں، شروع میں یہودی مستشرقین نے یہودی اسٹیٹ کو چھپائے رکھا اور صرف علمی تحقیق کے نام پر کام کیا، عبرانی زبان وعبرانی سرمایہ کا مطالعہ کیا، یہودیت کی بالادستی وبرتری ثابت کی، جس طرح مسیحی مستشرقین نے عیسائیت کی تبلیغ کی اور اسلام پر اس کی برتری ثابت کی، ڈاکٹر محمد بہی نے اپنی کتاب ''الفکر الإسلامی الحدیث'' میں لکھا ہے کہ یہودی استشراق کے دینی وسیاسی اسباب ومحرکات ہیں، دینی محرک اسلام کو کمزور کرنے، اسلامی قدروں میں شک پیدا کرنے اور یہودیت کی برتری ثابت کرنے کی کوششوں میں نظر آتا ہے، یہودیوں کا دعوی ہے کہ یہودیت اسلام کا مصدر اول ہے، اور سیاسی اسباب میں صہیونی حکومت کا قیام ہے، جس کے لیے تسخیر عالم کی کوششیں اور سازشیں جاری ہیں، یہودی استشراق کے وسائل وذرائع میں سب سے اہم اور موثر ذریعہ میڈیا اور ذرائع ابلاغ پر کنٹرول ہے، معاصر یہودی مستشرقین میں برنارڈ لوئس، ایمانویل سیوان، دانیال پائپس، مکسیم ردونسون کلود کاہین اور نداف سفران ہیں۔

علمی حلقوں اور مشرقی یونیورسٹیوں میں مستشرقین کی کتابوں پر اعتماد

مستشرقین کی تالیفات وتصنیفات میں بعض اہم کتابیں بھی ہیں جن کو علمی حلقوں میں مقبولیت ملی اور لوگوں نے انہیں قابل اعتماد ماخذ سمجھا، ان میں مشہور درج ذیل کتابیں ہیں۔

(۱) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام: دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے، متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، اس کی ترتیب اور نشر واشاعت میں مستشرقین کی ایک پوری ٹیم نے حصہ لیا ہے۔

(۲) Short Encyclopadia of Islam

(۳) Encyclopadia of Religion and Ethic

(۴) Encyclopadia of Soicial Sinces.

(۵) عربی ادبیات کی تاریخ، A Literary History of Arabs از: اے نکلسن۔

(۶) تاریخ عرب، از فلپ ہٹی Histor yof Arabs

(۷) عربی ادبیات کی تاریخ، از کارل بروکلمین The Histor yof Arabs Literature

(۸) گولڈزیہر کی کتاب "اسلامی عقیدہ وشریعت کا تعارف" Introduction toIslamic Theology and Law اور "مطالعہ اسلامیات" Mohammad Nische Studien Halle

(۹) شاخت کی کتاب "فقہ اسلامی کے ابتدائی ماخذ"

(۱۰) اسمتھ کی کتاب "اسلام نئی دنیا میں" Islam in Modern History

(۱۱) مونٹگمری واٹ کی کتابیں "محمدؐ مکہ میں" Mohammad in Mecca "محمدؐ مدینہ میں" Mohammad in Medina "محمدؐ بحیثیت نبی اور سیاستداں" Mohammad Prophet and Statesman

(۱۲) حیات محمد، از آرنلڈ ٹائن بی A Tovnbe

(۱۳) شیعوں کا مذہب، از سر ولیم میور۔

مذکورہ بالا تمام کتابیں اپنے موضوع پر منفرد تصنیفات خیال کی جاتی ہیں، عالم اسلام کی یونیورسٹیوں کے عربی زبان وادب اور اسلامیات کے شعبوں میں ان کو اہم علمی ماخذ سمجھا جاتا ہے اور اسلامی حقائق ومعلومات کا سب سے بڑا ذریعہ اور سب سے قیمتی ذخیرہ سمجھا جاتا ہے اور بعض علمی حلقوں میں اس کو اسلام سے متعلق معلومات کا بنیادی ماخذ گردانا جاتا ہے، لیکن ان میں اسلام کے خلاف بڑی مقدار میں زہر بھی پایا جاتا ہے۔

استشراق کے محرکات ومقاصد

استشراق کے کئی محرکات واسباب ہیں، دینی، سیاسی، علمی، سامراجی، اقتصادی اور جغرافیائی۔

دینی محرک ومقصد

استشراق کے دینی مقاصد میں حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت اور قرآن مجید کے آسمانی ووحی الٰہی ہونے میں شک پیدا کرنا اور یہ باور کرانا کہ احادیث نبویہ براہ راست اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہیں، بلکہ ابتدائی تین صدیوں میں مسلمانوں کی طرف سے گڑھی ہوئی ہیں، فقہ اسلامی کی حیثیت وقیمت کم کرنا اور ذہنوں میں یہ بٹھانا کہ فقہ اسلامی رومن لا سے ماخوذ ہے، عربی زبان زمانہ کے ساتھ نہیں چل سکتی، اسلام کا منبع گذشتہ مذاہب خصوصاً یہودیت ومسیحیت ہے اور مسلمانوں کو نصرانی بنانا ہے، مستشرقین اپنے نظریات ودعاوی کو ثابت کرنے میں ضعیف اور موضوع روایات کا سہارا لیتے ہیں، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے لکھا ہے کہ استشراق کا بڑا مقصد مذہب عیسوی کی اشاعت وتبلیغ اور اسلام کی ایسی تصویر پیش کرنا ہے کہ مسیحیت کی برتری اور ترجیح خود بخود ثابت ہو اور نئے تعلیم یافتہ طبقہ اور نئی نسل کے لیے مسیحیت میں کشش پیدا ہو، چنانچہ استشراق ومسیحیت اکثر ساتھ ساتھ چلتے ہیں، مستشرقین کی بڑی تعداد اصلاً پادری ہے، ان میں سے ایک بڑی تعداد نسلاً ومذہباً یہودی ہے۔ (۲۰)

مستشرقین کے بنیادی مقاصد میں اسلام کے روشن وتابناک چہرہ کو مسخ کر کے پیش کرنا اور اسلام کی خوبیوں اور محاسن کو دنیا کی قوموں سے چھپانا، اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنا، اسلام سے بداعتمادی وبیزاری پیدا کرنا، جذبۂ جہاد کو ختم کرنا، اسلامی تعلیمات اور اسلامی سر چشموں (قرآن کریم، حدیث شریف، سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حیات صحابہؓ) میں شک پیدا کرنا اور ان سے تعلق ختم کرنا، دین اسلام سے وابستگی ختم کرنا، مسلم جماعتوں کے ما

بین مسلکی اختلافات وتنازعات پیدا کرنا، مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بٹھانا کہ ان کی پسماندگی وتنزلی کا سبب ان کی دینی تعلیمات کا جمود ہے اور دین اسلام میں تبدیلی وترمیم کے بغیر ترقی ناممکن ہے، یہ باور کرانا کہ دین کو بدلتے رہنا قانون زندگی ہے، فکری اور نظریاتی اختلافات پیدا کر کے امت مسلمہ کو متحارب گروپوں میں تقسیم کرنا، مغربی تہذیب وثقافت کو خوشنما بنا کو پیش کرنا اور اسلامی تہذیب کو اس کی بگڑی ہوئی شکل قرار دینا، تاریخی سرمایہ کے نام پر قومیت اور نسل پرستی کو زندہ کرنا اور فروغ دینا، جاہلیت کو خوبصورت بنا کر پیش کرنا، ان سیاسی لیڈروں، ادباء اور صحافیوں کی تشہیر کرنا جو اسلام اور اسلامی شریعت سے منحرف ہوں، باغی تحریکوں اور گمراہ کن نظریات کی اشاعت کرنا، عالم اسلام میں علاحدگی پسند عناصر اور منحرف وباطل رجحانات کو فروغ دینا اور ان کو ہر ممکن تعاون بہم پہونچانا شامل ہے۔

اقتصادی وتجارتی مقصد

عالم اسلام پر مغرب کے سامراجی حملہ سے پہلے مغرب کے بڑے بڑے تجارتی ادارے اور کمپنیاں اہل علم وقلم کو اسلامی ممالک کے متعلق معلومات بہم پہونچانے اور تحقیقی رپورٹیں تیار کرنے کے لیے وقیع رقمیں دیتی تھیں، تا کہ ان ممالک میں اپنی مصنوعات اور اشیاء برآمد کرسکیں اور مالی فوائد حاصل کریں۔ ۱۵۳۹ء میں مغربی فضلاء کی جماعت نے کیمبرج یونیورسٹی کے ذمہ داروں کو ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ یونیورسٹی میں اسلامی عربی ریسرچ کا شعبہ قائم کیا جائے، اس میمورنڈم میں مذکور ہے کہ اس سنٹر کا مقصد بادشاہ اور حکومت کے مفادات کی خدمت ہے اور یہ خدمت مشرقی ملکوں میں مغربی تجارت کو فروغ دے کر، کلیسا کے حدود کی توسیع کر کے اور جاہل اور علم سے ناواقف لوگوں میں مسیحیت کی اشاعت وتبلیغ کے ذریعہ انجام دی جائے گی۔ (۲۱)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی لکھتے ہیں کہ "استشراق کا ایک محرک اقتصادی بھی ہے، بہت سے فضلاء اس کو ایک کامیاب پیشہ کے طور پر اختیار کرتے

ہیں، بہت سے ناشرین اس بنا پر کہ ان کتابوں کی جو مشرقیات اور اسلامیات پر لکھی جاتی ہیں اور یورپ اور ایشیا میں بڑی منڈی ہے، اس کام کی ہمت افزائی اور سرپرستی کرتے ہیں، اور بڑی سرعت کے ساتھ یورپ اور امریکہ میں ان موضوعات پر کتابیں شائع ہوتی ہیں، جو بہت بڑی مالی منفعت اور کاروبار کی ترقی کا ذریعہ ہیں"۔ (۲۲)

چنانچہ سربراہان مملکت، مالی ادارے اور تجارتی کمپنیاں مستشرقین کا بھرپور تعاون کرتی ہیں اور حکومتیں ان کی پوری سرپرستی کرتی ہیں۔ (۲۳)

سیاسی محرک و مقصد

جب عربی و اسلامی ممالک مغربی سامراج کی بالادستی و اقتدار سے آزاد ہوئے تو اس وقت عالم اسلام اور مغربی ملکوں کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہوئے، مغربی سامراج کی پالیسی اور سامراجی نظریہ اس بات کا متقاضی تھا کہ اسلامی ملکوں میں قائم مغربی سفارت خانوں میں مشرقیات کا ایک ماہر و تجربہ کار شخص ضرور رہو، جو عربی زبان اچھی طرح جانتا ہو، یا وہاں رائج زبان سے بخوبی واقف ہو، تا کہ وہاں کے تعلیم یافتہ طبقہ، صحافیوں اور سیاستدانوں سے ربط رکھے، ان کے ذہن و مزاج اور ذہنی و فکری رجحانات سے واقفیت رکھے اور پھر سامراجی مقاصد کے مطابق ان کی ذہن سازی کرے، چنانچہ مستشرقین مغربی حکومتوں کو علمی کمک پہونچاتے ہیں اور اسلامی ملکوں پر سامراجی قبضہ و کنٹرول کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں، ان حالات ومحرکات، عقائد ورجحانات کا توڑ کرتے رہتے ہیں جو مغربی حکومتوں کے لیے پریشانی اور دردسر کا باعث بن سکتے ہیں، ایسی ذہنی اور علمی فضا پیدا کر دیتے ہیں جس میں مغربی حکومتوں کی مخالفت کا خیال ہی پیدا نہ ہونے پائے، اور مغرب کے نقش قدم پر چلنے کا ایسا جذبہ پیدا ہو جائے جو ان مغربی ملکوں کے وہاں سے ہٹ جانے کے بعد بھی ان کا ذہنی اور تہذیبی اقتدار قائم رہے، اسی وجہ سے مغربی حکومتوں نے مستشرقین کی اہمیت وافادیت کو پوری طرح محسوس کیا اور ان کے سربراہوں نے ان کی پوری سرپرستی کی، مختلف اسلامی و مشرقی ملکوں میں علمی تحقیقات کے نام پر جو علمی وفود بھیجے جاتے ہیں، ان کا مقصد علمی تحقیقات نہیں، بلکہ اس کے آڑ

میں سامراجی مقاصد ومفادات کوتحفظ فراہم کرنا ہوتا ہے، اس طرح وہ ملک کے اندرونی حالات سے واقفیت حاصل کرتے ہیں، سیاسی، جغرافیائی، تمدنی، نفسیاتی، ثقافتی اور فکری رجحانات سے آگاہی حاصل کر کے مغربی سامراج کا راستہ آسان بناتے ہیں۔اس طرح مشرقی ممالک سفید فام اقوام کے قبضہ میں رہتے ہیں۔(۲۴)

علمی محرک ومقصد

بعض مستشرقین مشرقیات واسلامیات کو اپنے علمی ذوق وشغف کے ماتحت بھی اختیار کرتے ہیں، عرب اور اسلام کی تاریخ اور تہذیب وتمدن کا مطالعہ اس لیے کرتے ہیں کہ مخفی حقائق سامنے آئیں، وہ اپنے علمی نتائج میں حق وسچائی، حقیقت شناسی سے بہت قریب ہوتے ہیں، لیکن اس قسم کے مستشرقین کی تعداد بہت کم ہے، حقیقت پسندی کے باوجود ان سے بحث وتحقیق میں غلطیاں ہوجاتی ہیں، اور ایسے نتائج اخذ کر لیتے ہیں جو حق سے کوسوں دور ہوتے ہیں، اس کی وجہ یا تو عربی زبان وبیان کے اسالیب سے ناواقفیت ہے، یا اسلامی تاریخ کی بے لوث تحقیق کے ذوق سے دوری۔یہ اپنے اخلاص کے باوجود تاریخ کا مطالعہ ان بنیادوں پر کرتے ہیں جو ان کے ماحول کے لیے سازگار ہوں، وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ تاریخ کے ادوار میں مختلف قسم کے قدرتی، نفسیاتی، زمانی ومکانی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، بہرحال ان مستشرقین کی تحریروں میں دوسرے مستشرقین کے مقابلہ میں خطرات کم ہوتے ہیں، یہ حق واضح ہوجانے پر اعتراف کر لیتے ہیں، لیکن ایسے منصف مستشرقین، متعصب اور اسلام دشمن مستشرقین کا ہدفِ ملامت بن جاتے ہیں، اور ان پر علمی دنیا سے انحراف کا الزام لگ جاتا ہے، جیسا کہ آرنلڈ کے ساتھ ہوا۔

آرنلڈ نے اپنے مطالعہ اور تحقیق کے بعد "اسلامی دعوت" The Preaching of Islam کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جس میں مسلمانوں کے دینی تسامح، اپنے مخالفین اور غیر مسلموں کے ساتھ رواداری کا اعتراف کیا، لیکن اس پر الزام لگایا گیا کہ اس نے مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے یہ کام کیا ہے اور اپنے ذاتی جذبات سے کام لیا ہے۔(۲۵)

منصف، کھلے اور صاف ذہن سے اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد اسلام قبول کرنے والے مستشرقین میں "دینیہ" کا نام آتا ہے، یہ فرانسیسی مستشرق ایک عرصہ تک الجزائر میں مسلمانوں کے ساتھ رہا اور اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے حسن سلوک اور مثالی انسانی کردار سے متاثر ہو کر ۱۹۲۷ء میں اسلام قبول کرلیا اور اپنا نام ناصر الدین دینیہ رکھا، اور ایک جزائری عالم کے تعاون واشتراک سے سیرت رسول اکرمؐ پر کتاب لکھی جس کا نام "أشعة خاصة لنور الإسلام" ہے، اس کتاب میں موصوف نے اسلام اور نبی اسلامؐ کے متعلق اپنی قوم کی دسیسہ کاری کو بیان کیا ہے، اور اپنی قوم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے، اسلام کی حالت میں اس کا فرانس میں انتقال ہوا، اور بعد میں نعش الجزائر میں دفن ہوئی۔(۲۶)

استشراق کے وسائل

(۱) تصنیف وتالیف

اس میں دو رائے نہیں کہ کتابیں نظریات وافکار کی اشاعت وترویج کا اہم وفعال ذریعہ ہیں، موجودہ عہد میں نشر واشاعت کے نئے نئے ذرائع کے وجود میں آجانے کے باوجود تصنیف وتالیف کی اہمیت کم نہیں ہوئی، چنانچہ مستشرقین نے اس فعال ذریعہ کو اختیار کیا، اسلام کے متعلق موضوعات، قرآن، حدیث، فقہ اسلامی، فلسفہ، تصوف، زبان وادب پر کتابیں تصنیف کی، انسائیکلوپیڈیا تیار کیے، قرآن وحدیث اور دیگر موضوعات کے متعلق معاجم تیار کیے، اس بیش بہا علمی خدمت کے نام پر اسلام کو توڑ مروڑ کر پیش کیا اور یہ کتابیں متن اور نصوص کی تحریفات پر مشتمل ہیں، حقائق کو گمراہ کن اسلوب میں پیش کیا گیا ہے، اور اسلام پر افترا پردازی کی گئی ہے، محقق کبیر علامہ محمود محمد شاکر نے کہا ہے کہ "اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ استشراق نے عربی زبان وادب، اسلامی علوم وفنون، تاریخ اسلام اور اسلامی علمی سرمایہ کی خدمت کی ہے تو اس کی تصدیق نہ کرنا"۔(۲۷)

ڈاکٹر محمد البہی نے اپنی کتاب "الفکر الاسلامی الحدیث" میں مستشرقین کی خطرناک

کتابوں کی ایک طویل فہرست دی ہے جو اپنی زہرناکی اور آلودگیوں کے باوجود مسلمانوں کے نزدیک حجت اور مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ خطرناک کتابیں درج ذیل ہیں:

(۱) میزان الحق، از امریکی مستشرق ڈاکٹر ونڈر اور ڈاکٹر سنکیر تسڈل

(۲) کتاب الہدایۃ، اس کتاب کے چار حصے ہیں، اس میں اسلام پر سخت تنقید کی گئی اور قرآن کریم پر جارحانہ تنقید اور افترا پردازی کی گئی ہے۔

(۳) مقالۃ فی الاسلام، از مستشرق جارج سیل

(۴) مصادر الاسلام، از ڈاکٹر سنکیر تسڈل

یہ چاروں کتابیں مستشرقین کی سب سے خطرناک تصنیفات شمار کی جاتی ہیں، ان میں اسلام، قرآن اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت ترین حملے کیے گئے ہیں۔ (۲۸)

ڈاکٹر محمد البہی کی رائے میں سب سے خطرناک اور زہریلی کتاب انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ہے جو دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع ہو چکی ہے اور اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

اسلامیات و مشرقیات، اسلامی تہذیب و تمدن اور عربی علوم سے متعلق یورپی اور امریکی اشاعتی اداروں سے مستشرقین کی شائع ہونے والی کتابوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں سالانہ عربی مجلّہ "دراسات استشراقیة و حضاریة" شمارہ نمبر:۱، ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۳ء، مركز الدراسات الاستشراقيه والحضارية، كلية الدعوة، جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، مدينه منوره۔

(۲) استشراقی اشاعتی ادارے

استشراق کا دوسرا بڑا ذریعہ پریس ہے اور اشاعتی ادارے، یہ ادارے مستشرقین کی تحقیقات اور ان کی تالیفات کی وسیع پیمانے پر اشاعت کرتے ہیں اور پوری دنیا میں پہونچانے کی کوشش کرتے ہیں، مشہور استشراقی اداروں میں درج ذیل ہیں: ارنست لرو، ہنری والٹر، مزونیو، یہ تینوں ادارے پیرس میں واقع ہیں، پروبستاین اینڈ کمپنی لندن، ہیور اینڈ سنس، کیمبرج، برونارد کواریتش، لندن، مابستری، مڈریڈ، ہاراشوویتش جرمنی۔

(۳) مجلّات ورسائل

مستشرقین بہت سے مجلّات ورسائل نکالتے ہیں، جن میں اسلام اور مشرقی ممالک کو عموماً موضوع بحث بنایا جاتا ہے، یہ ہفت روزہ سے پندرہ روزہ، ماہنامہ، سہ ماہی اور فصلی مجلّات ہیں جن کی تعداد تین سو سے زائد ہے، ان میں بعض رسائل کئی کئی زبانوں میں بیک وقت نکلتے ہیں، مشہور مجلّات حسب ذیل ہیں:

۱۔ العالم الاسلامی The Muslim World: اس کو مشہور مستشرق زویمر نے ۱۹۱۱ء میں جاری کیا تھا، اس کے چیف ایڈیٹر کینٹ کراج K. Cragg بھی رہے ہیں۔ یہ سب سے خطرناک اور زہریلا مجلّہ ہے، اس کو پوری دنیا میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۲۔ مذکورہ بالا مجلّہ سے ملتا جلتا رسالہ Mado Musalmans فرانس سے ایک فرانسیسی مشنری کے زیر نگرانی نکلتا ہے، یہ بھی بڑا زہریلا ہے، اس کی اشاعت پوری دنیا میں ہوتی ہے۔

۳۔ ۱۸۲۳ء میں برطانیہ نے علوم مشرقیہ Oriental Studies کی ہمت افزائی کی غرض سے ایک انجمن قائم کی اور اس کے زیر نگرانی مجلّہ "الجمعیۃ الآسیویۃ الملکیۃ" (رائل ایشیاٹک سوسائٹی) شائع کیا، اسی عرصہ میں امریکی مستشرقین نے رسالہ "دراسات شرقیہ" نکالا، یہ رسالہ اوہیو Ohio سے جاری ہوا، یورپ اور کناڈا میں اس کی شاخیں قائم تھیں، اس پر سیاسی رنگ غالب رہا۔

۴۔ مجلّہ "الشرق الاوسط" امریکہ سے جاری ہوا۔

۵۔ مجلّہ "شئون الشرق الاوسط" انگریزی میں امریکہ سے شائع ہوا۔

مشنریوں کا قیام

مستشرقین نے عالم اسلام میں مشنریاں قائم کیں، جو بظاہر انسانی اور سماجی خدمات انجام دیتی ہیں، لیکن ساتھ میں اپنے پُر خطر اور دور رس نتائج لوگوں کے دلوں میں چھوڑ جاتی ہیں، یہ مشنریاں انسانی خدمت کے نام پر اسپتال، ڈسپنسریاں، یونین، کالج اور اسکول، یتیم

خانے اور مہمان خانوں کا انتظام کرتی ہیں، اسی طرح عالم اسلام کے متعدد شہروں میں مسیحی نوجوانوں کی انجمنیں قائم ہیں۔

علمی اداروں میں محاضرات کا انتظام

مستشرقین اسلامی وعربی یونیورسٹیوں میں لکچرر رہتے ہیں، اور انہیں اظہار خیال کا پوری آزادی کے ساتھ موقع ملتا ہے، جس سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنے خیالات بڑی آزادی سے عوام تک پہونچاتے رہتے ہیں۔

استشراقی مضامین کی اشاعت

مستشرقین نے اسلامی ملکوں سے نکلنے والے جرائد کی ایک بڑی تعداد کو خرید رکھا ہے، ڈاکٹر عمر وفرخ اور ڈاکٹر مصطفیٰ خالدی نے اپنی مشترک کتاب ''الاستعمار والتبشیر'' میں لکھا ہے کہ مستشرقین نے اسلامی ملکوں خصوصاً مصر کی صحافت سے خاصا فائدہ اٹھایا، اس کے ذریعہ انہوں نے عیسائی نظریات وافکار کی اشاعت کی۔

علمی اداروں اور اکیڈمیوں میں ممبر شپ

مستشرقین عالم اسلام کی علمی اکیڈمیوں میں رکنیت حاصل کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ اپنی تحقیقات کو شائع کرتے ہیں اور اکیڈمیوں کے رخ اپنے مقاصد کی طرف موڑ دیتے ہیں، مصر کی المجمع اللغوی میں گب Gibb، ونسنک Wensink ماسینیون Masiyon ممبر رہے، اسی طرح دمشق کی المجمع العربی العلمی کے ارکان میں ڈینش مستشرق پیڈرسن Pedrson، اطالوی مستشرق کیطانی Ketani اور مستشرق جوتھل Jotihel تھے۔

مغربی ممالک اور خود اسلامی ممالک کی یونیورسٹیوں میں قائم اسلامیات کے شعبوں کے سربراہ اکثر مستشرقین ہی ہوئے ہیں، اس طرح یہ مستشرقین ان شعبوں سے متعلق ریسرچ اسکالروں کی ذہن سازی کرتے ہیں اور اپنی استشراقی فکر کے مطابق ان کی تشکیل کرتے ہیں، فراغت کے بعد یہ طلبہ مغربیت کے قالب میں ڈھل کر اپنے اپنے وطن واپس

جا کر مستشرقین کے خیالات وافکار کی ترجمانی کرتے ہیں، مغربی مفکرین اور اپنے مستشرقین اساتذہ کے نقش قدم پر چلنے والوں میں طٰہٰ حسین سرفہرست ہیں، جن کی کتاب ''الشعر الجا ہلی'' نے فتنہ برپا کر دیا، یہ کتاب اصلاً اس موضوع پر مستشرق مارگیولتھ کی کتاب کا عکس ہے۔

کانفرنسوں کا انعقاد

مستشرقین اپنے ذہنی خاکوں کو عملی شکل دینے کے لیے کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں، یہ کانفرنسیں ۱۸۷۳ء سے اب تک منعقد ہوتی رہی ہیں، ان کانفرنسوں میں نئی جہات اور موجودہ حالات کا جائزہ لیا جاتا ہے اور جدید تقاضوں کے مطابق حکمت عملی اختیار کی جاتی ہے۔اب تک سو سے زائد عالمی کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں، علاقائی اور مقامی ورکشاپ اور علمی مذاکرے اس کے علاوہ ہیں۔

عربی معاجم اور لغات کی تیاری

مستشرقین نے مختلف معاجم اور لغات تیار کیے جن میں سرفہرست المعجم المفہرس لألفاظ القرآن ہے، اس کا جامع جرمن مستشرق ولوجل ہے یہ پہلی مرتبہ ۱۸۴۲ء میں طبع ہوئی، دوسری لغت المجعم المفہرس لالفاظ الحدیث ہے جس کو مستشرقین کی ایک ٹیم نے تیار کیا ہے۔

استشراق کے مراکز

استشراق کا سب سے پہلا سنٹر ویٹی کن نے ''قلب البابویہ'' کے نام سے قائم کیا، اس سنٹر میں مشنریوں اور عیسائی مبلغین کو عربی زبان وادب کی تعلیم دی گئی۔

سولہویں صدی عیسوی میں یورپ کے مختلف حصوں میں استشراق اور مشنری کے مراکز وادارے قائم ہوئے، اور پھر عرب ملکوں میں مختلف ناموں سے یہ مراکز پھیلتے چلے گئے جنہوں نے مذہبی اداروں کے تعاون واشتراک سے اسلام کی بنیادوں پر تیشہ چلایا اور مسلمانوں کی نئی نسل میں تشکیک و بے اعتمادی کی فضا پیدا کر دی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں امریکہ کی متعدد یونیورسٹیوں میں عربی زبان وادب اور علوم مشرقیہ کے شعبے قائم کیے گئے، مثال کے طور پر آکسفورڈ کا اسلامک سنٹر، برمنگھم اور کیمبرج یونیورسٹیوں کے اسلامک سنٹر، یورپ میں سوربون، لیڈن، مڈریڈ، کناڈا، اور برلن کے اسلامک سنٹروں نے کافی شہرت حاصل کی، مذکورہ سنٹروں میں کھلی اسلام دشمنی کا رنگ غالب نظر آتا ہے، جس طرح آج امریکہ کھلی اسلام دشمنی کا ثبوت دے رہا ہے، یورپ اور امریکہ کی تقریباً ہر یونیورسٹی میں مشرقیات اور اسلامی وعربی مطالعات کا ایک شعبہ قائم ہے، بلکہ بعض یونیورسٹیوں میں اسلامیات کے متعدد گوشے ہیں، ان سنٹروں سے مستشرقین کی فوجیں تیار ہوکر نکلتی ہیں۔(۲۹)

سامراجی رجحان

بعض مستشرقین صرف سامراجی مقاصد ومفادات کی خدمت پر مامور ہیں، ان میں سرفہرست کارل ہینیر کھ بیکر Karl Heinrich Beeker (م ۱۹۳۳ء) ہے جو جرمن اسلامک میگزین کا بانی ہے اور افریقہ میں سامراجی مقاصد کی خدمت کی، دوسرے نمبر پر بارتھولڈ Barthold (م ۱۹۳۰ء) ہے جس نے روسی اسلامک مجلّہ ''عالم اسلام'' جاری کیا، اس نے ایشیائے وسطیٰ میں سامراجی مفادات کو یقینی بنانے اور تحفظ فراہم کرنے والی تجاویز اور طریقۂ کار پیش کیا، تیسرے نمبر پر ڈچ مستشرق سنوک ہرگونجہ Snouck GHurgonje (۱۸۵۷ء-۱۹۳۶ء) ہے، اس نے ۱۸۸۴ء میں عبدالغفار کے نام سے مکہ میں قیام کیا، اور تقریباً پچاس سال امت اسلامیہ اور اسلام کا مطالعہ کرتا رہا، اس نے شرق اسلامی میں مغربی سامراج کے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کی راہ ہموار کی، اس سے پہلے یہ جاوا میں رہا اور وہاں سامراج کی خدمت کی۔

۱۸۸۵ء میں پیرس میں السنہ مشرقیہ کا سنٹر قائم کیا گیا، اس سنٹر کا اولین اور بنیادی مقصد مشرقی ممالک اور مشرق بعید کے ممالک کے متعلق معلومات فراہم کرنا تھا جن کی روشنی میں مغربی سامراج ان ملکوں کی طرف اقدامات کرتا ہے۔

انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں استشراق نے سامراجی رخ اختیار کرلیا، بالفاظ دیگر استشراق نے منظم سامراجی نیٹ ورک کی حیثیت اختیار کرلی اور مغربی سامراج کا اہم بازو بن گیا، اور امریکی بالادستی کے قیام میں اس علمی تحریک نے کلیدی رول ادا کیا، اسی وجہ سے امریکی یونیورسٹیاں مستشرقین کی فوج تیار کررہی ہیں، بعض معاصر مستشرقین اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے تحقیقی مقالات (thesis) کے ذریعہ موثر سیاسی رول ادا کررہے ہیں، ان میں سرفہرست امریکی یہودی مستشرق برنارڈ لوئسBernard lewis ہے، اسی نے تہذیبی ٹکراؤ کا نظریہ پیش کیا تھا جس کو امریکی مفکر ہننگٹن Samuel P. Huntington نے رواج دیا، اور امریکی سامراج کو اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کا مشورہ دیا۔

ڈانیل پایپس Daniel Pipes نے ''متعصب مسلمان اور امریکی پالیسی'' کے عنوان سے اپنی تحقیق میں امریکی سیاسی اداروں کو اسلامی تنظیموں اور اسلام پسندوں کو ختم کرنے کا طریقہ پیش کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ مسلم قائدین کا صفایا کردیا جائے، اسی طرح جوناتھن بلوم Jonathan Blome نے اپنے تحقیقی مقالہ ''المئذنۃ رمز الاسلام'' میں اور رچرڈ ڈینٹونRichard Denton نے اپنی تحقیقات میں اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کا مشورہ دیا ہے۔(۳۰)

معاصر مستشرق ولفریڈ کانٹویلWilfred Cantwell مؤلفِ کتاب ''اسلام اور جدید تاریخ'' نے مسلمانوں کو ہر قسم کے تنزل اور انحطاط کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے، اور ترقی کے لیے دینی سیاسی قائدین کی تعریف کی ہے کہ وہ عربی اسلامی تہذیب کو چھوڑ کر یورپی تمدن کو اختیار کررہے ہیں، بلکہ اس نے صراحت سے کہا ہے کہ اسلام ترقی اور تجدد کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔

نیا رجحان

۱۹۶۳ء میں انور عبدالملک نے اپنے ایک مضمون میں ''استشراق بحران میں'' استشراق کی حقیقت سے پردہ اٹھایا، یہ مضمون فرانسیسی زبان میں فرانسیسی مجلہ دیوگین Devgan

(شمارہ نمبر۲۴) میں شائع ہوا، مضمون کے منظر عام پر آنے کے فوراً بعد مستشرقین کے حلقہ میں ہلچل مچ گئی، اور اس کا جواب کئی مستشرقین نے مثلاً اطالوی مستشرق فرانسیسکو یلو بیلی Francisco Yellow Belly، فرانسیسی یہودی مورخ کلود کاہین (۱۹۰۹ء-۱۹۹۱ء) Claude Cahen اور فرانسیسی یہودی مستشرق مکسیم روڈنسن (۱۹۱۵ء-۲۰۰۴ء) Maxime Rodinson نے جواب دیا۔

اس کے بعد ۱۹۷۸ء میں ڈاکٹر ایڈورڈ سعید کی کتاب منظر عام پر آئی، یہ اس وقت امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی میں انگریزی ادب اور تقابلی ادب کے پروفیسر تھے، اس کتاب نے استشراق کے حقیقی وسامراجی مقاصد وعزائم سے پردہ اٹھایا۔

مذکورہ بالا تحقیقی کتابوں نے مستشرقین کی نیند حرام کردی اور ان کے حلقوں میں بوکھلاہٹ پیدا ہوگئی، چنانچہ ۱۹۷۳ء میں پیرس میں مستشرقین کی انتیسویں بین الاقوامی کانفرنس بلائی گئی، اس میں برنارڈ لوئس نے یہ تجویز پیش کی کہ مستشرق کی اصطلاح کو تاریخ کے ملبہ میں ڈال دیا جائے اور دوسری اصطلاح اختیار کی جائے، لیکن قدیم استشراقی طریقہ کو جوں کا توں باقی رکھا جائے۔

چنانچہ اس قرارداد کے مطابق استشراق کے بجائے ''تحقیقی ادارہ برائے مشرق وسطیٰ'' Center for Middle East Research' کے نام سے کام شروع ہوا، گویا کہ یہ قدیم استشراق کا نیا جامہ تھا، خاص طور سے امریکی استشراق، معاصر امریکی مستشرقین اسرائیل کے قیام سے لے کر آج تک عربی خطہ کے حالات پر خصوصی توجہ کر رہے ہیں، یہ مستشرقین اس خطہ میں امریکی سیاست کے تقاضوں اور ضروریات کے پیش نظر غور کر کے امریکی حکومت کو معلومات بہم پہونچاتے ہیں اور ان کی روشنی میں امریکی انتظامیہ اقدامات کرتی ہے، امریکی استشراق میں اسرائیل پر خصوصی توجہ کی جاتی ہے کیونکہ خطہ میں اسرائیل امریکی عزائم کو بروئے کار لانے میں اہم رول ادا کر رہا ہے۔

امریکی مستشرقین میں سب سے خطرناک مستشرق برنارڈ لوئس ہے، یہ اصلاً یہودی

اور برطانوی ہے، ۱۹۷۳ء میں امریکہ منتقل ہوا اور پرنسٹن یونیورسٹی Princeton University میں ''مطالعات برائے مشرق وسطیٰ'' شعبہ میں پروفیسر مقرر ہوا، برنارڈ لوئس کا برطانیہ سے امریکہ منتقل ہونا صہیونیت کو تقویت بہم پہونچانے کے لیے تھا کیونکہ برنارڈ لوئس ۱۹۷۳ء میں ''جنگ اکتوبر'' سے سمجھ گیا تھا کہ اب برطانیہ صہیونیت کو تحفظ فراہم کرنے میں ناکام اور کمزور ہو گیا ہے اور امریکی پالیسی صہیونیت کے لیے زیادہ مفید ہوگی، کیونکہ برطانیہ کا اقتدار کمزور پڑ گیا تھا گویا کہ برطانیہ کا دور ختم ہو رہا تھا، اور امریکہ صہیونی مقاصد کی تکمیل کا بہترین معاون نظر آرہا تھا، اور یہی ہوا، آج اسرائیل کو امریکہ کی مکمل حمایت اور پشت پناہی حاصل ہے۔ بلکہ امریکہ پوری دنیا میں ان عناصر کی پشت پناہی کر رہا ہے جو اس کے سامراجی عزائم ومقاصد میں مفید ومعاون ہو سکتے ہیں، مصر، شام، عراق، لیبیا، یمن، تونس، مالی اور سوڈان کے حالات اس کا بین ثبوت ہیں۔

امریکی استشراق صرف صہیونیت کی خدمت نہیں کرتا بلکہ امریکی خفیہ تنظیم CIA کو بھرپور تعاون دیتا ہے خصوصاً ہاورڈ یونیورسٹی Harvard University کا ادارہ تحقیقات برائے مشرق وسطیٰ Center for Midlle Eastern Studies اس خدمت کو انجام دے رہا ہے، امریکی یہودی مستشرقین میں نداف سفران CIA کو سب سے زیادہ معلومات بہم پہونچاتا ہے۔(۳۱)

موجودہ دور میں مغرب خصوصاً امریکہ کے تحقیقی ادارے اور ریسرچ سنٹر تیسرے ہزارے کے آغاز سے سامراجی مقاصد ومفادات کو تحفظ فراہم کرنے میں بنیادی کردار ادا کر رہے ہیں، یہ تمام ادارے امریکی کلچر وتہذیب کو دوسری قوموں پر تھوپنے کے لیے کوشاں ہیں اور اس میں انفارمیشن ٹکنالوجی اور میڈیا ان کے معاون ہیں، ان تحقیقی اداروں کے ذمہ دار غالی صہیونی اور متعصب قدامت پسند یہودی ہیں جو تحقیق وریسرچ کے نام پر مغربی سامراج کو تقویت اور عربی واسلامی مفادات کو نقصان پہونچانے کا کام کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر مصطفیٰ عبدالغنی کی تازہ تصنیف ''المستشرقون الجدد: دراسة في

مراكز الأبحاث الغربية ''میں امریکہ کے تحقیقی اداروں کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان اداروں کے بنیادی مقاصد تین ہیں:

(۱) تحقیقی اور فکری کوششوں کو فروغ دینا اور ان میں تیزی اور وسعت پیدا کرنا۔

(۲) پالیسی سازوں اور پلاننگ کرنے والوں کو مدد بہم پہونچانا، اس طور پر کہ یہ ادارے اپنی تحقیقات کا خلاصہ امریکی حکومت یا امریکہ کی منفذہ و مقننہ اتھارٹی کو پیش کریں۔

(۳) علمی فضا پیدا کرنا، اس کے لیے میڈیا کے ذریعہ مختلف علمی وتہذیبی سرگرمیاں پھیلائی جاتی ہیں۔

امریکی سیاست کے ماہر جیمس مارک جین James Mark Jane کے مطابق یہ ادارے علمی معلومات بہم پہونچانے کے ساتھ ساتھ ایسی رپورٹیں اور سیاسی ایجنڈے پیش کرتے ہیں جن کی روشنی میں دوسرے ملکوں کے خلاف اقدامات کیے جاتے ہیں۔

امریکی ریسرچ سنٹروں اور تحقیقی اداروں کے اسٹراٹیجک رول کے جائزہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ان اداروں کے دو بازو ہیں، (۱) عیسائی مبلغین جنہیں انجیلی کہا جاتا ہے، یہ مشنری انتہائی متعصب کٹر مذہبی عیسائی ہیں، دنیا میں جنگی حالات پیدا کرتے ہیں اور معاشرہ میں عداوت ونفرت اور تفریق وانتشار پیدا کرتے ہیں، تہذیبوں کے ٹکراؤ کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں، اسلام اور مسلمانوں کو ''شر'' کا محور گردانتے ہیں، اور مسلمانوں کو انسانیت کے لیے خطرہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ (۲) دوسرا بازو نئے متعصب عیسائیوں کا ہے، یہ بازو موجودہ امریکی انتظامیہ پر قابض ہے، اور خارجہ پالیسی طے کرتا ہے، اس طرح معاصر مستشرقین صرف اور صرف مغربی سامراج کے اشارہ پر کام کر رہے ہیں۔

لائحہ عمل

مستشرقین کی علمی، فکری اور ثقافتی یلغار کے مقابلہ کے لیے علمائے اسلام اور مسلمان محققین کی ذمہ داری ہے کہ وہ علمی موضوعات پر محققانہ لٹریچر تیار کریں اور عالم اسلام کو صحیح اور قابل اعتماد مواد اور دین اسلام کے صحیح تصورات اور حقائق سے واقف کریں،

معاصر علمی اسلوب، اصول بحث وتحقیق، وسعت مطالعہ، دقت نظر اور مآخذ ومراجع کی صحت واستناد میں مستشرقین پر فوقیت لے جائیں اوران کی تصنیفات اور علمی تحقیقات کا جائزہ لیں اوران کا علمی محاسبہ کریں، ان کی تلبیسات کو بے نقاب کریں، ان کی بدنیتی اور سامراجی مقاصد کو طشت ازبام کریں اور بتائیں کہ یہ ملت اسلامیہ کے خلاف کیسی گہری اور خطرناک سازش ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"یہ بھی ضروری ہے کہ مسلمان علماء ومحققین مستشرقین کی تصنیفات وعلمی تحقیقات کا جائزہ لیں اور حقائق وواقعات کی روشنی میں ان کا علمی محاسبہ کریں، ان کی دسیسہ کاریوں اور عربی عبارتوں کے مفہوم سمجھنے یا ان کی تحلیل وتشریح میں ان کی غلطیوں کی نشاندہی کریں، جس سے قارئین کو یہ معلوم ہو کہ جن مراجع ومآخذ پر وہ اعتماد کرتے ہیں، وہ ناقابل اعتماد ہیں، انہوں نے ان سے جو اہم نتائج نکالے ہیں اوران پر اپنے دعوے کی پوری عمارتیں قائم کرلی ہیں ان کی بنیاد ہی کمزور، مشکوک یا سرے سے معدوم ہے، اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دکھائیں، کہ ان کی معصومانہ علمی کاوشوں میں سیاسی (مشنری) اغراض ومقاصد کہاں تک کام کررہے ہیں"۔ (۳۲)

اس کے ساتھ مثبت اور تعمیری کام کی بھی ضرورت ہے، کہ زمانہ کے علمی، ادبی اور تحقیقی مزاج ومذاق کی رعایت کرتے ہوئے اسلامیات پر گہری، فکر انگیز معلومات اور محققانہ علمی کام کا سلسلہ جاری رہے، جو اسلوب بحث وتحقیق اور علمی استدلال میں مستشرقین کی تحقیقات سے کم نہ ہو بلکہ فائق ہو۔

آج ایسے افراد کی ضرورت ہے جو مغربی تہذیب کا جرأت، اعتماد ویقین کے ساتھ سامنا کریں اور تہذیب حاضر کے مختلف سانچوں، مختلف مکاتب فکر اور راستوں کے درمیان ایک نیا راستہ پیدا کریں، ایسا راستہ جس میں تقلید، نقالی، غلو اور انتہا پسندی سے بالاتر نظر آئیں اور ظاہری اشکال، مظاہر اور سطحی نقطۂ نظر سے بلند ہوں، حقائق ملور وسائل ہقوت اور مغز کی طرف

متوجہ ہوں اور اس کے ظاہری خول میں نہ الجھیں۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ عالم اسلام کے مرد کامل کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"(ایسے عبقری کی ضرورت ہے) جو مغرب کا کو اپنا امام و رہنما اور خود کو اس کا مقلد اور شاگرد اور خوشہ چیں تسلیم نہ کرتا ہو، بلکہ یہ سمجھے کہ وہ اس کا ایک رفیق سفر اور معاصر ہے، جو مخصوص حالات کی وجہ سے بعض مادی اور اقتصادی علوم میں اس سے سبقت لے گیا ہے، وہ اس کے ان تجربوں سے سبق لے، لیکن نبوت نے جو روشنی اس کو عطا کی ہے اُس کا اِس میں اضافہ کرے اور یہ سمجھے کہ اگر اس کو مغرب سے بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے، تو مغرب کو بھی اس سے بہت کچھ حاصل کرنے کی ضرورت ہے، بلکہ مغرب کو وہ جو دے سکتا ہے وہ اُس سے کہیں افضل اور بہتر ہے، جو وہ خود مغرب سے لے سکتا ہے، وہ کوشش کرے کہ اپنی ذہانت اور مشرق و مغرب اور مادی اور روحانی قوتوں کے اس حسین امتزاج سے ایک ایسی شاہراہ اور ایک ایسا مسلکِ زندگی پیدا کرے جس کا احترام اور اس کی تقلید کرنے پر مغرب بھی مجبور ہو، اور مکاتب فکر اور تہذیبی دبستانوں میں ایک ایسے دبستاں کا اضافہ کرے جو دنیا کے عظیم ترین مفکرین کو دعوت فکر و مطالعہ اور عظیم ترین قوموں کو دعوت عمل دے"۔ (۳۳)

اسی طرح استشراق کی تاریخ، حقیقت، محرکات و مقاصد اور مستشرقین کے رد میں جو کام ہو چکا ہے (الحمدللہ یہ سلسلہ جاری ہے اور اس کے نتائج نکل رہے ہیں) اس کو دنیا کی مختلف زبانوں میں نقل اور شائع کیا جائے تاکہ دنیا مستشرقین کی دسیسہ کاریوں، دجل وفریب اور علمی خیانت سے واقف، اور اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے ذہنوں اور عقلوں سے شکوک وشبہات دور ہوں کیونکہ آج پوری دنیا میں پھیلی اسلام دشمنی اور مسلمانوں سے نفرت وعداوت کی بنیاد مستشرقین ہی کا تیار کیا ہوا زہریلا لٹریچر ہے۔ یہی آج کا جہاد، وقت کا فریضہ اور عصر حاضر کی سب سے بڑی دینی ضرورت ہے۔

حوالہ جات

(۱)مذکراتی، از: ڈاکٹر فتح اللہ زیادی، مادہ ''استشراق''، کلیۃ الدعوۃ الإسلامیۃ، طرابلس، لیبیا، ۱۹۸۶ء۔

(۲)ظاهرة انتشار الإسلام وموقف المستشرقين منها، از: ڈاکٹر فتح اللہ زیادی، والاستشراق والخلفية الفكرية للصراع الحضاري، از: ڈاکٹر محمود حمدی زقزوق۔

(۳)مجلة الفكر العربي، شمارہ نمبر ۳۱، ۱۹۸۳ء۔

(۴)المستشرقون والتاريخ الإسلامي، ص: ۱۲۔

(۵)مجلة المجمع العلمي، جلد ۳، ص: ۱۱۔

(۶)تفصیل کے ملاحظہ کریں الاستشراق والخلفية الفكرية للصراع الحضاري، از: ڈاكٹر محمود حمدی زقزوق، الدراسات العربية والإسلامية في أوربا، از: ڈاكٹر ميشال جحا، الاستشراق والمستشرقون، از: ڈاكٹر مصفطى سباعی۔

(۷)مجلّہ مشکوۃ، جلد: ۷، شمارہ نمبر: ۲۷-۲۸، ۱۹۹۸ء۔

(۸)مجلّہ مشکوۃ، شمارہ نمبر ۵۱، جلد ۱۳، ۲۰۰۸ء مراکش۔

(۹)الاستشراق والمستشرقون، از: ڈاكٹر مصطفى سباعی۔

(۱۰)مذہب وعقلیات از: مولانا عبدالباری ندوی۔

(۱۱)حرکۃ الاستشراق، مجلّہ المنھل، شمارہ نمبر: ۴۷، ومجلّہ مشکوۃ، شمارہ نمبر: ۲۷۔

(۱۲)الاستشراق، از: ایڈورڈ سعید، ترجمہ عربی از: کمال ابودیب)۔

(۱۳)(عربی مجلّہ مشکوۃ، شمارہ نمبر: ۲۷۔

(۱۴)اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، از: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔

(۱۵)(تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، از: جرجی زیدان، جلد: ۴، ص: ۵۰۸، دار مکتبۃ الحیاۃ بیروت

(۱۶)اسلامیات اور مغربی مستشرقین، از: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔

(۱۷)(اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص: ۲۵۹-۲۶۶۔

(۱۸)تفصیل کے لئے دیکھیں: علامہ شبلی نعمانی کی کتاب ''سیرۃ النبی، جلد اول، ص: ۶۸-۷۱، مطبوعہ الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۱ء، اور محمد کرد علی کی کتاب '' الاسلام والحضارة الغربية'' اور ڈاکٹر محمد فتح اللہ زیادی کی کتاب ''ظاهرة انتشار الإسلام وموقف المستشرقين منها''۔

(۱۹)(عربی رسالہ المجتمع: شمارہ نمبر ۱۷۷۳، ۱۳/۱۰/۲۰۰۷۔

(۲۰)(اسلامیت ومغربیت کی کشمکش، ص: ۲۵۶۔

(۲۱)(الاستشراق والمستشرقون، ص: ۲۱، از ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی۔

(۲۲)(اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص: ۲۵۷۔
(۲۳)تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: الاستشراق والخلفية الفكرية للصراع الحضاری، از ڈاکٹر محمود حمدی زقزوق، التبشیر والاستعمار في البلاد العربية، مصطفیٰ خالدی وعمر فروخ، الحركة الفكرية ضد الإسلام، برکات عبدالفتاح دویدار، المستشرقون البريطانيون، آرتھر آربری، ترجمہ محمد دسوقی نویہی۔
(۲۴)۔الاستشراق: المعرفة، السلطة، الإنشاء، از: ایڈورڈ سعید ۲۔ الاستشراق والمستشرقون، احمد ابوزید، مجلّہ "عالم الفكر"، جلد: ۱۰، شمارہ: ۲، ۱۹۸۸ء۔
(۲۵)الاستشراق والمستشرقون از: ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی۔
(۲۶)الاستشراق والمستشرقون، از ذاكتر مصطفى سباعى، أضواء على الاستشراق، محمد عبد الفتاح عليان، لمحات في الثقافة الإسلامية، عمر عودة الخطيب، الإسلام والاستشراق، محمود حمدى زقزوق۔
(۲۷)رسالة فى الطريق إلى ثقافتنا، ص: ۷۸، ۱۹۹۱ء۔
(۲۸)الاستشراق والتبشير وصلتهما بالإمبريالية العالمية "از ابراہیم خلیل احمد، ص: ۷۲، مکتبہ الوعی العربی، قاہرہ۔
(۲۹)مشکوۃ، شمارہ نمبر ۵۱، ۲۰۰۸ء۔
(۳۰)المستشر قون والعملاء الجدد "از ڈاکٹر احمد عبدالحمید غراب، ص: ۲۷۔
(۳۱)رسالہ "النور" شمارہ نمبر ۸، جلد نمبر ۲۷، اکل کوا، مہاراشٹر ۱۴۲۸ھ۔
(۳۲)اسلامیات: س: ۱۸۔
(۳۳)مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش: ۳۰۱۔

صہیونیت

ZIONISM

صہیونیت کی نسبت

صہیونیت ایک سیاسی، نسل پرست اور انتہا پسند تحریک ہے جس کا مقصد اولین فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم کرنا ہے جس کے ذریعہ پوری دنیا پر حکمرانی کی جاسکے اور اقوام عالم پر تسلط و قبضہ حاصل ہو جائے، لفظ صہیونیت جبل ''صہیون'' سے مشتق ہے جو شہر قدس میں واقع ہے جہاں بین الاقوامی صہیونیت ہیکل سلیمانی قائم کرنا چاہتی ہے اور اس کو اپنی مجوزہ مملکت کا پایہ تخت بنانا چاہتی ہے، تھیوڈر ہرٹزل (۱۸۶۰ء-۱۹۰۴ء) Theodor Hertzle صہیونیت کا پہلا پر جوش داعی ہے جس کے افکار و نظریات پر آج صہیونیت گامزن ہے۔ اس وقت عالمی سیاست میں سب سے زیادہ منظم، سب سے زیادہ خطرناک اور سب سے زیادہ فعال یہودی ہیں، ان کی جڑیں اتنی گہری ہیں جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، سابق سپر پاور (روس) اور موجودہ سپر پاور (امریکہ) دونوں عالمی بساط سیاست پر صہیونی طاقت کے محض مہرے ہیں، روس ہو یا امریکہ، برطانیہ ہو یا فرانس، جرمنی ہو یا اٹلی، مشرقی یورپ ہو یا مغربی یورپ، سب وہی کرتے ہیں جو صہیونی کروانا چاہتے ہیں۔

تاریخی پس منظر

صہیونیت کی تاریخی، فکری اور سیاسی جڑیں بہت گہری ہیں، یہ ہرٹزل سے پہلے مختلف مراحل سے گزری ہے:

۱۔ روم میں گرفتاری کے بعد یہودی ۰ء ۷ء میں مقام عریش (مصر) میں جمع ہوئے اور پانچ بنیادی مقاصد پر اتفاق کیا جن میں ایک مقصد یہ بھی تھا کہ کسی بھی ممکن طریقہ سے فلسطین واپس لے کر وہاں اپنا آبائی وطن بنانا ہے (۱)۔

اس سے پہلے ۵۳۸-۵۸۶ قبل مسیح میں بابل کی گرفتاری سے واپس آنے کے بعد مکابی تحریک شروع ہوئی تھی جس کے مقاصد میں مقام "صہیون" کی واپسی اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر تھے، ۵۷۶ء قبل مسیح میں بخت نصر کلدانی نے یہودیوں کو تین مرتبہ جلاوطن کیا اور ان کا بڑا قتل عام کیا، اسی عرصہ میں یہودیوں نے توریت میں تحریف کی، اس کے بعد شہنشاہ روم تیطس نے ۷۰ء میں یہودیوں کا قتل عام کیا اور فلسطین سے نکال دیا، قدس کی تباہی کے بعد یہودی عراق، ایران، ہندوستان، چین اور حبشہ ہجرت کر گئے اور ہر جگہ اپنی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی؛ لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

۲۔ تحریک بارکوخبا (۱۱۸ء-۱۳۸ء) Bar Kokhba: اس یہودی نے یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے اور وہاں حکومت قائم کرنے پر ابھارا، اس کے بعد موزس کریٹی Moses نے اس تحریک کو اور آگے بڑھایا۔

۳۔ یہودیوں پر عیسائیوں کے مظالم اور خانماں بربادی کے زمانہ میں اس تحریک کی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں، لیکن اس کے باوجود یہودیوں میں قومی شعور واحساس برتری برابر شدت اختیار کرتا رہا۔ ۸۰ء سے اٹھارویں صدی عیسوی تک یورپ کے مختلف ملکوں، فرانس، جرمنی، روس اور انگلینڈ میں یہود مارے مارے پھرتے رہے لیکن ان کو کہیں بھی جائے قرار نہ ملی۔

۴۔ ایک طویل عرصہ کے بعد ڈیوڈ رابن David Robin اور اس کے تربیت یافتہ سالومان مولوخ Solomon Moloch (۱۵۰۱ء-۱۵۳۲ء) نے فلسطین میں ایک اسرائیلی مملکت قائم کرنے کی تحریک شروع کی۔

۵۔ اس کے بعد منشہ بن اسرائیل (۱۶۰۴ء-۱۶۵۷ء) Munshay Israel نے تحریک شروع کی، یہ پہلا شخص تھا جس نے صہیونیت کی منصوبہ بندی کی اور صہیونی مقاصد کے حصول کے لیے برطانیہ کو آلۂ کار بنانے پر زور دیا۔

۶۔اس کے بعد شبتائی زوی (۱۶۲۶-۱۶۷۶ء) Sabbatai Zewi نے صہیونیت کی باگ ڈور سنبھالی، اس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ یہودیوں کا نجات دہندہ ہے، چنانچہ اس کی قیادت میں پوری دنیا میں بکھرے یہودیوں نے فلسطین واپس آنے کی تیاری شروع کردی، لیکن جلد ہی شبتائی کی موت ہوگئی اور ۱۶۵۰ء میں یورپ نے یہودیوں سے چھٹکارہ حاصل کرلیا جب کہ یہودیوں کی ایک بڑی تعداد کو پھانسی دیدی گئی۔

۷۔اس کے بعد روٹ شیلڈ Rottschild ساہوکار نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ایک تحریک شروع کی جس کا مقصد فلسطین میں یہودی بستیاں اور کالونیاں بنانا تھا تاکہ اس طرح فلسطین میں یہودی سلطنت کا قیام عمل میں آسکے، اس کے بعد انیسویں صدی کے آغاز میں برطانوی سامراج نے فلسطین میں یہودی سلطنت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ۱۸۳۱ء سے یہودی برطانوی مقبوضات پر قابض ہوگئے تھے، مصر پر قبضہ کرنے اور نہر سوئز بنانے میں ان کا اہم رول رہا ہے۔

۸۔۱۸۸۲ء میں روس میں یہودیوں کے قتل عام کے بعد صہیونیت نے اور شدت اختیار کرلی، اسی زمانہ میں ہیکلر جرمانی Haikler Germani نے "إرجاع اليهود إلى فلسطين حسب أقوال الأنبياء" کے نام سے کتاب شائع کی۔

موجودہ صہیونیت

موجودہ بین الاقوامی صہیونیت یہودی صحافی تھیوڈر ہرتزل کی طرف منسوب ہے، اس کا واضح بنیادی مقصد فلسطین میں اسرائیلی حکومت کے ذریعہ پوری دنیا کی قیادت یہودیوں کو سونپنا ہے، ہرتزل کی ہدایت پر ایک یہودی وفد نے اس سلسلے میں عثمانی بادشاہ سلطان عبدالحمید سے دوبار گفتگو کی اور کہا:۔

> "اگر آپ بیت المقدس اور فلسطین ہمیں دیدیں تو ہم خلافت عثمانیہ کا سارا قرضہ اتار دیں گے اور مزید کئی ٹن سونا بھی دیں گے۔ (اس وقت ترکی کی مالی حالت خستہ ہوچکی تھی اور حکومت بھی مقروض تھی)"

سلطان عبدالحمید کا جواب

لیکن غیرت مند سلطان عبدالحمید نے یہودیوں کو ایک بالشت بھی زمین دینے سے انکار کر دیا، اور ایسا جواب دیا جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی، غیور خلیفہ نے پاؤں کی انگلی سے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:۔

''اگر اپنی ساری دولت دیکر تم لوگ بیت المقدس کی ذرا سی مٹی بھی مانگو گے تو ہم نہیں دیں گے۔''

اس وفد کا سربراہ ایک ترکی یہودی قرہ صوہ آفندی تھا اور ۱۹۰۹ء میں انقلاب کے بعد جو شخص مصطفیٰ کمال پاشا کی طرف سے خلافت عثمانیہ کے خاتمے کا پروانہ لے کر خلیفہ عبدالحمید کے پاس گیا تھا، وہ کوئی اور نہیں، بلکہ یہی یہودی قرہ صوہ آفندی ہی تھا۔

خلافت عثمانیہ کے خلاف سازشوں کا آغاز

اس کے بعد یہودیوں نے سلطان عبدالحمید کو اقتدار سے بے دخل کرنے اور خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کی سازشیں شروع کر دیں، آخر کار یہودی سازشوں کی وجہ سے ۱۹۲۴ء میں خلافت عثمانیہ کا سقوط ہوا اور ترک عثمانیوں کا اقتدار ختم ہو گیا اور نوجوان ترکوں کا غلبہ شروع ہو گیا۔ بین الاقوامی صیہونی لیڈر سلیمان منصور نے اپنے ایک خفیہ مراسلہ میں لکھا کہ:۔

''ہم نے فلسطین میں (جو ترکوں کی عملداری میں ہے) تھوڑی سی زمین خریدنے کے لیے سلطان عبدالحمید کو منہ مانگی قیمت کی پیش کش کی تھی، لیکن وہ نہیں مانے اور ہمارے آدمیوں کو بے عزت کر کے اپنے دربار سے نکال دیا، لیکن آپ یقین رکھیئے ہم اس سرکش حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور ترکوں کو ایسی سزا دیں گے کہ ان کا حال اس سے بدتر ہو گا جو ریڈ انڈین لوگوں کا امریکہ میں ہوا ہے۔''(۲)

ترکی میں اتحاد و ترقی انجمن کا قیام

عالمی سازشوں پر نظر رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ کس طرح ترکی میں اتحاد

وترقی انجمن Committee Of Union & Progress قائم ہوئی، اور کس طرح بین الاقوامی صہیونیت نے پس پردہ رہ کر اپنی خفیہ تنظیم فری میسن کے ذریعہ سلطنت عثمانیہ کو پارہ پارہ کردیا، جارج حداد نے اپنی کتاب Revolutions & Military Rule in Middle East (یونیورسٹی آف کیلیفورنیا مطبوعہ نیویارک) میں لکھتے ہیں:۔

''سلطان عبد الحمید کی حکومت کے خلاف انقلاب کے پیچھے عثمانی سلطنت کے آزاد خیال افسران اور دانشور تھے، اس انقلاب کی منصوبہ بندی مقدونیہ کی فوجی بارکوں میں کی گئی، سلطان کی حکومت سے یہ غلطی سرزد ہوئی کہ بہت سے مشتبہ کردار کے افسران کو مقدونیہ میں تعینات کردیا اور اتنے دوردراز علاقہ میں سلطان کی حکومت کے مخالف افسران کے اکٹھا ہونے سے انہیں بغاوت کی سازش تیار کرنے میں کامیابی ہوئی اور وہ فری میسن تنظیم کے آلہ کار بن گئے۔''

نوجوان ترک

جارج حداد ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

''نوجوان ترک دوران جنگ میں بھی سلطنت کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی کوشش کررہے تھے، اور انہوں نے نادانستہ طور پر اس پالیسی کی بنیاد رکھی جو مصطفیٰ کمال کی جمہوریہ نے بعد میں اپنائی اور اس طرح انہوں نے جدید ترکی کی بنیاد رکھی، انہوں نے قانونی مقدمات شرعی عدالتوں سے دیوانی عدالتوں میں منتقل کروائے، ترکی زبان کو رومی رسم الخط میں تبدیل کرنے کی تجویز پیش کی، قمری مہینوں کے بجائے شمسی مہینے شروع کروائے، موسیقی کی درسگاہیں قائم کیں، خواتین کو آزادی دلاکر انہیں ملازمتوں میں جگہ دی، اسلامی قوانین منسوخ کرکے عورتوں کے حقوق کے لئے آواز بلند کی اور ایک سے زیادہ بیوی رکھنے پر پابندی عائد کی۔

بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ مصطفیٰ کمال اتاترک ان نظریات وافکار کو

روبہ عمل لایا اور اس نے صہیونیت کے مقاصد پورے کرتے ہوئے اسلامی فکر اور اسلامی تہذیب وتمدن کا مکمل استیصال کر دیا، نوجوان ترک Young Turks نے مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں اسلام پسندوں پر مظالم ڈھائے، علماء کا قتل عام کیا، نماز کی ادائیگی اور تمام اسلامی شعائر پر پابندی لگا دی، عربی زبان میں خطبہ، اذان اور نماز بند کر دی گئی، مساجد کے اماموں کو پابند کیا گیا کہ وہ ترک زبان میں اذان دیں، نماز ادا کریں اور خطبہ پڑھیں، اسلامی لباس اتروا کر عوام کو یورپی کپڑے پہننے پر مجبور کیا گیا، مصطفیٰ کمال پاشا اور ان کے ساتھی نوجوان ترکوں نے ترکی میں اسلام کو کچلنے کے لئے جتنی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کو جتنا نقصان پہونچایا، اس کی مثال روس اور دیگر کمیونسٹ ملکوں کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتی۔

ایک تاریخی خط

خلافت عثمانیہ کے خلاف اندرون ملک یہودیوں نے جو سازشی جال پھیلایا تھا، اس کی بیخ کنی کے لیے صہیونی طاقتوں نے کیسی سازشیں رچی تھیں اور ان سازشوں میں کون کون شریک تھا، ان سب کا اندازہ مندرجہ ذیل خط سے لگایا جا سکتا ہے جو خلیفہ عبد الحمید نے اپنے شیخ ابوالشامات محمود آفندی کو لکھا تھا:۔

> میں انتہائی نیاز مندی کے ساتھ طریقۂ شاذلیہ کے اس عظیم المرتبت شیخ ابوالشامات آفندی کی خدمت میں بعد تقدیم احترام عرض گزار ہوں کہ مجھے آپ کا ۲۲ر مئی ۱۹۱۳ء کا گرامی نامہ موصول ہوا۔
>
> جناب والا! میں یہ بات صاف صاف بتانا چاہتا ہوں کہ میں امت مسلمہ کی خلافت کی ذمہ داریوں سے از خود دست بردار نہیں ہوا، بلکہ مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا گیا، یونینسٹ پارٹی (Unionist Party) نے میرے راستہ میں بے شمار رکاوٹیں پیدا کر دی تھیں، مجھ پر بہت زیادہ اور ہر طرح کا دباؤ ڈالا گیا، صرف اتنا ہی نہیں، مجھے دھمکیاں بھی دی گئیں اور سازشوں کے ذریعہ مجھے خلافت چھوڑنے پر مجبور کیا گیا، یونینسٹ پارٹی نے جو نوجوان ترک (Young Turks) کے نام سے بھی مشہور ہے، پہلے تو

مجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالا کہ میں مقدس سرزمین فلسطین میں یہودیوں کی قومی حکومت کے قیام سے اتفاق کرلوں، مجھے اس پر مجبور کرنے کی کوششیں بھی کی گئیں، لیکن تمام دباؤ کے باوجود میں نے اس مطالبہ کو ماننے سے صاف انکار کردیا، میرے اس انکار کے بعد ان لوگوں نے مجھے ایک سو پچاس ملین اسٹرلنگ پاؤنڈ سونا دینے کی پیشکش کی، میں نے اس پیشکش کو بھی یہ کہہ کر رد کردیا کہ یہ ایک سو پچاس ملین اسٹرلنگ پاؤنڈ سونا تو ایک طرف، اگر تم یہ کرۂ ارض سونے سے بھر کر پیش کروتو بھی میں اس گھناؤنی تجویز کونہیں مان سکتا،تیس سال سے زیادہ عرصے تک امت محمدیہ" کی خدمت کرتا رہا ہوں، اس تمام عرصہ میں میں نے کبھی بھی اس امت کی تاریخ کو داغ دارنہیں کیا، میرے آباء واجداداور خلافت عثمانیہ کے حکمرانوں نے بھی ملت اسلامیہ کی خدمت کی ہے، لہٰذا میں کسی بھی حالت اور کسی بھی صورت میں اس تجویز کونہیں مان سکتا۔

میرے اس طرح صاف انکار کرنے کے بعد مجھے خلافت سے ہٹانے کا فیصلہ کیا گیا، اس فیصلہ سے مجھے مطلع کردیا گیااور بتایا گیا کہ مجھے سلانیکی میں جلاوطن کیا جارہا ہے، مجھے اس فیصلہ کوقبول کرنا پڑا، کیوں کہ میں خلافت عثمانیہ اور ملت اسلامیہ کے چہرے کوداغ دارنہیں کرسکتا تھا، خلافت کے دور میں فلسطین میں یہودیوں کی قومی حکومت کا قیام ملت اسلامیہ کے لیے انتہائی شرم ناک حرکت ہوتی اور دائمی رسوائی کا سبب بنتی۔

خلافت ختم ہونے کے بعد جو کچھ ہونا تھا ہوگیا، میں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سربسجود ہوں اور ہمیشہ اس کا شکر بجالاتا ہوں کہ اس رسوائی کا داغ میرے ہاتھوں نہیں لگا، بس اس عرض کے ساتھ اپنی تحریر ختم کرتا ہوں۔

والسلام

۲۲ رستمبر ۱۹۱۳ء

ملت اسلامیہ کا خادم عبدالحمید بن عبدالمجید"

مصطفیٰ کمال پاشا فری میسنری تھا، اس کی یونینسٹ پارٹی کے اجتماعات فری میسن لاج Freemason Lodge میں ہوتے تھے، فری میسن تحریک دراصل یہودیوں کے دماغ کی اختراع ہے، جس میں خاص طور پر ایسے لوگوں کو شامل کیا جاتا ہے، جن کا تعلق کسی نہ کسی مذہب سے ہوتا ضرور ہے، لیکن حقیقت میں وہ مذہب بیزار ہوتے ہیں، متعین طور پر جن لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ فری میسنری تھے، ان میں مصطفیٰ کمال پاشا بھی شامل ہے۔ (۳)

مصر میں صہیونی منصوبہ

مصر میں بھی یہی منصوبہ روبہ عمل لایا گیا اور برطانوی انٹلی جنس اور امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے C.I.A (جس میں بنیادی اور کلیدی کردار صہیونی ادا کرتے ہیں) کے ذریعہ شاہ فاروق کی حکومت ختم کر کے ناصر کو برسر اقتدار لایا گیا، جس نے نہ صرف مصر میں فکر اسلامی کا استیصال کیا؛ بلکہ پورے خطہ کو بے دینی کی سمت میں دھکیلنے میں اہم رول ادا کیا۔ ناصر بھی فری میسنری تھے، انہیں اس بات پر ناز تھا کہ وہ فرعون کی اولاد ہیں۔

یہودی جس ملک میں بھی گئے وہاں انہوں نے اپنی قومی خصوصیات کا مظاہرہ کیا، دینی بے راہ روی، اخلاقی انحراف اور انسانیت سوز بیماریوں کو عام کیا اور ملک میں بغاوتیں اور سورشیں برپا کیں، اسی وجہ سے ہر جگہ سے نکالے گئے، روم اور روس کا زوال یہودیوں کی سازشوں سے ہوا، فرانسیسی انقلاب کے بعد یورپی ممالک میں جہاں بھی انقلاب اور بغاوت ہوئی اس میں صہیونیت کا پورا پورا ہاتھ رہا، علی امام عطیہ نے ''الصہیونیۃ وأرض المعاد'' میں لکھا ہے کہ رومن امپائر کا سقوط وزوال ملک کے کاروبار اور انتظام وانصرام میں صہیونیوں کی مداخلت کی وجہ سے ہوا، رومن امپائر کے سقوط کے بعد یہودی پورے یورپ خصوصاً برطانیہ، فرانس اور جرمنی میں پھیل گئے، انہوں نے ہر جگہ اپنا اثر ونفوذ قائم کرنے کی کوشش کی۔

باسل کانفرنس

۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ Switzerland کے شہر ''باسل'' Basel میں ہرٹزل نے

ایک عالمی کانفرنس منعقد کی، جس میں تین سو یہودی دانشوروں، مفکروں، فلسفیوں اور یہودی مدبرین نے ہرٹزل کی قیادت میں جمع ہو کر پوری دنیا پر حکمرانی کا منصوبہ بنایا، یہ منصوبہ چوبیس پروٹوکول کی صورت میں منظر عام پر آچکا ہے، اس منصوبہ کو یہودی دانشوروں کی دستاویز بھی کہتے ہیں، اس پلان کی تیاری میں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تمیں یہودی تنظیموں کے ذہین ترین ارکان نے حصہ لیا تھا، اس کانفرنس کے بعد یہودیوں نے اپنی انجمنوں کو اور مستحکم کیا اور انتہائی چالاکی، عیاری اور راز دارانہ وخفیہ طریقہ پر اپنے تخریبی مقاصد کی تکمیل کے لیے کارروائیاں شروع کردیں، غیر معمولی ذہانت سے مختلف خانوں میں رنگ بھرنا شروع کردیا، سب سے پہلے انہوں نے ذرائع ابلاغ کا سہارا لے کر تمام دنیا کی نظروں میں اپنی خصوصیات، ذلت وخواری، بد طینتی، حرص ولالچ، قساوت قلبی، شرپسندی، انسانیت دشمنی کو بدلنے، اپنے کو مظلوم ثابت کرنے اور اپنی تمام قومی خصوصیات کو عربوں کے سر منڈھنے کی بھرپور کوشش کی، اور اقتصادی میدانوں میں ان کی زبردست کامیابیوں نے انہیں اپنی منزل سے قریب کردیا، اور ان کا وطن عالم عربی کے قلب فلسطین میں قائم ہوگیا۔

چار نکاتی پروگرام

باسل کانفرنس میں اس یہودی منصوبہ کی تکمیل کے لیے چار نکاتی پروگرام بنایا گیا: (۱) فلسطین میں ہر ممکن طریقہ سے یہودی کسانوں، کاشتکاروں، مزدوروں اور تاجروں کو بسایا جائے۔ (۲) مختلف ملکوں میں عالمی اور مقامی انجمنوں کے ذریعہ تمام دنیا کے یہودیوں کو متحد اور منظم کیا جائے۔ (۳) اگر ضرورت پڑے تو گفتگو کے ذریعے حکومتوں کو صہیونی مقاصد سے مطمئن کرنے کے لیے تمہیدی اقدامات کیے جائیں اور فلسطین میں اسرائیلی وجود کو تسلیم کرانے کے لیے کوششیں کی جائیں۔ (۴) یہودیوں میں قومی شعور کو بڑھایا جائے۔

بالفور معاہدہ

صہیونیوں نے ترکی، جرمنی اور برطانیہ سے یہودیوں کے لیے الگ وطن بنانے کی متعدد بار گفتگو کی، لیکن انہیں کامیابی نہیں ملی، یہاں تک کہ ۱۹۱۷ء میں وہ اپنی اس کوشش

میں کامیاب ہوگئے، جب ۲رنومبر ۱۹۱۷ء میں بالفور معاہدہ Balfour Declaration ہوا، اس معاہدہ میں برطانوی وزیر خارجہ آرتھر بالفور Arther Balfouer اور مارکس سایکس Marks Sykes نے اہم رول ادا کیا اور مارکس سایکس نے وزارت خارجہ کو صہیونیت کا ہم خیال بنادیا۔ (بحوالہ: Encyclopaedia Britannica)

صہیونی مراکز

صہیونیوں نے پوری دنیا میں ذہنی تطہیر، نفسیاتی تربیت اور جسمانی ورزش کے مراکز قائم کیے ہیں، جو حاخاسرا HAKHASRA کہلاتے ہیں، جو یہودی ایک بار اس میں داخل ہو جائے اس کا اپنے اوپر اختیار ختم ہو جاتا ہے، اور وہ اس تنظیم کی ملکیت بن جاتا ہے، اور اسرائیل کا وفادار ہونا پڑتا ہے، اور اس کے بعد وہ اپنا سب کچھ قربان کر کے اس گروہ میں شامل ہو جاتا ہے، جو عرف عام میں ہالٹزیم Halutzeems کہلاتا ہے۔ یہ گروہ اسرائیل کے لیے جاسوسی اور تخریب کاری کرتا ہے، اور مسلم ملکوں میں بدنظمی پھیلاتا ہے، دعوت اسلام کی تمام کوششوں کو بالواسطہ یا بلاواسطہ ناکام بنانے کی کوشش کرتا ہے، تعلیمی اداروں میں کام کرنے کے علاوہ یہ گروہ اسلامی ممالک کے حفاظتی نظام میں نقب لگاتا ہے، دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانوی اور امریکی تحقیقاتی کمیشن کو ہاگانہ HAGANA نامی ایک صہیونی فوجی تنظیم نے درج ذیل یادداشت پیش کی تھی:۔

> ”دوسری جنگ عظیم کے دوران ہم نے برطانوی یہودی فوج کا ایک یونٹ قائم کیا، ہم نے غیر سرکاری نیشنل گارڈ بنائی، جس نے عربوں کو تخریب کاری سے باز رکھا، ہم نے جاسوسی کی، ہم نے خفیہ خصوصی یونٹ قائم کیے، تاکہ برطانوی ہائی کمیشن کے منصوبوں کو روبہ عمل لایا جاسکے، اور باغیوں کا تعاقب کر کے ان کی کمین گاہوں تک پہنچے، ہم نے عربوں پر سبقت حاصل کر لی اور اب ان کے حملوں یا ان کی بغاوت کو آسانی سے کچلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔“ (تسخیر عالم کا یہودی منصوبہ، از: ابوالحسن)

صہیونیت کے عقائد وافکار

صہیونی افکار وعقائد کے بنیادی مصادر تین ہیں:
(۱) توریت (۲) تلمود (۳) صہیونی دانشوروں کے دستاویز۔

توریت:

یہ آسمانی کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی، مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہودی اس میں تحریف وتبدیلی کرتے رہے، آج جو توریت موجود ہے وہ اصل توریت سے بالکل مختلف ہے، ایک یہودی عالم سیلفر نے اپنی کتاب ''موسیٰ والتوراۃ الأصلیة'' میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ موجودہ توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اصل توریت سے کسی بھی پہلو سے نہیں ملتی، بلکہ سیلفر نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ وہ دس وصیتیں جن کے توریت سے ماخوذ ہونے پر تقریباً تمام محققین کا اتفاق ہے وہ بھی اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہیں، ڈاکٹر وصفی اپنی کتاب ''الارتباط الزمنی'' میں رقمطراز ہیں کہ اصل توریت اسی وقت نذر آتش ہوگئی تھی جب بخت نصر نے یروشلم کو خاکستر کرنے اور یہودیوں کو بابل جلاوطن کرنے کے بعد ہیکل سلیمانی میں آگ لگادی تھی۔

مختصر یہ کہ موجودہ توریت بالکل من گھڑت اور باطل ہے، یہودی اپنی خواہشات کے موافق اس میں تبدیلیاں کرتے رہے ہیں۔

عبد اللہ التل نے اپنی کتاب ''جذور البلاء'' میں توریت کے ان بنیادی نقاط کی طرف اجمالاً اشارہ کیا ہے جن کی بنا پر پوری دنیا پریشانی اور تباہی میں مبتلا ہے اور پوری انسانیت صدیوں سے محرومی، بدبختی اور لا علاج سماجی، اخلاقی، تہذیبی اور اقتصادی امراض کا شکار

چلی آرہی ہے۔محرف توریت میں مندرجہ ذیل باتوں کی علانیہ تلقین کی گئی ہے:۔

(۱) جھوٹے وعدے (۲) رب العالمین کی ناشکری (۳) نسل پرستی، تعصب اور علاحدگی پسندی (۴) سنگدلی اور بربریت (۵) فسق وفجور، فحاشی وزناکاری، بدکاری وبداخلاقی (۶) ظلم وسرکشی (۷) خیانت وچوری اور مادی حرص ولالچ (۸) دوسروں کو غلام بنانا (۹) مکاری، عداوت ودشمنی اور غداری اور بغض وحسد (۱۰) کسی بھی ذریعہ سے مقصد براری (۱۱) بزدلی اور نفاق (۱۲) احسان فراموشی اور ہٹ دھرمی (۱۳) استحصال اور ناجائز قبضہ (۱۴) کذب بیانی (۴)۔

تلمود:

تلمود کے دو حصے ہیں: (۱) مشنہ (۲) گیمارا۔

مشنہ اصل متن ہے، یہودیوں نے توریت کے بعد بطور قانون کے اس کو وضع کیا تھا، بعد میں یہوذا اہاناس نے ۱۹۰ء–۲۰۰ء کے درمیان اس کو مدون کیا تھا۔

گیمارا مشنہ کی شرح ہے، اس کے دو جزء ہیں (۱) گیمارا یروشلم، (۲) گیمارا بابل۔

گیمارا فلسطین ان بحثوں اور مناقشوں پر مشتمل ہے جو فلسطین کے یہودی عالموں خصوصاً طبریہ کے یہود کے درمیان مشنہ کی شرح وتوضیح کے دوران ہوئے، یہ کتاب تقریباً ۴۰۰ء میں مدون ہوئی۔

گیمارا بابل ان مناقشوں پر مشتمل ہے جو مشنہ کی ہدایات وتعلیمات کے متعلق ہوئے، اس کو بابل کے یہودی علماء نے تقریباً ۵۰۰ء میں جمع کیا، اب مشنہ کو اس کی شرح گیمارا یروشلم کے ساتھ تلمود یروشلم کہا جاتا ہے اور گیمارا بابل کو تلمود بابل کہا جاتا ہے۔

تلمود کے شروع کے ایڈیشنوں میں عیسائیت اور عیسائیوں کے خلاف شدید عداوت، نفرت اور ''صلوٰتیں'' ملتی ہیں، لیکن عیسائیوں کے شدید احتجاج پر یہودیوں نے توریت میں عیسائیت اور عیسائیوں کے خلاف استعمال کی گئی نازیبا باتیں حذف کردیں اور توریت میں مختلف صفحات میں جگہیں خالی اور سفید ہیں، لیکن یہودی تعلیمی اداروں میں آج بھی یہ باتیں

پڑھائی جاتی ہیں بلکہ پمفلٹ اور کتابچوں کی شکل میں تقسیم کی جاتی ہیں (۵)۔

تلمود کے مطالعہ اور جائزہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تلمود کا بنیادی فلسفہ پوری نوع انسانی کو یہودیوں کی خدمت کے لئے مسخر کرنا، تمام تہذیبوں وثقافتوں کا خاتمہ اور دیگر صحف آسمانی کو منسوخ قرار دینا ہے، تاکہ انسانیت دشمن فلسفہ کو پوری زمین پر رائج کیا جاسکے اور مملکتِ اسرائیل کو بقاو تحفظ حاصل ہو سکے۔

تلمودی تعلیمات کے چند نمونے

۱۔ ہر یہودی پر لازم ہے کہ وہ اپنی قوم کے لئے اقتدار اور حکومت کو باقی رکھنے کے لئے دوسری تمام قوموں کو آگے بڑھنے سے روکے اور زمین پر قبضہ کرنے سے ان کو باز رکھے۔

۲۔ تمام قوموں کی دولت یہودیوں کے خزانوں میں جمع ہو جائے گی جن کی کنجیوں اور تالوں کو تین سو سے کم گدھوں پر اٹھانا ممکن نہیں ہوگا۔

۳۔ یہودی اللہ کے نزدیک فرشتوں سے بھی زیادہ معتبر ہے، لہٰذا اگر کوئی غیر یہودی کسی یہودی کو مارے گا تو گویا کہ وہ خدائی عظمت وجلال کو للکارے گا۔

۴۔ اگر یہودی پیدا نہ کئے گئے ہوتے تو روئے زمین سے برکت ختم ہو جاتی، نہ بارش ہوتی نہ سورج نکلتا۔

۵۔ جانور اور انسان کے درمیان وہی فرق ہے جو یہود اور غیر یہود میں فرق ہے۔

۶۔ غیر یہود کتوں کے مانند ہیں اور خوشی کے دن صرف یہودیوں کے لئے ہیں، غیروں کے لئے خوشی کا کوئی دن نہیں۔

۷۔ یہودی کو چاہئے کہ وہ کتوں کو کھلائے اور غیر یہودیوں کو گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ کھلائے، بلکہ کتے کو کھلا دے، اس لئے کہ کتا ان سے افضل ہے۔

۸۔ یہودیوں کے مذہب سے الگ رہنے والے صرف کتے ہی نہیں، بلکہ گدھے ہیں، زندگی کا حق تو صرف یہود کو ہے، بقیہ قومیں گدھے کی طرح خادم ہیں۔

۹۔ غیر یہود کے مکانات جانوروں کے باڑے ہیں۔

۱۰۔ یہودیوں کی روحوں کا منبع و سرچشمہ اللہ کی روح ہے، اور غیر یہودیوں کی روحوں کا منبع گندی روحیں ہیں، یہودیوں کے مذہب سے الگ رہنے والا نجس خنزیر کی طرح ہے جو جنگل میں رہتا ہے۔

۱۱۔ یہودیوں کے علاوہ دوسرے تمام لوگ گھوڑے کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں، اللہ نے غیر یہودی کو انسان کی شکل میں اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ وہ یہودیوں کی خدمت کا فریضہ انجام دے سکے جن کے لئے پوری دنیا پیدا کی گئی ہے۔

۱۲۔ یسوع یہودی مذہب سے مرتد ہو گئے اور بتوں کی پوجا کی، اب جو بھی عیسائی ان کی اتباع کرے گا وہ اللہ اور یہودیوں کا دشمن ہوگا۔

۱۳۔ کسی یہودی کے لئے یہ جائز ہی نہیں کہ وہ کسی غیر یہودی پر شفقت کرے۔

۱۴۔ یہودی کا یہ حق ہے کہ وہ غیر یہودی کو دھوکہ دے اور ضرورت پڑنے پر اس کے ساتھ نفاق سے کام لے۔

۱۵۔ جو ختنہ نہ کرے وہ شریر کافر ہے اور مسلمان جو ختنہ کرتے ہیں وہ بدترین کافر ہیں، اس لیے کہ ان کا ختنہ صحیح ختنہ نہیں ہوتا۔

۱۶۔ یہودی کے لئے جائز ہے کہ وہ غیر یہودی کے شر سے بچنے کے لئے ظاہراً دوستی کا اظہار کرے اور باطناً اس سے دشمنی اور عداوت رکھے۔

۱۷۔ یہودی کے لئے ضروری ہے کہ وہ غیر یہودی پر غلبہ حاصل کرے، اسی طرح یہود کو حق ہے کہ وہ دنیا و مافیہا پر قبضہ کریں۔

۱۸۔ یہودی کے لئے جائز ہے کہ وہ غیر یہودی کو تجارت اور دیگر معاملات میں دھوکہ دے۔

۱۹۔ اگر کوئی یہودی دو فریقین کے درمیان حکم بنے تو وہ یہودی ہی کے حق میں فیصلہ دے اس کے لئے چاہے جھوٹ اور مکاری سے کام لینا پڑے۔

۲۰۔ کسی یہودی کے لئے یہ جائز ہی نہیں کہ وہ غیر یہودی کو بغیر سود کے قرض دے

اور سود یہودیوں کے درمیان تو حرام ہے لیکن غیر یہود کے ساتھ سود کا معاملہ مباح ہے۔

۲۱۔ غیر یہودیوں میں سے نیک لوگوں کا قتل کرنا واجب ہے، اور یہودی پر یہ حرام ہے کہ وہ کسی غیر یہودی کو تباہی سے بچائے یا کسی غار میں گرنے سے روکے، بلکہ اس کو چاہئے کہ جب وہ کسی غار میں گر جائے تو اوپر سے مٹی ڈال کر اسے بند کر دے۔

۲۲۔ جو بھی کسی غیر یہودی کو قتل کرتا ہے وہ اللہ کے سامنے ایک قربانی پیش کرتا ہے۔

۲۳۔ کافروں میں سب سے زیادہ خطرناک مسیح اور اس کے متبعین ہیں۔

۲۴۔ غیر یہودیوں کے ساتھ زنا جائز ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، اور ایسا کرنے والے کو کوئی سزا نہیں ہوگی۔

۲۵۔ جو یہودی خواب میں اپنی ماں کے ساتھ زنا کرتا ہے اسے حکمت ملتی ہے، جو اپنی منگیتر کے ساتھ منہ کالا کرتا ہے وہی پابند شریعت ہوتا ہے، جو خواب میں اپنی بہن کے ساتھ زنا کرتا ہے اسے عقل و دانائی کی روشنی ملتی ہے اور جو خواب میں اپنے کسی رشتہ دار کی بیوی سے زنا کرتا ہے اسے ابدی زندگی نصیب ہوتی ہے۔

۲۶۔ یہودی کے لیے جائز ہے کہ وہ جس طرح چاہے جنسی خواہشات کی تکمیل کرے اور فحاشی کا ارتکاب کرے۔

۲۷۔ یہودی خاتون کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے شوہر کی اس بات کی شکایت کرے کہ وہ اس کے بستر پر زنا کرتا ہے۔

۲۸۔ بیوی کے ساتھ لواطت کرنا جائز ہے، اس لیے کہ بیوی اس کے لیے گوشت کے اس ٹکڑے کی طرح ہے جسے وہ قصائی سے خریدتا ہے، اب اسے حق ہے کہ وہ اس گوشت کو پکا ہوا کھائے یا بھنا ہوا کھائے۔

۲۹۔ یہودی کے لیے کسی معاہدہ اور قسم کی پابندی ضروری نہیں ہے۔

۳۰۔ یہودی کے لئے جائز ہے کہ وہ جھوٹی قسم کھائے اور اپنے قول کے خلاف کرے۔

۳۱۔ مسیح پاگل، جادوگر، بت پرست اور کافر ہے اور مسیحی بھی کافر ہیں۔

۳۲۔ عیسائیوں کے کلیسا گمراہوں کے ٹھکانے ہیں اور بتوں کے مندر ہیں، لہٰذا یہودی کے لیے ضروری ہے کہ وہ انہیں منہدم کر دے۔

۳۳۔ نصرانیوں کی انجیلوں کو جلانا واجب ہے، اس لیے کہ یہ عین گمراہی اور ظلم ہیں۔

۳۴۔ ہر یہودی پر لازم ہے کہ وہ دن میں تین مرتبہ عیسائیوں پر لعنت بھیجے اور ان کی ہلاکت و بربادی کی دعا کرے۔

۳۵۔ نصرانیوں کے یسوع جہنم میں ہیں اور ان کی ماں مریم نے ان کو فوجی باندرا سے زنا کر کے جنا ہے۔

۳۶۔ تلمود دنیا کی تخلیق سے پہلے موجود تھی اور اگر یہ نہ ہوتی تو پوری دنیا ختم ہو جاتی، جو بھی اس کے ایک حرف کی بھی مخالفت کرے گا وہ مرجائے گا۔

۳۷۔ اللہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر تلمود کی تلاوت کرتا ہے۔

۳۸۔ جب اللہ اور دو حاخاموں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو حق حاخاموں کے ساتھ ہوگا (۶)۔

مذکورہ بالا تلمودی تعلیمات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہودیوں نے اپنی منشا اور نفس کے مطابق کس طرح توریت میں تحریف کی ہے، ذرہ برابر بھی عقل رکھنے والے کو یہ ماننے میں ذرا بھی تردد نہیں ہوگا کہ دنیا میں ہر طرح کے اخلاقی، سماجی، اقتصادی، اور سیاسی فساد اور بگاڑ کا سبب یہی تلمودی تعلیمات ہیں۔

صہیونی دانشوروں کے پروٹوکول:

یہ وہ دستاویز ہے جو باسل کانفرنس کی مخفی قراردادوں پر مشتمل ہے، عرصہ دراز تک یہ خطرناک دستاویز پردۂ خفا میں رہی، ایک خاص گروہ کے علاوہ یہودیوں کے بڑے علماء بھی اس سے واقف نہ تھے، لیکن ایک فرانسیسی خاتون نے فری میسن کلب میں کام کر کے اس کو حاصل کرلیا، پھر یہ دستاویز مشرقی روس کے ایک بڑے صاحب اثر و رسوخ الیکس نیقولا نیوتیچ Alex Nikola Navtech کے ہاتھ لگ گئی جس نے ۱۹۰۱ء میں ایک روسی محقق سرجی

نائلسSergei A. Nilus کے سپرد کردی، سرجی نائلس نے ۱۹۰۲ء میں روسی زبان میں اس کو محدود تعداد میں شائع کردیا، اس دستاویز کے منظر عام پر آتے ہی یہودیوں کا مجرمانہ چہرہ دنیا کے سامنے آگیا اور یہودی حیران وششدر ہوگئے کہ یہ مخفی دستاویز کیسے منظر عام پر آئی، دوسری طرف روس کے مختلف حصوں میں یہودیوں کا قتل عام شروع ہوگیا، اس کے بعد اس دستاویز کے مختلف زبانوں میں ترجمے شائع ہوئے۔

اس دستاویز میں ۲۴ پروٹوکول ہیں، اس کا بنیادی مقصد یہودیوں کی ایک عالمی حکومت قائم کرنا ہے کہ پوری دنیا اس کے اشارہ پر چلے، اس کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں وہ تدابیر اور لائحہ عمل بیان کیا گیا جس کے ذریعہ یہودی مملکت قائم کی جائے گی۔

دوسرے حصہ میں وہ طریقہ بیان کیا گیا جس کو یہودی مملکت قائم ہوجانے کے بعد اختیار کریں گے (۷)۔

صہیونی تصور زندگی

ذیل میں ہم صہیونیت کے اہم افکار وعقائد ذکر کرتے ہیں، صہیونی عقائد وافکار کا دارمدار خود یہودیوں کی تحریف کردہ کتابیں اور دانشوران صہیون کی دستاویزات ہیں جن میں ان کے طریق عمل، نظریات، مقاصد کی تکمیل کے لیے وسائل وذرائع کی تفصیل موجود ہے، یہ دستاویز صہیونی فکر وصہیونی تصور حیات کی آئینہ دار ہے۔

۱۔صہیونیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا کے تمام یہودی ایک نسل اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲۔صہیونیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا پر حکمرانی صرف یہودیوں کا حق، ہے اس مقصد کا حصول اس طور پر ممکن ہے کہ دریائے نیل سے لے کر دریائے فرات تک کے علاقہ پر سلطنت قائم کی جائے، تاکہ پوری دنیا پر قبضہ وکنٹرول حاصل ہوجائے۔

۳۔صہیونیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہود اللہ کی پسندیدہ قوم ہیں اور پوری نسل انسانیت ان کی خادم ہے۔

۴۔صہیونیوں کا یہ خیال ہے کہ دنیا پر کنٹرول وغلبہ حاصل کرنے کا سب سے صحیح

راستہ غنڈہ گردی، دہشت گردی، اور تشدد کا راستہ ہے آج صہیونیت اسی راستہ پر گامزن ہے فلسطین خصوصاً غزہ میں وحشیانہ اور ظالمانہ کارروائیاں اس کا بین ثبوت ہیں۔

۵۔ صہیونی سیاسی آزادی کی آڑ میں عوام الناس کو اپنے دام میں پھنسانے اور مختلف ہتھکنڈوں اور چالوں سے انہیں اپنا ہمنوا و ہم خیال بنانے کے فن میں نہایت طاق ہیں۔

۶۔ صہیونی کہتے ہیں کہ اب دین کے غلبہ اور اثر و نفوذ کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، یہ مال و زر اور دولت و ثروت کا زمانہ ہے، چنانچہ پوری دنیا پر حکومت کرنے کے لیے سونے کے ذخائر پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔

۷۔ صہیونی کہتے ہیں کہ سیاست میں اخلاقی قدروں کے لئے کوئی گنجائش نہیں، بلکہ سیاست کی اصطلاح میں ان کو گھٹیا عادات سے تعبیر کرتے ہیں، وہ سیاست میں مکر وفریب، غداری وخیانت، اور جھوٹ ومکاری جیسی کمینہ خصلتوں کے اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں، عالمی سیاست ان کے اس نظریہ کی عکاسی کر رہی ہے۔

۸۔ صہیونی اس کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ عربوں اور مسلمانوں کو برائیوں میں غرق کر دیا جائے اس مقصد کے لیے مسلم ملکوں میں فحاشی کے اڈے قائم کیے جاتے ہیں، عورتوں کو استعمال کرتے ہیں، اور مسلم آبادیوں میں ایسے معلمین اور معلمات بھیجی جاتی ہیں جن کے ذہن فاسد ہوتے ہیں، یہ طلبہ کو بے راہ روی، اخلاقی وجنسی انارکی، بے حیائی اور اخلاق سوز حرکتوں پر آمادہ کرتے ہیں۔

۹۔ صہیونیت کا یہ عقیدہ ہے کہ مقصد کے حصول کے لئے رشوت، مکر وفریب اور خیانت وغداری کو بلا جھجک وتردد اختیار کرنا چاہئے۔

۱۰۔ صہیونی معاشرہ میں خوف ودہشت کا ماحول پیدا کرتے ہیں تا کہ ان کی کمزوری پر پردہ پڑا رہے اور لوگ ان کی اندھی تقلید وفرمانبرداری کرتے رہیں، یہ بھی پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ان کے پاس بڑے وسائل اور طاقت وقوت ہے، تا کہ کوئی دوسرا ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

۱۱۔صہیونی خوشنما عنوانات اور پرکشش نعروں کے ذریعہ دنیا کو دھوکہ دیتے ہیں، مثلاً کبھی آزادیٔ رائے کی بات کرتے ہیں، تو کبھی مساوات و بھائی چارگی کی آواز بلند کرتے ہیں، اس طرح وہ لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کر لیتے ہیں۔

۱۲۔صہیونی کہتے ہیں کہ ہم کو علم اور مال دونوں میدانوں میں تفوق و غلبہ اور اجارہ داری حاصل کرنی چاہئے تاکہ پوری دنیا ہماری محتاج رہے، آج عالمی اداروں پر یہودی ساہوکاروں کا قبضہ ہے اور عالمی طاقتوں کے مدبرین و مفکرین اور منصوبہ ساز یہودی ہی ہیں۔

۱۳۔صہیونی عالمی قائدین کو اپنے قبضہ و کنٹرول میں رکھتے ہیں، اور اپنی مرضی و خواہش کے مطابق حکمراں تبدیل کرتے ہیں، اور ایسے لوگوں کو اقتدار کی کرسیوں پر بٹھاتے ہیں جو نااہل، ناتجربہ کار اور انتہائی بداخلاق و بدکردار ہوتے ہیں، ملک و قوم کے غدار ہوتے ہیں۔

۱۴۔صہیونیوں نے ساری دنیا پر حکومت کرنے کے لئے جس طرح سونے کے ذخائر پر قبضہ کرنا ضروری قرار دیا ہے اسی طرح ذرائع ابلاغ کو بھی بڑی اہمیت دی ہے، صہیونی دانشوروں کے پروٹوکول میں ذرائع ابلاغ کے اختیار کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ: اگر ہم یہودی پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے سونے کے ذخائر پر قبضہ کو مرکزی اور بنیادی اہمیت دیتے ہیں تو ذرائع ابلاغ بھی ہمارے مقاصد کے حصول کے لئے دوسرا اہم درجہ رکھتا ہے، ہم میڈیا کو اپنے کنٹرول میں رکھیں گے، ہم اپنے دشمنوں کے قبضے میں کوئی ایسا موثر اور طاقتور اخبار نہیں دیں گے کہ وہ اپنی رائے کو موثر ڈھنگ سے ظاہر کرسکیں اور نہ ہی ہم اس قابل رکھیں گے کہ ہماری نگاہوں سے گزرے بغیر کوئی چیز سماج تک پہونچ سکے، ہم ایسا قانون بنائیں گے کہ کسی ناشر اور پریس والے کے لئے یہ ناممکن ہوگا کہ وہ پیشگی اجازت لئے بغیر کوئی چیز چھاپ سکے، اس طرح ہم اپنے خلاف کسی بھی سازش یا معاندانہ پروپیگنڈے سے باخبر ہو جائیں گے، ہمارے قبضہ و تصرف میں ایسے اخبارات و رسائل ہوں گے جو مختلف گروہوں اور جماعتوں کی تائید و حمایت کریں گے خواہ یہ جماعتیں جمہوریت کی داعی ہوں یا انقلاب کی حامی حتیٰ کہ ہم ایسے اخبارات کی بھی سرپرستی کریں گے

جو انتشار و بے راہ روی، جنسی و اخلاقی انارکی، استبدادی حکومتوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی مدافعت اور حمایت کریں گے، ہم جب اور جہاں چاہیں گے قوموں کے جذبات کو مشتعل کریں گے اور جب مصلحت دیکھیں گے تو انہیں پرسکون کردیں گے اس کے لئے صحیح اور جھوٹی خبروں کا سہارا لیں گے، ہم ایسے اسلوب میں خبروں کو پیش کریں گے کہ قومیں اور حکومتیں ان کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں، ہم اس کام میں پوری احتیاط برتیں گے کہ پہلے سے ٹھونک بجا کر اور اچھی طرح نبض ٹٹول کر اقدام کریں، ہمارے اخبارات ورسائل ہندوؤں کے معبود ''وشنو'' کی طرح ہوں گے جس کے سینکڑوں ہاتھ ہوتے ہیں، ہمارے پریس کا یہ بنیادی کام ہوگا کہ وہ مختلف موضوعات اور کالموں کے ذریعہ رائے عامہ کی نبض پر ہاتھ رکھے رہے، ہم یہودی ایسے مدیروں، ایڈیٹروں اور نامہ نگاروں کی ہمت افزائی کریں گے جو بدکردار ہوں اور انکا مجرمانہ ریکارڈ ہو، ہمارا یہی معاملہ بدعنوان سیاستدانوں اور لیڈروں اور مطلق العنان حکمرانوں کے ساتھ ہوگا جن کی ہم خوب تشہیر کریں گے، ان کو دنیا کے سامنے ہیرو بنا کر پیش کریں گے لیکن جیسے ہی محسوس کریں گے کہ وہ ہمارے ہاتھ سے نکلے جا رہے ہیں بس فوراً ہم ان کا کام تمام کردیں گے تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ہو، ہم یہودی ذرائع ابلاغ کو خبررساں ایجنسیوں کے ذریعہ کنٹرول کریں گے، ہم دنیا کو جس رنگ کی تصویر دکھانا چاہیں گے وہ پوری دنیا کو دیکھنا ہوگا، جرائم کی خبروں کو ہم تفصیل سے غیر معمولی اہمیت دیں گے تاکہ پڑھنے والوں کا ذہن تیار ہو، اس انداز سے کہ قاری کو مجرم کے ساتھ ہمدردی ہو جائے۔

۱۵۔ صہیونی کہتے ہیں کہ ہم حکمرانوں کو رعایا سے اور رعایا کو حکمرانوں سے دور رکھیں گے، تاکہ حکمراں ہمارے محتاج ہوں اور بغیر ہمارے تعاون کے ایک قدم آگے نہ بڑھا سکیں، ٹھیک اس اندھے کی طرح جو ڈنڈے کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتا۔

۱۶۔ صہیونی کہتے ہیں کہ ہم دنیا کی تمام طاقتوں کے درمیان دشمنی، بغض وعناد اور کشمکش و جنگ کی آگ بھڑکائیں گے تاکہ آپس میں لڑ کر ساری طاقتیں کمزور ہو جائیں اور

حکومتیں ختم ہوجائیں پھر ہم ان کی جگہ پر اپنی عالمی حکومت قائم کریں گے۔

۱۷۔ کمزور وغریب قوموں اور ملکوں کے سامنے ہم ایک مسیحا اور آزادی دلانے والے کی شکل میں آئیں گے، اور ان کو اپنے گروہ میں شامل ہونے پر آمادہ کریں گے، ان کے فقر وفاقہ کو دور کر کے ان کی ہمدردی حاصل کریں گے اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ان کو استعمال کریں گے۔

۱۸۔ سونے کے ذخائر پر قبضہ کر کے ہم دنیا میں اقتصادی مسائل اور بحران پیدا کریں گے تاکہ سب ہمارے محتاج رہیں۔

۱۹۔ ہم اپنے دفاع کے لئے دوسروں کو استعمال کریں گے،، برطانیہ اور امریکہ کی اندھی تائید وحمایت اس کی دلیل ہے۔

۲۰۔ آزادی کے نام پر ہم لوگوں میں خدا ودین کے خلاف بغاوت پیدا کر کے ان پر اپنی سیاسی بالادستی اور قبضہ حاصل کریں گے۔

۲۱۔ صہیونی کہتے ہیں کہ ہم خوشنما وپرکشش عنوانات اور نعروں کے ذریعہ انسانوں کو خدا بیزار بنائیں گے، اور دینی ومذہبی تعلیمات وہدایات سے دور رکھیں گے، آزادی اور مساوات کے نعرے اس کی بین دلیل ہیں۔

۲۲۔ صہیونی کہتے ہیں کہ ہماری ایک ناقابل تسخیر مخفی تنظیم ہوگی جو خاموشی کے ساتھ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے کوشاں رہے گی، اس کے ممبران ہمیشہ بدلتے رہیں گے اور اس کے ذریعہ عالم اسلام کے حکمرانوں پر کنٹرول رکھا جائے گا، یہ مخفی قوت وتنظیم فری میسن کلب کے نام سے جانی جاتی ہے،، جس کے سارے عالم میں کلب قائم ہیں۔

۲۳۔ صہیونی کہتے ہیں کہ ہم قوموں سے دینی اسپرٹ ختم کردیں گے، ذات باری تعالیٰ کا تصور ذہنوں سے مٹادیں گے، اور دینی عقائد ومسلمات کی جگہ مادی افکار وخیالات کو رواج دیں گے، اس لئے کہ جب تک دین ومذہب اور ایمان وایقان کا غلبہ رہے گا وہ ہمارے مقاصد کی تکمیل کی راہ میں روڑا بنیں گے، اور خدا بیزار اور دین بیزار بنانے کے بعد

ہماری کوشش رہے گی کہ وہ دوبارہ دین اختیار نہ کرسکیں اور وہ اپنے دشمن سے بے خبر رہیں۔

۲۴۔ ہماری یہ کوشش ہوگی کہ عالم اسلامی کی دولت وثروت اور تیل اور سونے کے معدنیات وذخائر ہمارے قبضے میں رہیں۔

۲۵۔ ہم ایسے معاشرے قائم کریں گے جو انسانیت، اخلاقی قدروں اور انسانی جذبات سے عاری ہوں گے، مادیت اور شہوانیت کا غلبہ ہوگا، قوانین وضوابط سے آزاد ہوں گے، اور زن وزر کے دام میں پھنسا کر لوگوں کو اپنے قابو میں رکھیں گے اور مرضی کے مطابق ان کو استعمال کریں گے۔

۲۶۔ دنیا کی بڑی طاقتوں اور عالمی اداروں کے اہم اور کلیدی عہدوں ومناصب پر ہمارا قبضہ ہوگا، عالمی سیاست کی باگ ڈور ہمارے وظیفہ خواروں کے ہاتھوں میں ہوگی، اس طرح ہم اپنے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو دبادیں گے اور مخالفین کا صفایا کردیں گے۔

۲۷۔ ہم نے دنیا کے تمام ملکوں میں اختلاف وافتراق اور انتشار وخلفشار کے بیج بودیے ہیں خصوصاً عالم اسلام میں مادی اور قومی مفادات کے درمیان ٹکراؤ پیدا کردیا ہے، نسل پرستی اور دینی کشمکش کی آگ بھڑکا دی ہے اور مسلسل اس مہم میں لگے ہوئے ہیں، ہم نے اتنا اثر ورسوخ حاصل کرلیا ہے کہ کوئی بھی ملک ہماری موافقت کے بغیر نہ تو کوئی معاہدہ کرسکتا ہے اور نہ ہمارے خلاف کسی دوسرے سے تائید وحمایت ہی حاصل کرسکتا ہے کیونکہ ملکوں کی ماسٹر کی Master Key ہمارے ہاتھ میں ہیں۔

۲۸۔ صہیونی کہتے ہیں کہ اللہ نے دنیا کی قیادت وسیادت کے لئے ہمارا انتخاب کیا ہے اور ہمارے اندر ایسی خصوصیات اور خوبیاں ودیعت کی ہیں جو دوسری قوموں میں نہیں پائی جاتیں، ہم اللہ کی پسندیدہ قوم ہیں۔

۲۹۔ قوموں کے جذبات بھڑکا کر ہم ان کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کریں گے اور دوسروں کے افکار وخیالات کی ایسی تشریح وتوضیح کریں گے جو ہمارے مفادات ومقاصد کے موافق ہوگی۔

۳۰۔ ہماری بڑی توجہ عوام الناس پر ہوگی، ان کے ذہن ودماغ کو ایسے سانچے میں ڈھالیں گے کہ وہ ہماری ہر بات پر آمنا وصدقنا کہیں گے، اچھے برے کے درمیان فرق کی صلاحیت سلب کرلیں گے، ہم ان کا ایسا ذہن بنائیں گے کہ وہ ہماری افواہوں اور پروپیگنڈے کو حقائق پر محمول کریں گے، اس مقصد کے حصول کے لئے ایسی تنظیمیں تشکیل کریں گے جن کے ممبر اپنی سحر انگیز تقریروں اور بیانات کے ذریعہ لوگوں کو ہمارا ہمنوا بنائیں گے، اور ملک کے کاروبار اور انتظام وانصرام سے بے خبر کردیں گے، اس طرح حکمرانوں کو اپنے قبضہ وکنٹرول میں رکھ کر اپنے مقاصد بآسانی حاصل کرلیں گے۔

۳۱۔ تضاد اور تناقض کا ماحول بنائیں گے، اشتعال انگیزی کے ذریعہ خواہشات وجذبات کو بھڑکائیں گے۔

۳۲۔ سپر پاور کے ذریعہ دنیا کے مختلف نظامہائے حکومت پر کنٹرول رکھیں گے، اور تمام حکمرانوں کو اپنی مرضی وخواہش کے مطابق استعمال کریں گے۔

۳۳۔ عالمی صنعت وتجارت پر قبضہ کر کے لوگوں کو عیش پسندی، لذت اندوزی اور اخلاقی بے راہ روی اور جنسی انارکی کا عادی اور رسیا بنادیں گے اور قرض کے طریقے آسان کر کے تمام قوموں کو اپنے قرض کے بوجھ میں دبادیں گے، اس طرح وہ ہمارے غلام بن جائیں گے۔

۳۴۔ سیاست میں متضاد پالیسی اختیار کریں گے، اور مکروفریب، غداری ومکاری اور جعلسازی سے دریغ نہ کریں گے، اپنے عزائم وارادوں کو پردۂ خفا میں رکھیں گے۔

۳۵۔ ہمارے راستہ میں جو بھی روڑا بنے گا اس کا بے رحمی سے صفایا کردیا جائے گا

۳۶۔ اپنے دائرہ اقتدار کو وسیع کرنے کے لئے فری میسن کلب کا جال پھیلا جائے گا۔

۳۷۔ عائلی وخاندانی نظام کو تباہ وبرباد کردیں گے، معاشرہ کے ہر فرد میں انانیت، خودغرضی اور ذاتی منفعت اور نفع اندوزی کا رجحان پیدا کردیں گے۔

۳۸۔ ہم نے الیکشن اور اکثریت کا نظام بنایا تاکہ ہم خیال امیدوار کے حق میں

فضاہموار کر کے کرسی اقتدار تک پہونچا سکیں۔

۳۹۔ بدعنوانوں وبد کرداروں کو اقتدار پر قابض کرائیں گے اور ان کے کالے کرتوتوں کا ریکارڈ اپنے قبضہ میں رکھیں گے تاکہ جب چاہیں ان کو بدنام کردیں گے، بدنامی کے خوف سے وہ ہمارے تابع رہیں گے۔

۴۰۔ انقلابات اور بغاوتوں کے ذریعہ اپنے مقاصد کی تکمیل کریں گے۔

۴۱۔ دنیا کے نشرواشاعت کے اداروں پر قبضہ کریں گے، جو بھی ناشر ہماری مخالفت کرے گا اس کے ادارہ کو بند کردیں گے۔

۴۲۔ دنیا پر اقتدار اور حکمرانی حاصل ہونے کے بعد ادیان ومذاہب کا نام ونشان مٹادیں گے صرف ہمارا مذہب رائج ہوگا۔ (۸)

آج دنیا کی حکومتوں میں صہیونیت کا اثر ورسوخ صاف نظر آرہا ہے کہ وہ سب صہیونی مفادات ومقاصد کی معاون ومحافظ ہیں، صہیونیت ہی اسرائیل کی قیادت کررہی ہے، فری میسن کلب صہیونی رہنمائی میں کام کررہے ہیں، عالمی قائدین اور دانشور صہیونیت کے شکنجہ میں ہیں، وہ وہی سوچتے ہیں جو صہیونیت چاہتی ہے، یورپ اور امریکہ میں سیکڑوں صہیونی تنظیمیں کام کررہی ہیں، جو ظاہراً تو انسانی ہمدردی کے نام پر کام کررہی ہیں؛ لیکن حقیقتاً وہ سب یہودی مفادات کی محافظ ہیں۔

صہیونی مسیحیت

جدید مغربی تہذیب کی ترتیب وتشکیل میں جو بنیادی تصورات پائے جاتے ہیں، وہ عیسائیت اور یہودیت کے ایک ایسے طبقہ کے خود ساختہ مذہبی تصورات ہیں جو انتہا درجہ کا متعصب، شدت پسند اور مفاد پرست ہے، پرواز رحمانی لکھتے ہیں:۔

امریکہ میں مصیبت کی جڑ ''صہیونی مسیحیت'' ہے، جس نے صہیونی یہودیت کی کوکھ سے جنم لیا ہے، صہیونی یہودیوں نے (جن کے ہاتھ میں امریکی معیشت، دولت وثروت اور ذرائع ابلاغ کی کلید ہے، اور جو بالآخر امریکہ پر اس درجہ تسلط رکھتے ہیں کہ سارے صدور اور حکمراں خواہی نہ خواہی ان کی مرضی سے انحراف کرنے کی جرأت نہیں کر پاتے) اور امریکی مسیحیوں کی معتد بہ تعداد کو شیشے میں اتار کر انہیں صہیونیت گزیدہ بنادیا ہے، انہیں ان خرافاتی عقیدوں پر ایمان لانے پر مجبور کردیا ہے، کہ وہ اور مسیحی دونوں بھائی ہیں، دونوں اللہ کی چیدہ وپسندیدہ قوم ہیں، دونوں کو اللہ نے زمین پر اپنی مشیت کو برپا کرنے کے لئے منتخب کیا ہے، لہٰذا دونوں سارے افراد بشر سے اعلی وارفع ہیں، دیگر فرزندان آدم ان کے نزدیک کسی شمار قطار میں نہیں ہیں، اس لئے یہ دونوں مشیت الٰہی کو بروئے کار لانے کے لئے انہیں دھوکا دینے، ان کا استحصال کرنے، ان کے ساتھ ہر طرح کی تذلیل، تحقیر، تمسخر اور قتل وغارت گری کا مقابلہ کرنے کا ہمہ گیر جواز رکھتے ہیں، صہیونی مسیحی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان پر فرض ہے کہ وہ اللہ کی مدد کریں اور اسرائیل کا سیاسی واجتماعی بازو بن کر اللہ کے پیغامات کو عملی جامہ

پہنائیں اور جسم مسیح کے ذریعہ صرف انجیلی منصوبے کو بروئے کار لانے پر اکتفانہ کریں''۔(۹)۔

جدید مغربی تہذیب کا علم بردار یہ طبقہ جس کی اصل پہچان ''صہیونی مسیحیت'' ہے انتہائی منظم اور اسلام اور مسلمان دشمنی میں یک جان اور مکمل طور پر متحد ہے۔

مغرب کا صہیونی مسیحیت کا شدت پسند گروہ انتہائی منظم انداز میں اسلامی تحریکات کے خلاف مدت دراز سے سازشیں کرنے میں مصروف ہے، صہیونی مسیحیت نے دھوکہ دہی اور عدم حقیقت کے ذریعہ مغربی رائے عامہ کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر وہ مسلمان جو اپنی زندگی اصول، عقیدے اور نظریے کی بنیاد پر گزار رہا ہے، یا مسلمانوں کا وہ طبقہ جو مسلمانوں کے مجموعی مفادات کے تحفظ کو یقینی بنانے کی جدوجہد کر رہا ہے وہ بنیاد پرست، انتہا پسند اور دہشت گرد ہے۔

صہیونی مسیحیت کے اس شدت پسند گروہ میں شامل افراد کئی طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں، مغربی دنیا کے کئی قابل ذکر حکمراں اسی گروہ کے کلیدی ذمہ دار کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرتے رہے ہیں، جن میں امریکی صدور لائنڈ رون لی جانسن، جمی کارٹر، رونالڈ ریگن اور جارج بش جونیئر کے نام قابل ذکر حیثیت سے موجود ہیں۔

صہیونی مسیحیت کے عقائد کو سیاسی طور پر برپا کرنے کے لیے مندرجہ ذیل امور پر عمل کیا جارہا ہے:۔

۱۔ یہودی اللہ کی چیدہ قوم ہیں، لہٰذا ریاست اسرائیل کی حمایت اور ہر طرح سے اس کی مدد مسیحیوں پر بھی فرض ہے۔

۲۔ یہ ایمان رکھنا مسیحیوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ اللہ نے قوم یہود کو ارض مقدس فلسطین عطا کردی ہے، لہٰذا وہاں بنائی جارہی کالونیوں اور فتح کی ہوئی زمینوں کے یہودیانے کی حمایت واجب ہے۔

۳۔ شہر قدس یہود کو خدا کی طرف سے عطا کردہ ارض مقدس کا جزو لاینفک ہے،

لہذا اس کی تہوید (یہودی بنانا) اس کو اسرائیل کا پایہ تخت تسلیم کرنا مسیحیوں پر بھی فرض ہے۔

۴۔ مسیحیوں پر واجب ہے کہ وہ یہ ایمان رکھیں کہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر مسیح کی دوبارہ واپسی کے لئے ناگزیر شرط ہے، لہٰذا اس راہ کی ساری رکاوٹوں کو دور کرنا ان کے لئے بھی ضروری ہے، جن میں مسجد اقصیٰ کا انہدام بھی شامل ہے۔

۵۔ معرکہ ''ہرمجدون'' کے یقینی ہونے پر ایمان لانا مسیحیوں پر فرض ہے، یہ معرکہ مسیح کی واپسی سے پہلے ضرور پیش آئے گا، اس لئے امن مساعی کو سبوتاژ کرتے رہنا اور مشرق وسطیٰ میں پیہم انتشار برپا کیے رہنا اور عرب و یہود کی دشمنی کو اور مؤثر بنائے رکھنا دینی عمل کا حصہ ہے، مساعی امن کے مؤثر ہوجانے سے ہرمجدون کے معرکہ میں تاخیر ہوگی اور مسیح کی واپسی موخر ہوگی جب کہ اسرائیل و عرب کی رسہ کشی سے ان کی واپسی بہ عجلت اور یقینی ہوگی۔ (۱۰)

صہیونی مسیحیت کے ان عقائد کی عملی کارفرمائی کے سامنے جو حقیقت سب سے زیادہ رکاوٹ کے طور پر موجود ہے، اس ''حقیقت صادقہ'' کا نام رسالت محمدیؐ ہے، رسالت محمدیؐ پر ایمان و یقین ہی دراصل جدید مغربی تہذیب کے لیے ایک چیلنج ہے، کیوں کہ یہی ایمان بالرسالۃ مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق، اخوت و محبت، جذبۂ ایثار و قربانی اور شوق شہادت کا بنیادی محرک ہے، اور اس کے ساتھ اسلام کا سرچشمہ علم، اہل ایمان کا تزکیہ، انفرادی و اجتماعی صلاح و فلاح اور اسلام کا بطور تہذیب و نظام کا ایک حقیقت ہونا، سب رسالت محمدیؐ سے وابستہ ہے۔ (۱۱)

اسی وجہ سے صہیونی مسیحیت کے اس شدت پسند گروہ نے رسالت محمدیؐ کے بارے میں ہمیشہ معاندانہ رویوں کا اظہار کیا ہے۔

صہیونی مسیحیت نے مسلمانوں ہی میں سے ایک گروہ کو جدید مغربی تہذیب کا گرویدہ بنالیا ہے، جدید مغربی تہذیب سے مرعوب یہ گروہ رسماً اور نسلاً مسلمان ہے، فکری اور شعوری اعتبار سے اسلامی نظام حیات پر جدید مغربی تہذیب کو ترجیح دیتا ہے، یہ طبقہ اگرچہ محدود ہے، لیکن اپنے معاشرتی کردار اور اثرات کے حوالے سے اہم ہے، یہ طبقہ

جدید مغربی تہذیب سے مرعوبیت کے سبب رسالت محمدی ونبوت کی حقیقت سے جہاں انکار کرنے والا ہے وہاں پر یہ طبقہ سنت نبویؐ کی اسلامی نظام حیات میں بنیادی حیثیت کو غیر اہم قرار دے کر جدید مغربی تہذیب کے عملی نمونوں کو اپنے یہاں رائج کرنا چاہتا ہے، اس طبقہ کے پاس وسائل وذرائع کی فراوانی ہے اس لئے یہ آسانی سے سادہ اور مجبور مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسالیتا ہے۔(۱۲)

صہیونی مسیحیت کے دانشور بسا اوقات علم وتحقیق کے نام سے ایسے افکار ونظریات پیش کرتے ہیں جن میں ان کا تعصب، خود غرضی، مفاد پرستی اور اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت عیاں ہوتی ہے، اور ان کی علم وتحقیق کا بنیادی مقصد حقائق کو پانا نہیں ہوتا، بلکہ اسلام کی مجموعی شبیہ کو مسخ کرنا، پیغمبر اسلام کی ذات اقدس پر سوالات اٹھانا اور آپ کی پیغمبرانہ حیثیت کو مشکوک اور اسلامی تہذیب وتمدن کی تاریخی حیثیت کو متنازعہ بنانا، ان کی تحقیقی سرگرمیوں کا بنیادی مقصد ہوتا ہے۔

یہ بات بھی بہت اہم نوعیت کی ہے کہ صہیونی مسیحیت اپنی اصل کے اعتبار سے استشراقی فکر کا ایک تسلسل ہے اور آج کے دور میں استشراقی فکر کے حقیقی نمائندہ کے طور پر مغرب میں موجود گروہ دراصل صہیونی مسیحیت ہی کا ہے، جو علم وتحقیق میں اسی طرح کا رویہ اپنائے ہوئے ہے جس طرح کا رویہ ماضی میں مستشرقین اپنی تحقیقی سرگرمیوں میں اختیار کرتے تھے۔(۱۳)

صہیونی مسیحیت کے فلاسفر کے طور پر کام کرنے والے عصر حاضر کے مغربی مفکرین برنارڈ لوئس (Bernard Lewis) صموئیل پی ہننگٹن (Samuel P, Huntington)، ڈینیل پائپس (Danial Pipes) اور فوکویاما (Fukuyama) وغیرہ کی تحقیقات کا اگر ناقدانہ جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان مفکرین نے کس طرح صہیونی مسیحیت کے ایجنڈا کی عملی کارفرمائی کے لیے تحقیق کے نام سے مختلف قسم کے تصورات پیش کرنے کی کوشش کی ہے، برنارڈ لوئس کے تصورات کی آئینہ دار اس کی دو معروف کتابیں ہیں، جن میں The Crisis of

شامل ہیں۔ صموئیل ہنٹنگٹن کے تصورات کی آئینہ دار Islam اور What Went Wrong? اس کی مشہور کتاب The Clash of Civilization ہے، ڈینیل پائپس کے تصورات کی ترجمان اس کی کتاب Militant Islam Raeches America ہے اور فوکویاما کے افکار ونظریات اس کی کتاب The End of History میں موجود ہیں۔ (۱۴)

صہیونی مسیحیت کے علمبردار عالمی سازشوں کے ذریعہ مسلمان معاشروں میں ایسے احساسات وجذبات اور نظریات کو فروغ دیتے ہیں جو علاقائیت، نسل پرستی، لسانیت، قومیت اور شخصیت پرستی کی صورت میں ہوتے ہیں چونکہ رسالت محمدی مسلمانوں کے باہمی اتفاق ومحبت کا سرچشمہ ہے، اسی لئے صہیونی مسیحیت ایسے افکار ونظریات کے فروغ کے لیے مختلف انداز میں کوشش کرتی ہے کہ مسلمانوں میں مختلف قسم کی عصبیتیں پروان چڑھیں اور پھر اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کا وہ باہمی اتفاق ومحبت اور اخوت کا جذبہ ختم ہوسکے جو رسالت کی بنیاد پر قائم ہے، مسلمانوں کے مختلف مسلکوں اور گروہوں میں اختلاف وانتشار اور تعصب اس کی واضح دلیل ہے۔

صہیونی مسیحیت نے اپنے نیو ورلڈ آرڈر (New World Order) کو نافذ کرنے کے لئے یا تو خود قوت وطاقت کے مراکز قائم کئے ہیں، یا پھر طاقت کی حامل قوتوں یا اداروں پر اختیاری اور فیصلہ کن پوزیشن حاصل کر کے اپنی پسند اور مفادات کے قوانین بناتی ہے اور ضرورت کے وقت اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کراتی ہے۔ اقوام متحدہ، یورپی یونین اور نیٹو (NATO) کی کارروائیاں اس کی بین ثبوت ہیں۔ یہ عالمی ادارے نہ صرف صہیونی مسیحیت کے زیر اثر ہیں بلکہ اپنی اصل کے اعتبار سے صہیونی مفادات کے تحفظ کی ضامن ہیں، اور صرف چند بڑی طاقتوں کے مفادات کے نگہبان ہیں۔

صہیونی مسیحیت نے ہمیشہ ان اسلامی تحریکوں کو اپنے لئے خطرہ سمجھا ہے جو دنیا کے مختلف خطوں میں مسلمانوں کی بقا اور سلامتی کی فکرمند ہیں، ایک انتہائی منظم اور مربوط انداز میں صہیونی مسیحیت عرصہ دراز سے ان اسلامی تحریکوں کو کمزور کرنے اور انہیں ختم کرنے کی کوشش کررہی ہے، اسلامی تحریکوں کے اثرات کو کم کرنے کے لئے صہیونی مسیحیت نے

ہمیشہ ایسے گروہوں کی سرپرستی کی ہے جن کی پہچان لادینیت اور مادہ پرستی ہے اور اس کے علاوہ اسلامی تحریکوں کو بدنام کرنے کے لئے دہشت گردی، بنیاد پرستی اور انتہا پسندی کی اصطلاحات ایجاد کی گئی ہیں۔

مختصر یہ کہ صہیونی مسیحیت اسلام، پیغمبر اسلامؐ، اسلامی اقدار و روایات، اسلامی تہذیب وتمدن اور مسلمان دشمن گروہ ہے جو اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے مصروف عمل ہے۔

حالات کا تقاضہ ہے کہ مسلمان صہیونی مسیحیت کے مذموم مقاصد کا ادراک کریں اور باہمی ادب واحترام، اتحاد واتفاق، الفت ومحبت، یگانگت وہمدردی اور اخوت وبھائی چارگی کو فروغ دیں اور اس بات کا عملی ثبوت دیں کہ وہ امت واحدہ ہیں اور حالات کے اعتبار سے ایسا لائحہ عمل ترتیب دیں جس سے دنیا میں عزت ووقار کے ساتھ زندہ رہ سکیں اور آزاد حیثیت سے اپنی تہذیبی اور تمدنی اقدار و روایات پر عمل پیرا ہو سکیں۔(۱۵)

مراجع ومصادر

۱۔ جذور البلاء/ عبداللہ التل

۲۔ المخططات التلمودية الصهيونية اليهودية في غزو الفكر الاسلامي/ انور الجندی۔

۳۔ بروتوكولات حكماء صهيون/ ترجمہ أحمد عبدالغفور عطار

۴۔ القوى الخفية/ ل. فرای۔

۵۔ مؤامرة الصهيونية على العالم/ أحمد عبدالغفور عطار

۶۔ الصهيونية وربيبتها اسرائيل/ عمر رشدی

۷۔ الصهيونية العالمية/ عباس محمود العقاد

۸۔ اليهودي العالمي/ هنری فورد

۹۔ هذه هي الصهيونية/ اسرائيل كوهين

۱۰۔ اسرائيل الزائفة/ فريد عبدالله جورجی

۱۱۔ الارتباط الزمني/ الدكتور محمد وصفی

۱۳۔ الصهيونية وأرض المعاد/ علی امام عطية

۱۴۔ الاستعمار والصهيونية العالمية/ محمد مصباح حمدات۔

۱۵۔ دور الصهيونية والاستعمار الأوربي في القضاء على الخلافة/ سالم سيف الجابر

۱۶۔القاموس السیاسی/احمد عطیہ اللہ
۱۷۔الموسوعہ المیسرۃ
۱۸۔الغارۃ علی العالم الاسلامی/ا۔ل۔شاتیلہ،ترجمہ از:محب الدین خطیب
۱۹۔مذکراتی السیاسیۃ/سلطان عبدالحمید دوم
۲۰۔الخططات الصھیونیۃ/محمد قطب
۲۱۔تسخیر عالم کا یہودی منصوبہ/ابوالحسن

حوالہ جات

(۱)الیہود فی الوطن العربی'' داود عبدالغفور سقراط۔
(۲)تسخیر عالم کا یہودی منصوبہ،از:ابوالحسن۔
(۳)ماہنامہ''اللہ کی پکار'' جلد:۲۲،شمارہ نمبر:۱۴۱،نومبر ۲۰۰۹ء۔
(۴)تفصیل کے ملاحظہ کریں:جذور البلاء''/عبداللہ التل،ص:۹-۶۷۔
(۵)الکنز المرصود فی قواعد التلمود،تصنیف:ڈاکٹر روھلنگ،عربی ترجمہ:ڈاکٹر یوسف نصر اللہ،ص:۳۱،مطبع المعارف،مصر،۱۸۹۹ء۔
(۶)تفصیل کے ملاحظہ کریں:جذور البلاء''/عبداللہ التل،ص:۷۸-۸۳۔
(۷)من عمق الروح وصلب الفکر....../سہیلہ زین العابدین حماد۔
(۸)تفصیل کے دیکھیں:(۱)بروتو کولات حکماء صھیون (۲) (جذور البلاء''/عبداللہ التل،ص:۲۶۵-۲۷۴۔
(۹)مغربی تہذیب کا چیلنج اور اسلام،ص:۱۶،منشورات لاہور،جولائی ۲۰۰۷ء۔
(۱۰)مغربی تہذیب کا چیلنج اور اسلام،از:پرواز رحمانی،ص:۲۱-۲۲،منشورات لاہور،جولائی ۲۰۰۷ء۔
(۱۱)تفصیل کے ملاحظہ کریں:مغرب اور عالم اسلام ایک مطالعہ،از:خرم مراد،ص:۲۰-۲۳،منشورات لاہور ۲۰۰۶ء۔
(۱۲)ملاحظہ کریں:الاسلام علی مفترق الطرق (اسلام دوراہے پر)از:علامہ محمد اسد،ص:۷۳،آگہی پبلی کیشنز،لاہور ۲۰۰۰ء۔
(۱۳)اس ضمن میں دیکھیں:مدنی معاشرہ عہد رسالت میں،از:اکرم ضیاء عمری،ص:۲۳،ادارہ تحقیقات اسلامی،اسلام آباد،جولائی ۲۰۰۵ء۔
(۱۴)معارف،جنوری ۲۰۱۰ء،جلد نمبر:۱۸۵،شمارہ نمبر:۱۔
(۱۵)اس مضمون کے اکثر مندرجات جناب غلام حسین بابر (لیکچرار زرعی یونیورسٹی راول پنڈی،پاکستان) کے مضمون''مخاصمت اسلام میں صہیونی مسیحیت کا کردار،چند اہم زاویے'' سے ماخوذ ہیں،معارف،اعظم گڈھ،جنوری ۲۰۱۰ء۔

عالمی یہودی تنظیم

فری میسن کلب

یہودیوں کی قدیم ترین عالمی تنظیم فری میسن سے ہم مسلمان عام طور سے بالکل واقف نہیں، اسی طرح روٹری کلب، لائنز کلب اور بہت سی انسانیت دشمن تخریبی تنظیموں سے ہم بے خبر ہیں، ہم مسلمان اپنے دشمنوں سے واقف نہیں کہ ان کے مقاصد کیا ہیں اور کس طرح کی تخریبی سرگرمیاں وہ انجام دیتی ہیں، ان کا طریقہ کار کیا ہے، مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور تاجر حضرات بے خبری اور ناواقفیت میں ایسے کلبوں اور انجمنوں کے ممبر بن جاتے ہیں اور لاشعوری میں دشمنوں کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔

ماسونیت ایک خفیہ یہودی تنظیم ہے، جو انتہائی منظم و مستحکم ہے، اس کا نیٹ ورک پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے، اس کا بنیادی اور اولین مقصد پوری دنیا میں یہودیوں کے غلبہ واقتدار کے لئے راہ ہموار کرنا، اور ان کے مفادات کو تحفظ فراہم کرنا ہے، اور اس کے دیگر مقاصد میں انسانی سوسائٹی میں الحاد و بے دینی، بدعنوانی و بے راہ روی، بدکرداری و فحاشی، انارکی و تخریب، اور فساد و بگاڑ کو عام کرنا ہے، اس کے ممبران ایسے افراد بنائے جاتے ہیں جو بااثر اور صاحب دولت و ثروت ہوتے ہیں، ان سے یہ عہد لیا جاتا ہے کہ وہ انتہائی رازدارانہ اور خفیہ طریقہ پر کام کریں گے، ہر معاملہ کو صیغۂ راز میں رکھیں گے، اور اپنی اپنی سطح پر ماسونی اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے کوشاں رہیں گے، یہ ممبر فری میسن کلب کے نام سے کام کرتے ہیں۔

ماسونیت کا نام Free Masonry Club ہے جس کے لغوی معنی ''انجمن

معماران احرار" کے ہیں۔

ماسونیت کا بانی رومن امپائر کا بادشاہ ہیروڈوس (وفات ۴۴ء) Herodos ہے۔ اس نے اپنے یہودی مشیروں حیرام ابیود (نائب صدر) اور مواب لامی کے اشتراک سے ایک خفیہ تنظیم "مخفی قوت" کے نام سے قائم کی تھی، جس کا مقصد عیسائیوں کا قلع قمع کرنا، اور عیسائیت کو مٹانا تھا، اس تنظیم کی ایک خفیہ مجلس تھی جو نو ارکان پر مشتمل تھی، جن کے رہنما یہی تینوں اشخاص تھے۔

ماسونیت کی بنیاد روز اول سے مکروفریب، جعل سازی ومکاری اور دہشت گردی وانتہا پسندی پر ہے، اس نے اپنی تخریبی کوششوں کو ایسے لبادوں میں چھپایا جو دنیا کے لیے توجہ ودلکشی کا باعث ہوئے، مثلاً مزدوروں ومحنت کشوں کی ہمدردی کا نعرہ، انصاف ومساوات کا نعرہ، اس طرح کے پرفریب، خوشنما وپرکشش نعروں، ناموں، اصطلاحوں اور عنوانات کے ذریعہ لوگوں کو دھوکا دیا ہے، ماسونیوں نے اپنی محفل کا نام "ہیکل اورشلیم رکھا، صرف یہ باور کرانے کے لیے کہ یہ ہیکل سلیمانی ہے۔

یہودی حاخام لاکویز نے صریح اور واضح لفظوں میں لکھا ہے کہ ماسونیت سرتاپا یہودی تنظیم ہے، ماسونیت کا طریقۂ کار، لائحہ عمل، اغراض اور اس کی تاریخ کے جائزہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ ماسونیت ایک خالص یہودی تنظیم ہے۔

تاریخِ قیام

ماسونیت کا قیام کب ہوا؟ اس بارے میں مورخین اور محققین کے آراء مختلف ہیں، راجح قول یہ ہے کہ اس کا قیام ۴۳ عیسوی میں ہوا، ابتداء میں اس کا نام "مخفی قوت" رکھا گیا، اور اس کا مقصد نصاریٰ کا صفایا اور عیسائیت کو ختم کرنا قرار پایا، پھر چند صدیوں کے بعد اس کا نام ماسونیت رکھا گیا جس کے معنی فری میسن لاج کے ہیں، ڈاکٹر محمد علی زعبی کی رائے ہے کہ "مخفی قوت" نامی تنظیم نے لندن کانفرنس میں جو ۱۷۷۱ء میں اینڈرسن James Anderson کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی "ماسونیت" کا نیا نام اختیار کیا، دوسرے محققین کی رائے یہ ہے کہ اس نام کا استعمال

سب سے پہلے گاڈفرے ڈی بولر Godefroi Debruilor نے کیا، اس عنوان کے پردہ میں یہودیوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے کام شروع کیا، یہ ماسونیت کا پہلا مرحلہ تھا۔

پہلا لاج

فری میسن لاجوں کے معیار کے اعتبار سے سب سے بڑا ماسونی لاج برطانیہ میں ہے جس کا نام The United Grand Lodage ہے، یہ سب سے پہلا ظاہری ماسونی لاج ہے، اس کا قیام ۱۷۱۷ء میں ہوا، یہ اپنے افکار ونظریات ایک مجلہ میں شائع کرتا ہے جس کا نام Aro Buarteur Conoriun ہے یہ لاطینی زبان میں نکلتا ہے۔

ماسونیت کا دوسرا مرحلہ ۱۷۷۰ء میں آدم وائزہاویٹ (۱۷۴۸ء-۱۸۳۰ء) Adam Weishaupt سے شروع ہوتا ہے، یہ عیسائیت کا ماننے والا تھا، بعد میں عیسائیت سے منحرف ہوگیا، اور یہودیوں نے اس کی علمی عبقریت سے فائدہ اٹھانے کے لئے رابطہ قائم کیا اور اس کے سامنے پوری دنیا پر قبضہ حاصل کرنے کا منصوبہ رکھا جسے اس نے قبول کرلیا، عملی تنفیذ کے لئے سب سے پہلا قدم اس نے یہ اٹھایا کہ ''جماعت نور'' کی بنیاد ڈالی، جسے شیطان کی طرف منسوب کیا گیا جس کی یہ نورنیین تعظیم وتقدیس کرتے ہیں، اس کے بعد وائزہاٹ نے تقریبا دوہزار اصحاب فکر کو اپنا ہمنوا بنالیا جن میں زبان وادب، علوم، معاشیات، سیاست اور مختلف فن کے ماہرین تھے، اوران کے اشتراک سے ''محفل الشرق الاوسط'' کے نام ایک مرکزی لاج قائم کیا، اس مرکزی فری میسن لاج کے ذریعہ دانشوروں، ماہرین، اور سیاسی لیڈروں کو ماسونیت کے مفادات واغراض کے حصول میں استعمال کیا، اور پرفریب وپرکشش عنوانات واعلانات کے ذریعہ بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دیا گیا۔

ماسونیت کے ممتاز مفکرین ودانشور

۱۔ آدم وائزہاویٹ: (وفات ۱۸۳۰ء) یہ جرمنی میں ۱۷۴۰ء میں پیدا ہوا، عیسائی ہے، اور ماسونیت کی تشکیل جدید کا بانی ہے۔

۲۔ میرابو (۱۷۹۸ء-۱۸۵۹ء) Mirabeau: فرانسیسی انقلاب میں اس نے

قائدانہ رول ادا کیا۔

۳۔ مازینی (۱۸۰۵ء-۱۸۷۲ء)Giuseppe Mazzini: یہ اٹلی کا رہنے والا ہے، وائزہاویٹ کے بعد ماسونیت کی باگ ڈور سنبھالی۔

۴۔ امریکی جنرل البرٹ مایکAlbert Mayak: اس نے ماسونیت کے تخریبی منصوبوں کو نافذ کیا۔

۵۔ لیوم بلوم (۱۸۷۲ء-۱۹۵۰ء)(Léon Blum): یہ فرانس کا رہنے والا ہے، یہ انتہائی بداخلاق و بدکردار تھا، اس نے ''شادی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، بعض ناظرین ومبصرین کے مطابق اس سے زیادہ فحش کتاب نہیں لکھی گئی۔

۶۔ کارڈیرلاس Cordiar los: یہودی ہے، یہ انتہائی خطرناک ماسونی ہے، اس کی ایک کتاب ''العلاقات الخطرۃ'' (خطرناک تعلقات) ہے۔

۷۔ جان جاک روسو (۱۷۱۲ء-۱۷۷۸ء)Jean-Jacques Rousseau، وولٹیر (۱۶۹۴ء-۱۷۷۸ء)Voltaire، جرجی زیدان (۱۸۶۱ء-۱۹۱۴ء)Jurji Zaydan اور کارل مارکس (۱۸۱۸ء-۱۸۸۳ء)Karl Marx بھی ماسونی ہیں۔

ماسونیت نے انسانی ہمدردی کے نام سے مختلف ادارے، انجمنیں، عالمی کونسلیں اور بڑے بڑے لاج وکلب قائم کر کے انسانی معاشرہ میں اخلاقی انارکی اور جنسی بے راہ روی کو فروغ دیا، بلند انسانی اقدار وروایات کو ختم کیا، انسانی ضمیر کو بگاڑ دیا، یہودیت کے علاوہ دوسرے تمام مذاہب وادیان کی غلط شبیہ پیش کر کے ان کے ماننے والوں کو متنفر کر دیا، اور نفس پرستی، مادیت، دہشت گردی، تشدد کو پسندیدہ بنا کر پیش کیا، آج دنیا میں جو بھی دہشت گردانہ اور تخریبی سرگرمیاں ہیں وہ سب ماسونیت ہی کی دین ہے۔

افکار وعقائد

۱۔ ماسونی افکار کے حامل افراد اللہ، رسول، کتب آسمانی، بلکہ تمام غیبی باتوں کا انکار کرتے ہیں، اور ان سارے مسلمات کو خرافات واوہام سے تعبیر کرتے ہیں۔

۲۔ مذاہب وادیان کی مخالفت کرتے ہیں۔

۳۔ دستوری طور پر قائم حکومتوں اور قومی نظام ہائے حکومت کو ختم کر کے ان پر کنٹرول حاصل کرتے ہیں۔

۴۔ مختلف وسائل اختیار کر کے ماسونیت، جنسی انارکی، اخلاقی بے راہ روی، اباحیت اور انتشار پھیلانے کی کوشش کرتی ہے اور عورت کو غلبہ واقتدار کے حصول کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، ان ذرائع کے دام بچھا کر ایسے لوگوں کا شکار کیا جاتا ہے جو بااثر، ذی وجاہت شخصیات ہوتی ہیں، مزید تفصیل کے لئے ولیم گائیکر (۱۸۹۵ء-۱۹۵۹ء) William Guy Carr کی کتاب "أحجار على رقعة الشطرنج" Pawns in the Game" دیکھی جاسکتی ہے۔

۵۔ یہودیوں کے علاوہ دوسری قوموں میں خلفشار وانتشار اور اختلاف پیدا کرنا تاکہ باہم دست وگریباں ہو کر ختم ہو جائیں، فری میسن کلب ان متحارب گروپوں کو اسلحہ فراہم کرتے ہیں اور تخریب کاری کے جدید وسائل مہیا کرتے ہیں۔

۶۔ ملکوں میں اختلاف وکشمکش کا زہر پھیلانا اور نسل پرستی اور فرقہ واریت کے رجحان کو فروغ دیتے ہیں۔

۷۔ اخلاقی، فکری اور دینی قدروں کو ختم کر کے انارکی، بے راہ روی، دہشت گردی اور الحاد و بے دینی کو عام کرنا۔

۸۔ رشوت، مال اور جنس کو آلۂ کار بنا کر اثر ونفوذ رکھنے والی شخصیات کو ماسونی اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرنا، ماسونیوں کے نزدیک مقصد ہر طرح کے وسیلہ کے استعمال کو جائز بنا دیتا ہے۔ "الغاية تبرر الوسيلة"

۹۔ فری میسن کلب کی ممبری اختیار کرنے والوں پر پوری نظر رکھی جاتی ہے اور انہیں چار وناچار ہر کام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اور ان پر یہ لازم قرار دیا جاتا ہے کہ دینی، اخلاقی، قومی، ملکی بلکہ ہر طرح کے تعلق سے آزاد ہو کر فری میسن کلب کے کام میں لگ جائیں اور صرف فری میسن کلب کے مشن سے اپنی دوستی ووفاداری وابستہ رکھیں۔

۱۰۔ جب کوئی ممبر فری میسن کلب سے بغاوت کرتا ہے یا اس کی مخالفت کرتا ہے تو

اس کو کسی اسکینڈل میں پھنسا دیا جاتا ہے، یا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

۱۱۔ جب فری میسن کلب کے مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں تو ضرورت پوری ہو جانے کے بعد مقاصد کے حصول میں مدد کرنے والوں کو کسی بھی ممکن ذریعہ سے کلب سے باہر کر دیا جاتا ہے۔

۱۲۔ تخریبی افکار و نظریات کے نفاذ کے لیے سربراہان مملکت کو اپنے قابو میں رکھا جاتا ہے۔

۱۳۔ ہر فن اور میدان میں اختصاص رکھنے والوں کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔

۱۴۔ ذرائع نشر و اشاعت، انفارمیشن ٹکنالوجی، اور پروپیگنڈہ کے وسائل پر کنٹرول حاصل کر کے ان کو مؤثر ترین آلہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

۱۵۔ بے بنیاد اور جھوٹی خبروں کو بڑے پیمانے پر اتنی زور و قوت سے پھیلانا کہ رائے عامہ ان کے موافق ہو جائے اور اصل حقائق نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔

۱۶۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو بدکاری، فحاشی اور عیاشی کی کھلی دعوت دینا، اور آزادانہ اختلاط اور جنسی انارکی کے مواقع اور وسائل فراہم کرنا، خاندانی اور سماجی قدروں اور پابندیوں کی دھجیاں اڑانا، اخلاقی، سماجی و خاندانی اور گھریلوں زندگی سے متعلق جو شخص ماسونیت کے موقف کو زیادہ وضاحت و تفصیل سے جاننا چاہتے ہیں انہیں فرانسیسی فری میسن کلب کے رہنما اور ۱۹۳۶ء-۱۹۴۶ء کے فرانسیسی وزیر اعظم لیون بلوم Léon Blum کی کتاب Marriage (شادی) کا مطالعہ کرنا چاہئے یہ جنسی موضوع پر سب سے گندی کتاب ہے، فری میسن کلب نے اسے متعدد زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کیا ہے۔

۱۷۔ مسلمانوں کو نسبندی اور اسقاط حمل پر آمادہ کرنا۔

۱۸۔ بین الاقوامی اداروں، کونسلوں اور انجمنوں پر کنٹرول حاصل کرنا، اقوام متحدہ، یونسکو، اور عالمی اسٹوڈینٹس یونینوں پر فری میسن کلب کا قبضہ ہے۔

۱۹۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں فری میسن کلب باہم مربوط ہیں اور سب ایک مرکزی کلب کے تابع ہیں، اس لیے کہ ماسونیت تین طبقات سے مرکب ہے:

الف: رمزی ماسونیت: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے پہلی بار فری میسن کلب

سے تعلق پیدا کیا، یہ ۳۳ درجوں پر منتہی ہوتی ہے۔

ب: ملوکی ماسونیت: یہ درجہ ان لوگوں کو دیا جاتا ہے جو اپنے دین ومذہب، ملک ووطن اور اپنی قوم وملت کو بالکل خیر باد کہہ چکے ہوں اور اپنی تمام تر وفاداریاں یہودیت کے لیے خالص کردی ہوں، ملوکی ماسونیت تینتیسویں درجہ کے بعد شروع ہوتی ہے۔

ج: کونی ماسونیت: یہ تمام طبقات کی چوٹی ہے، اس طبقہ کے تمام افراد یہودی ہیں، ان کا مرتبہ سربراہان مملکت، بادشاہوں اور حکمرانوں سے اونچا ہے اس لیے کہ اس طبقہ کے افراد کے ہاتھوں میں دنیا کے تمام فری میسن کلبوں، ان سے متعلق اشخاص اور ان میں انجام پانے والے امور کی باگ ڈور ہے، صہیونیت کے سارے بڑے لیڈر جیسے ہرٹزل اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور اس طبقہ کے افراد یہودی مفادات کے تحفظ کے لیے پوری دنیا میں پلاننگ کرتے ہیں اور ہر ممکن طریقہ سے یہودیوں کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔

رکن بنانے کا طریقہ

فری میسن کلب کی رکنیت بڑے خوفناک اور دہشت ناک ماحول میں دی جاتی ہے کہ ممبری چاہنے والے شخص کو آنکھوں میں پٹی باندھ کر صدر کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، رازداری کا حلف لینے کے بعد جب وہ آنکھیں کھولتا ہے تو اسے اپنے اردگرد شمشیر براں نظر آتی ہیں اس کے سامنے عہد قدیم (کتاب مقدس) ہوتی ہے، سامنے ایک تاریک ترین کمرہ نظر آتا ہے جس میں انسانی کھوپڑیاں اور لکڑی کے بنے ہوئے کچھ ہندسے اور آلات رکھے ہوتے ہیں، یہ سارے وسائل نئے رکن کو دہشت زدہ اور ڈرانے کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں۔

امت اسلامیہ کو جو حالات پیش آئے ہیں یا جن حالات سے وہ دوچار ہے اس میں فری میسن کلب کا بڑا ہاتھ ہے بلکہ دنیا کے مختلف ملکوں میں جو انقلابات، بغاوتیں اور شورشیں برپا ہوتی ہیں، ان سب میں ماسونیت ہی کا ہاتھ ہوتا ہے، خلافت اسلامیہ کا زوال وسقوط، سلطان عبدالحمید کی معزولی، انقلاب روس، مصر میں جمال عبدالناصر کا انقلاب، فرانس اور برطانیہ کے انقلابات اور بغاوتیں اس کا بین ثبوت ہیں، تحقیقات ودستاویزات

سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان سارے انقلابات کے پس پردہ ماسونیت ہی کام کر رہی تھی۔

فری میسن کلب نے اپنے نظریات وافکار اور عقائد وخیالات عام کرنے کے لیے بہت سی کتابیں شائع کی ہیں، جن میں سے اہم کتاب ''القوانین'' ہے اس کو ۱۷۲۳ء میں ڈاکٹر جیمس اینڈرسن یہودی Dr.James Anderson نے شائع کیا تھا، ایک دوسری کتاب ''الوصایا القدیمۃ'' ہے جس کو داؤد کاسلے Dawood Castle نے ۱۷۳۴ء میں شائع کیا تھا، یہ کتاب ماسونیت کی قدیم معروف دستاویز ہے، یہ دستاویز بڑی حفاظت سے برطانوی عجائب گھر کے شعبۂ اناجیل میں الماری نمبر ۸ نمبر شمار ۱۷ کے تحت موجود ہے۔

فری میسن کلب فکری اغراض ووسائل اور فکر کے اعتبار سے خالص یہودی تنظیم ہے۔

فری میسن کلب کا شعار حریت، مساوات اور اخوت ہے، لیکن فری میسن کلب کا طریقۂ کار مذکورہ بالا تینوں باتوں کے منافی ہے، انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا طبع ۱۹۷۴ء میں لفظ ماسونیت کے تحت مذکور ہے کہ امریکی فری میسن کلب میں کالے لوگوں کی رکنیت دستوری طور سے قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

''معجم الماسونیۃ والماسونیین'' ص ۱۲۱ میں مذکور ہے کہ آج تک فرانس کی ماسونیت میں عورت نے مرد سے مساوات کا درجہ نہیں پایا، اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ عورت اپنی تخلیق میں اس لائق نہیں ہے کہ کلب کی رکنیت میں کامیاب ہو سکے۔

فری میسن کلب کا دائرۂ اثر

دنیا کی پوری تاریخ میں ماسونیت سے زیادہ مؤثر اور ہمہ گیر تنظیم نہیں ملتی، جو حکمران اور سربراہان مملکت فری میسن کلب کے دام میں گرفتار ہو جاتے ہیں وہ کٹھ پتلی کی طرح اس کے اشارہ پر حرکت کرتے ہیں۔

فری میسن کلب کے ذیلی کلب دنیا کے ہر ملک میں قائم ہیں جو یہودی مفادات کے لیے کام کرتے ہیں۔

تمام بین الاقوامی اداروں، فورموں، کونسلوں اور انجمنوں میں ماسونی افکار کے حامل افراد

موجود ہیں جو بین الاقوامی تائید وحمایت اور عالمی رائے کو یہودیوں کے حق میں کر دیتے ہیں۔

عالمی میڈیا پر فری میسن کلب کا کنٹرول ہے، اور دنیا کے اقتصادی وسائل پر بھی ماسونیت کا قبضہ ہے۔

فری میسن کلب کی تخریبی جماعتیں اور مافیا پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں جو فری میسن کلب کی راہ میں ہر رکاوٹ کو آسانی کیساتھ ختم کر دیتے ہیں۔

مراجع ومصادر

۱۔ السر المصون فی شیعۃ الفرمسون/ لویس شیخو ۱۹۱۲ء

۲۔ ہیکل سلیمان/ یوسف الحاج، ۱۹۳۰ء۔

۳۔ اسرار الماسونیۃ/ الجزال رفعت أتلخان

۴۔ تاریخ الجمعیات السریۃ والحرکات الھدامۃ/ عبداللہ عنان۔

۵۔ الماسونیۃ/ أحمد عبد الغفار عطار

۶۔ تاریخ الماسونیۃ العام/ جرجی زیدان۔

۷۔ حقیقۃ الماسونیۃ/ ڈاکٹر محمد علی الزغبی

۸۔ أصل الماسونیۃ/ ترجمہ عوض خوری

۹۔ الدنیا لعبۃ اسرائیل/ ولیم کار

۱۰۔ أحجار علی رقعۃ الشطرنج/ ترجمہ سعید جزائری۔

۱۱۔ الیھود یجب أن یعیشوا/ صموئیل روث

۱۲۔ القوۃ الخفیۃ التی تحکم العالم/ جان مینو

۱۳۔ المذاھب المعاصرۃ/ ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمیرہ۔

۱۴۔ الماسونیۃ وثیقۃ تاریخیۃ/ محمد صفوت سقا امینی۔ سعدی ابوجیب

۱۵۔ معجم الماسونیۃ والماسونیین/ الیک میلور

۱۶۔ الماسونیۃ فی العراق/ ڈاکٹر محمد علی زعبی

۱۷۔ الماسونیۃ، ذلک المجھول/ ڈاکٹر عبدالحلیم الیاس خوری

۱۸۔ الیھود والماسونیۃ فی أوربا/ جاک کاتز

۱۹۔ الموسوعة الميسرة في المذاهب والأديان المعاصرة، الندوة العالمية للشباب الإسلامي، رياض، ۱۹۸۹ء۔

روٹری کلب

Rotary Club

روٹری کلب کا تعلق فری میسن کلب سے ہے، اس پر بھی یہودیوں کا قبضہ وکنٹرول ہے، اور یہ صیہونی اغراض ومقاصد کی تکمیل کی راہیں ہموار کرتا ہے۔

روٹری کلب کو پال ہارس (1868–1947) Paul P. Harris نے ۱۹۰۵ء میں شکاگو میں شروع کیا تھا، تین سال بعد چارلی بری Charlie Bury نے حیرت انگیز طور پر اس کے دائرہ کو وسیع کردیا، اور مختصر مدت میں دنیا کے مختلف اہم ملکوں اور شہروں میں اسکی شاخیں قائم ہوگئیں، ۱۹۴۲ء میں جب اس کے بانی پال ہارس کا انتقال ہوا اس وقت روٹری کلب کی دنیا کے ۸۰ ملکوں میں شاخیں قائم ہوچکی تھیں جن کی مجموعی تعداد ۶۸۰۰ تھی اور ممبران کی تعداد ۳۲۷۰۰۰ پہونچ چکی تھی۔

۱۹۱۱ء میں روٹری کلب شکاگو سے آئرلینڈ کے شہر ڈبلن منتقل ہوگیا، اس کے بعد اس کی سرگرمیاں برطانیہ میں شروع ہوئیں، یہاں پر مسٹر مورو Mr. Morrow نامی ایک شخص نے روٹری کلب کے مشن کو عام کیا اور ممبرشپ کی مہم چلائی، یہ شخص نئے ممبران سے کچھ کمیشن لیتا تھا۔

۱۹۲۱ء میں میڈریڈ میں اسکی شاخ قائم ہوئی، لیکن جلد ہی یہ کلب بند کردیا گیا اور پورے اسپین میں کہیں بھی کلب کھولنے کی اجازت نہیں ملی، اسی سال فلسطین میں بھی اس کی شاخ قائم ہوئی، فلسطین وہ پہلا عربی ملک ہے جہاں مرکزی روٹری کلب نے اپنی شاخ قائم کی ہے، گزشتہ صدی کی تیس کی دہائی میں فرانسیسی سامراج کی سرپرستی ونگرانی میں

الجزائر اور مراکش میں روٹری کلب نے اپنے ذیلی کلب کھولے، اس کے بعد طرابلس میں کلب کھولا گیا جس کے منتظمین میں مسٹر جان رابنس John Robinson اور مسٹر وون کرتیج Von Krage جیسے مدبر شامل تھے۔

۱۹۴۲ء میں چارلی بری نے سکریٹری کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔

۱۹۴۴ء میں اٹلی کے روٹری کلب نے صقلیہ کے شہر ورمینا میں ایک کانفرنس منعقد کی جس میں عرب اور اسرائیل کے وفود شریک ہوئے، اس وجہ سے اس کانفرنس کو عرب-اسرائیل کانفرنس کا نام دیا گیا، اس میں اسرائیل کلب کے صدر یعقوب بارزیف بھی شریک ہوئے۔

تونس روٹری کلب کے نمائندہ "مختار عزیز" روٹری کلب کے پہلے ترجمان تھے، اس کے بعد اسرائیلی روٹری کلب کے صدر یعقوب بارزیف یہودی کو ترجمان بنایا گیا۔

افکار وتصورات

☆ روٹری کلب کے نزدیک دین ومذہب اور ملک ووطن کی کوئی قیمت اور اعتبار نہیں، اور ممبر کے انتخاب میں بھی ان باتوں کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔

☆ روٹری کلب ارکان وممبران کو اپنے نزدیک تسلیم شدہ مذاہب کی ایک فہرست دیتا ہے، جن میں بودھ مذہب، عیسائیت، ہندو مذہب کنفیوشس اور چینی عقیدہ کا تذکرہ ہوتا ہے، چینی عقیدہ وہی عقیدہ ہے جو چھٹی صدی قبل مسیح رائج تھا، اس عقیدہ کے مطابق دنیوی سعادت اور خیر کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب نفس کے مطالبات اور خواہشات پورے کئے جائیں، اور عام انسانوں کے مابین اجتماعی اور سیاسی تعلقات وروابط کو آسان بنایا جائے۔

☆ روٹری کلب کا یہ عقیدہ کہ دین ومذہب کا کوئی اعتبار نہیں، اور یہ یہودیوں کی تائید وحمایت کا راستہ آسان بناتا ہے اور تمام شعبہائے زندگی میں ان کے اثر ورسوخ اور کنٹرول کی راہ ہموار کرتا ہے، اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ ہر کلب میں دو یا کم از کم ایک یہودی کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

☆ روٹری کلب کا یہ نظریہ ہے کہ کوئی بھی خیر کا کام بغیر کسی مادی یا معنوی بدلہ کے کیا جائے یہ نظریہ دینی تصور کے خلاف ہے کیونکہ مذہب کا تصور یہ ہے کہ خالص اور صحیح نیت سے کیا جانے والا ہر اچھے عمل کا بدلہ اور ثواب اللہ کے یہاں دوگنا ملے گا۔

☆ روٹری کلب کا ہر مہینہ ایک اجلاس ہوتا ہے، ہر ممبر پر لازم ہوتا ہے کہ اجلاس اور دیگر پروگراموں میں اس کی شرکت کم ازکم سالانہ ۶۰ فیصد ہونی چاہئے۔

☆ روٹری کلب میں ہر کس وناکس کو رکن نہیں بنایا جاتا، اور جو اس کے ممبر بننا چاہتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ ممبر شپ کی درخواست کرنے کے بعد کلب کے دعوت نامہ کا انتظار کرے اور پھر کلب کے اصول وضوابط کے مطابق اس کو ممبر بنایا جائے گا۔

☆ کلب کے وہی لوگ ممبر بنائے جاتے ہیں جو بلند عہدے اور مناصب پر فائز ہوتے ہیں اور مزدوروں کو اور ان کے مماثل معمولی پیشہ افراد کو اس کلب کا ممبر نہیں بنایا جاتا۔

☆ کلب کے ممبر بناتے وقت ان کی عمروں کا لحاظ کیا جاتا ہے، اور نوجوانوں کو ترجیح دی جاتی ہے تاکہ روٹری تنظیم نئے جوش وولولہ کے ساتھ آگے بڑھتی رہے۔

☆ یہ بھی شرط ہے کہ ہر پیشہ کا ایک نمائندہ ہو، لیکن اس وقت اس شرط وضابطہ کا لحاظ نہیں کیا جاتا جب کسی پسندیدہ شخص کو ممبر بنانا ہو یا کسی ناپسندیدہ ممبر کو ہٹانا مقصود ہو، اس صورت میں تنظیم کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے کارروائی کی جاتی ہے۔

☆ یہ بھی شرط ہے کہ ہر کلب کی مجلس منتظمہ میں ایک شخص یا دو شخص ایسے ہونے چاہئیں جن کا تعلق روٹری کی نسل اول سے ہو، یعنی پال ہارس کی نسل سے۔

چارلس مارڈن نے جو روٹری کلب میں تین سال ممبر کی حیثیت سے رہے ہیں، روٹری کلب کا ایک جائزہ لیا ہے جس میں انہوں نے مندرجہ ذیل حقائق سے پردہ اٹھایا ہے:

(۱) روٹری کلب کے ہر ۴۲۱ ممبروں میں سے ۱۵۹ ممبر فری میسن کلب کے وفادار ہوتے ہیں۔

(۲) کسی کسی کلب میں صرف ماسونیت (فری میسن کلب) کے افکار ونظریات کے حامل افراد ہی کو ممبر بنایا جاتا ہے جیسا کہ ۱۹۲۱ء میں اسکاٹ لینڈ کے اڈنبرگ کلب میں پیش آیا۔

(۳) ۱۸۸۱ء میں فرانس کے شہر نانس Nonce کے فری میسن کلب کے اجلاس میں یہ قرارداد پاس کی گئی کہ جب ماسونی دوسروں کے اشتراک وتعاون سے کوئی کلب یا انجمن قائم کریں تو ماسونیوں پر لازم ہے کہ اس کا انتظام وانصرام اپنے ہاتھ میں رکھیں اور اس کی مرکزی کمیٹیوں میں وہی لوگ داخل کیے جائیں جو فری میسن کلب کے وفادار ہوں، اور یہ کلب فری میسن کلب کی رہنمائی میں کام کرے۔

☆ جب فری میسن کلب پر کوئی ملکی یا عالمی دباؤ پڑتا ہے یا کوئی اور مسئلہ پیش آجاتا ہے تو اس وقت ماسونی فری میسن کلب کی سرگرمیاں بند کر کے روٹری کلب کی سرگرمیوں میں لگ جاتے ہیں اور جب فری میسن کلب کے حالات سازگار ہو جاتے ہیں تو روٹری کلب کی سرگرمیاں کم ہو جاتی ہیں۔

☆ دنیا کے مختلف حصوں میں بہت سے ایسے کلب قائم ہیں جو فکر ونظر اور طریقۂ کار میں روٹری کلب سے مطابقت رکھتے ہیں ان میں قابل ذکر لائنس Lions Clubs، کیوانس Kiwanis Clubs، گول میز Round Table ہیں، ان کلبوں کے ذمہ دار روٹری کلبوں کا دورہ کرتے رہتے ہیں اور باہم تبادلہ خیال ہوتا رہتا ہے اور بعض شہروں میں ان کلبوں کے درمیان تعلق قائم رکھنے کے لئے رابطہ کمیٹیاں بھی تشکیل دی گئیں۔

فری میسن کلب اور روٹری کلب کے درمیان دین ومذہب اور ملک ووطن کے مسئلہ میں اتحاد پایا جاتا ہے، اسی طرح ممبران کے انتخاب کے طریقہ کار میں بھی، چنانچہ کوئی شخص بذات خود ان کا ممبر بننا چاہے تو نہیں بن سکتا، بلکہ یہ کلب جس کو ممبر بنانا چاہتے ہیں اس کے پاس خود دعوتی کارڈ بھیجتے ہیں۔

اسی طرح روٹری کلب اور ماسونیت کے افکار ونظریات میں یکسانیت ہے جیسے مساوات، بھائی چارگی، انسانیت نوازی اور مالی امداد جیسے پرفریب نعرے، یہ تصورات انتہائی خطرناک ہیں کیونکہ ان کے اختیار کرنے سے قومی خصوصیات ختم ہو جاتی ہیں اور پوری نوع انسانی ضائع وبرباد ہو جاتی ہے، صرف یہودیوں کو غلبہ وقوت حاصل ہوتی ہے جو پوری دنیا پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، اور یہ کلب یہودی اور صہیونی مفادات واغراض کے

لیے کوشاں ہیں، روٹری کلب بھی یہودی پلان کے دائرہ میں کام کرتے ہیں کیونکہ ان کے کلیدی عہدوں پر ماسونی ہی فائز ہوتے ہیں، اس لئے روٹری کلب اول و آخر یہودی منصوبہ کو پائے تکمیل تک پہونچانے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔

روٹری کلب انسانی ہمدردی کے نام پر تمام طبقات میں تعلقات استوار کرنے کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور یہ عوام الناس کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ان کی سرگرمیاں صرف ثقافتی اوراجتماعی مسائل تک محدود ہیں، یہ کلب کانفرنسوں، محاضرات اور سیمناروں کے ذریعہ اپنے مقاصد پورے کرتے ہیں۔

روٹری کلب کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ دوستی اور بھائی چارگی کے نام پر دوسری قوموں میں گھل مل جائیں، اس طرح ان کو ایسی معلومات مل جائیں گی جو اقتصادی اور سیاسی اغراض کی تکمیل میں ممد ومعاون ہوں گی، اور دوسری قوموں میں اخلاقی انارکی، بے راہ روی، مذہب بیزاری اور الحاد کو عام کرتے ہیں، اس مقصد کے پیش نظر روٹری کلب میں انہیں افراد کو رکن بنایا جاتا ہے جو سوسائٹی اور پیشہ کے اعتبار سے ممتاز ہوتے ہیں تا کہ وہ اپنے اثر ورسوخ سے لوگوں کو بآسانی یہودیوں کا ہم نوا اور ہمدرد بنا سکیں۔

مراجع ومصادر:

(۱) الماسونیۃ فی العراء/ ڈاکٹر محمد علی زعبی

(۲) اسرار الماسونیۃ/ جواد رفعت اتلخان

(۳) ماسونیت (انگریزی)/ مصباح الاسلام فاروقی

(۴) خطر الیھودیۃ العالمیۃ علی الاسلام/ عبداللہ تل

(۵) جذور البلاء/ عبداللہ تل

(۶) حقیقۃ أندیۃ الروتاری/ جمعیۃ الاصلاح کویت

(۷) Rotary and its Brothers, Charlbs, F.P (rincebtom University Press-1963

(۸) To Wards my neighbour. G.R.H. Nitt

(۹) My Rode to Rotary Raul. P. Harris

(۱۰) Rotary Service

(۱۱) Service in life and work.

مارونیت

''مارونیت'' مشرقی کیتھولک عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے، اس فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دو طبیعتیں ہیں اور ایک مشیت ہے، اس فرقہ کا بانی اور مؤسس اعلیٰ پادری مار مارون (Mar Maron) ہے، اسی وجہ سے اس فرقہ سے منسلک لوگوں کو مارونی کہا جاتا ہے۔

مارون عیسائیوں کا ایک بڑا روحانی عالم اور بڑی زاہدانہ و متقشفانہ زندگی گزارنے والا پادری تھا، اخیر زندگی میں دنیاوی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کر کے پہاڑوں میں روپوش ہو گیا تھا، پھر دھیرے دھیرے لوگ اس کی طرف مائل ہونے لگے یہاں تک اس کے چاہنے والوں نے ایک فرقہ کی شکل اختیار کر لی، جسے مارونیت (مورانہ) کہا جانے لگا، مارون کا زمانہ چوتھی صدی عیسوی کا اخیر زمانہ ہے اس کی وفات ۴۱۰ء میں انطاکیہ اور قورس کے درمیان ایک مقام پر ہوئی، بعد میں اس کی عبادت گاہ کو اس کے ماننے والوں نے کلیسا کی شکل دے کر اس کا نام مارون (Maron) رکھ دیا۔

مارون کی وفات کے چند سالوں بعد مارونیوں اور روم کے آرتھوڈکس عیسائیوں کے درمیان سخت اختلاف اور کشمکش ہو گئی جس کی وجہ سے مارونی انطاکیہ سے نہر عاصی کے علاقہ افامیا کے نزدیک قلعہ المضیق منتقل ہو گئے اور یہاں مارون کے نام سے منسوب ایک کلیسا بنایا، اس نئی جگہ پر ۵۱۷ء میں ان میں اور آرتھوڈکس کے یعقوبی فرقہ کے درمیان ایک دوسرا شدید ترین جھگڑا پیدا ہو گیا جس نے خونی معرکہ کی شکل اختیار کر لی، اس لڑائی میں تین سو پچاس (۳۵۰) مارونی ہلاک ہوئے اور ان کے کلیسا کو منہدم کر دیا گیا۔

خانماں بربادی کے زمانہ میں شہنشاہ اعظم سرقیانوس کی توجہ و عنایت حاصل ہوئی، اسی شہنشاہ نے ۴۵۲ء میں مارونیوں کے کلیسا کی توسیع کی تھی، اس کے بعد شہنشاہ یوستغیان

کی ہمدردی حاصل ہوئی جس نے ان کے منہدم کلیسا کی دوبارہ تعمیر کرائی، اس کے بعد شہنشاہ ہرقل نے فارس پر فتح حاصل کرنے کے بعد جب ۶۲۱ء میں ان سے ملاقات کی تو ہرقل نے مارونیوں کی بڑی مدد کی، اوران کو تقویت پہونچائی۔

۶۵۸ء میں مارونسٹوں اور یعقوبیوں نے حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کے سامنے اپنا جھگڑا پیش کیا، لیکن اختلاف ختم نہ ہوسکا اور دونوں فریقین کے درمیان انتقامی لڑائیاں شروع ہوگئیں، اور مارونیوں کو شمالی لبنان کے علاقے کی طرف ہجرت کرنی پڑی، یہاں مارونسٹوں کو سکون نصیب ہوا۔ انہوں نے پھر لبنان کو اپنا دائمی مستقر بنالیا۔

مارونیت کے اس نئے مستقر لبنان میں پادری یوحنا مارون مارونسٹوں کے مجدد کی حیثیت سے منظر عام پر آیا اور بڑی شہرت حاصل کی، یوحنا مارون کو جدید مارونیت کا بانی سمجھا جاتا ہے، اسی نے مارونیت کی از سر نو تنظیم کی، اس کے اصول وضوابط بنائے اور اس کے افکار وتصورات اور نظریات وعقائد متعین اور مرتب کیے۔

یوحنا مارون انطاکیہ کے قریب ارض روم میں پیدا ہوا، قسطنطنیہ میں تعلیم پائی، اس کے بعد لبنان کے شمالی ساحل پر واقع بترون کا بشپ مقرر ہوا، ۶۷۶ء میں مارونیت کا یہ عقیدہ پیش کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دو طبیعتیں ہیں لیکن مشیت ایک ہی ہے، کیونکہ دونوں طبیعتیں ایک ہی اقنوم میں جمع ہیں، لیکن عیسائی کلیساؤں نے اس عقیدہ کو قبول نہیں کیا، اور ۶۸۰ء میں قسطنطنیہ کی تیسری کانفرنس منعقد کی گئی جس میں ۲۸۶ بشپ شریک ہوئے، شرکاء اجلاس نے بالاتفاق یوحنا مارون کے عقیدہ کو مسترد کرتے ہوئے ایک تجویز پاس کی کہ اس عقیدہ کے پیش کرنے والوں کو عیسائیت سے خارج کردیا جائے، ملک سے نکال دیا جائے اور جو بھی اس کے عقیدہ کو اختیار کرے اس کو عیسائیت سے خارج قرار دیا جائے۔

یوحنا مارون پہلا مارونسٹ ہے جسے مارونیت کا بطریرک (پیٹرک patriarchate (آرکہ بشپ یعنی سربراہ اعلیٰ) منتخب کیا گیا، اس کے بعد سے بطریرک کا عہدہ شروع ہوا، اسی نے مارونسٹوں کی ایک فوج بنا کر یوستغیان ثانی کو ''امیون'' میں شکست دی جو ان کی عبادت گاہوں کو ڈھانے اور خود ان کا خاتمہ کرنے کے ارادے سے آیا تھا، اس فتح کے بعد

مارونسٹوں کا شمار ایک مستقل قوم کی حیثیت سے ہونے لگا جسے پہاڑی قوم کا نام دیا گیا۔

اس شکست کے بعد روم کے کلیسا نے مارونسٹوں کے تئیں اپنا رویہ نرم کیا، اوران کو قریب کرنے کے وسائل اختیار کیے، اسی تناظر میں مارونی بطریرک ارمیا عمشیتی نے ۱۲۱۳ء میں روم کا سفر کیا اور رومی کلیسا کے پادریوں سے ملاقات کی، واپسی کے بعد مارونی علماء کے احترام کے اصول وقواعد میں، عبادت کے رسم ورواج اور طریقوں میں، اور راہبوں کے منصب ومقام میں کچھ تبدیلیاں کیں، دھیرے دھیرے یہ قربت بڑھتی رہی، یہاں تک ۱۲۸۲ء میں مارونسٹوں نے پوپ بشپ کلیسا کی اطاعت قبول کرلی، اور پھر ۱۷۳۶ء میں تقریباً مکمل اتحاد قائم ہوگیا اور مارونی کلیسا کا شمار روم کے پوپوں کے نزدیک مقبول وپسندیدہ کلیساؤں میں ہونے لگا۔

مارونسٹوں نے صلیبی جنگوں میں بڑا نمایاں رول ادا کیا، مارونسٹوں نے صلیبی جنگوں میں رہبری اور رہنمائی کا کام کیا، رضا کار مارونسٹوں کی ایک ٹیم فراہم کی گئی جس نے بیت المقدس تک پہونچنے کا راستہ ہموار کیا، صلیبی جنگوں کے مورخین کے مطابق ان جنگوں میں چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) مارونسٹ شریک ہوئے، جہاں جہاں صلیبیوں نے فتح حاصل کی اور حکومت قائم کی وہاں دوسرے عیسائی فرقوں کے مقابلہ میں مارونسٹوں کو پہلے طبقہ میں رکھا جاتا، اوران کو خاص حقوق اور مخصوص رعایتیں حاصل ہوتیں، جو انگریزوں کو حاصل تھیں، مثال کے طور پر مملکت بیت المقدس میں زمین کی ملکیت کا حق ان کو حاصل تھا۔

لوئی نہم مارونسٹوں کا پہلا فرانسیسی دوست تھا، مارونسٹوں کو فرانس کی ہمدردی اور دوستی اس وقت حاصل ہوئی تھی جب صلیبی جنگوں کے دوران پندرہ ہزار افراد پر مشتمل مارونسٹوں کا ایک وفد ہدایا وتحائف اور سامان رسد وکمک کے ساتھ مقام عکا میں لوئی نہم سے ملا، اس موقع پر لوئی نہم نے مارونسٹوں کے نام ایک پیغام لکھا جس میں یہ درج ہے کہ فرانس مارونسٹوں کی حمایت ومدد کا عہد کرتا ہے، لوئی نہم نے لکھا تھا "یہ فرقہ (مارونی) جو مارون کی طرف منسوب ہے، فرانسیسی قوم کا ایک جزء ہے"۔

مارونسٹوں کے ساتھ مغرب کی یہ مراعات اور ہمدردی بعد کی نسلوں میں جاری رہی، ۱۸۶۰ء میں نپولین سوم Louis-Napoléon Bonaparte III (۱۸۰۸ء-۱۸۷۳ء) نے مارونسٹوں کی حفاظت اور حمایت کے لیے ایک فرانسیسی ٹیم بھیجی تھی، اسی طرح پہلی جنگ عظیم کے بعد جب کہ لبنان فرانس کے کنٹرول میں آ گیا تھا۔

چند مشہور مارونسٹ

۱۔ ٹیوویل: اس کا تعلق شام کے شمالی خطہ سے ہے، عباسی خلیفہ مہدی (۷۷۵ھ-۷۸۵ھ) کے دربار میں نجومی کی حیثیت سے کام کرتا تھا، اس نے ہومرس Hómeros کے مشہور الیاذہ The Iliad کا ترجمہ بھی کیا ہے۔

۲۔ مشہور مورخ اسطفانوس Estafanous: یہ متعصب مارونی ہے، اسکی وفات ۱۷۰۴ء میں ہوئی۔

۳۔ بطریرک جرجس عمیرہ: مشہور مارونی ہے، مستشرقین کے لئے عربی زبان کو آسان بنانے کے لئے لاطینی زبان میں قواعد وضوابط مرتب کیے۔

۴۔ مشہور مارنسٹوں میں یوسف حبیش، پال مسعد، یوحنا الحاج، بطریرک الیاس الحویک وغیرہ کے نام بھی آتے ہیں۔

مارونی پادریوں میں سب سے مشہور پادری جرمانوس فرحات، یوسف سمعان سمعانی، یوحنا حبیب اور یوسف بس ہیں۔

مارونیوں کے مشہور مراکز میں آل خازن، دحداح، حبیش، سعد، کرم، ظاہر، بستان، شدیاق، نقاش اور باز ہیں۔ مارونیوں کے موجودہ رہنماؤں میں آل جمیل، شمعون، ونجیہ اورادہ ہیں۔

لبنان میں مارونیوں کی مشہور سیاسی وفوجی تنظیموں میں حزب الکتائب اور حزب الاحرار ہیں۔

۱۹۴۳ء سے ایک قومی معاہدہ کے تحت لبنان کا صدر جمہوریہ مارونی ہوتا ہے، یہ

معاہدہ زبانی طور پر مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ہوا تھا جس میں ملک کے بنیادی عہدے اور مناصب دینی جماعتوں اور فرقوں کے اعتبار سے تقسیم کئے گئے تھے۔

مارونیت کے افکار و عقائد

مارونسٹوں کو دیگر عیسائی فرقوں سے جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دو طبیعتیں ہیں اور مشیت ایک ہے، اس طور پر کہ دو طبیعتیں ایک اقنوم میں جمع ہیں، اس عقیدہ کا قائل شہنشاہ ہرقل بھی تھا، تاکہ شام کے عیسائیوں میں اتحاد باقی رہے کیونکہ شام میں اس عقیدہ کے ماننے والے اکثریت میں تھے، اس طرح ہرقل دونوں فرقوں یعنی ایک طبیعت کے ماننے والوں اور آرتھوڈکس بازنطینی کلیسا کے متبعین کے درمیان اتحاد قائم کرنا چاہتا تھا، لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکا۔

مارونیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قداس کا طریقہ (عیسائیوں کا روٹی اور شراب پر مخصوص ومعین الفاظ کے ذریعہ دعاء کرنا) اس طریقہ سے ماخوذ ہے جس کی نسبت پوپ یعقوب کی طرف کی جاتی ہے، اس طرح ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ عبادت وخدمت مسیحی کلیسا کی قدیم ترین روایت ہے جس کی اصل آخری عشاء ربانی سے جاملتی ہے۔

مارونی کلیسا اپنی عبادت اور مذہبی امور میں سریانی زبان استعمال کرتا ہے اور آج ان کلیساؤں پر جو پوپ کے قبضہ واقتدار کے قائل ہیں سریانی چھاپ نمایاں ہے۔

تیرہویں صدی عیسوی کے اوائل سے مارونیوں کے طریقہ عبادت اور رسم ورواج میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں ہیں خصوصاً پوپ انوسینٹ سوم Pope Innocent III کے عہد میں، تاکہ لاطینی رسم ورواج اور طریقہ عبادت سے موافقت پیدا ہوسکے، مثلاً نصرانی بناتے وقت بچہ کو تین بار پانی میں غوطہ دینا، ثالوث (اقانیم ثلاثہ کی مقدس علامت) کو صرف ایک بار طلب کرنا، بڑے امور کی انجام دہی صرف بڑے پادریوں کے ذریعہ، انگوٹھی اور ٹوپی وغیرہ پہننے میں لاطینی لباس کی پابندی، لکڑی کے ناقوس کے بدلہ گھنٹیوں کا استعمال جیسا کہ تمام مشرقی کلیساؤں میں رائج ہے۔

مارونی اصلاً مشرقی کیتھولک عیسائیوں کی ایک شاخ ہیں جو نصرانیت کا دعویٰ کرتے ہیں، اس اعتبار سے مارونی بھی فکر اور عقیدہ کے لحاظ سے اصلاً نصرانی ہیں، مارونی اپنے قدیم سریانی سرمایہ اور سریانی زبان کی سختی سے پابندی کرتے ہیں، قدیم مارونی روایات میں تبدیلی کے بعد مارونیت اور روم کی پاپائیت میں کافی حد تک اتحاد پیدا ہو گیا ہے۔

مختلف مراحل اور ادوار سے گزرتے ہوئے مارونسٹوں کو لبنان میں استقرار حاصل ہوا، اور لبنان کی موجودہ سیاست میں ان کا بڑا اثر و نفوذ ہے، اس کے علاوہ دنیا کے مختلف حصوں میں مارونی پائے جاتے ہیں، مثلاً انطاکیہ، طرابلس، قبرص، نکوشیا، عراق، شام، دمشق، حلب، فلسطین، مصر، روس، مالٹا، امریکہ، افریقہ، انڈونیشیا۔ مارونی مسلمانوں کے بیچ رہ کر ان کو دین اسلام اور اسلامی تہذیب و تمدن سے برگشتہ کرتے ہیں، دینی قدروں سے نفرت پیدا کرتے ہیں، اور عیسائیت کی اشاعت و تبلیغ کا کام کرتے ہیں، اسی طرح استعماری اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔

مراجع:

(۱) النصرانية والإسلام / محمد عزت اسماعيل طهطاوی، مصر، ۱۹۷۷ء۔
۲۔ محاضرات فی النصرانية / محمد أبو زهرة، مصر ۱۳۸۵ھ۔
۳۔ أضواء علی المسيحية / محمد متولی شلبی، ۱۹۶۸ء۔
۴۔ تاريخ لبنان / ڈاکٹر فلپ ہٹی۔ بیروت، ۱۹۷۲ء۔
۵۔ خطط الشام / محمد کرد علی، بیروت، ۱۹۷۱ء۔
۶۔ مقارنة الأديان / د/ احمد شلبی، قاہرہ، ۱۹۷۷ء۔
۷۔ تاريخ الطائفة المارونية / اسطفان الدویہی، بیروت، ۱۸۹۰ء۔
۸۔ التواريخ القديمة من المختصر فی أخبار البشر / أبو الفداء
۹۔ التاريخ المجموع علی التحقيق والتصديق / سعيد بن البطريق، بيروت، ۱۹۰۹ء۔
۱۰۔ تاريخ مختصر الدول / ابن العبری۔ بیروت، ۱۸۹۰ء۔
۱۱۔ التنبيه والإشراف / المسعودی، لیڈن، ۱۸۹۳ء
۱۲۔ المحاماة عن الموارنة وقديسهم / أفرام الديرانی، بيروت
۱۳۔ تاريخ سوريا / يوسف الدبس، بیروت، ۱۹۰۰ء۔
۱۴۔ الأديان المعاصرة / راشد عبدالله الفرحان، کویت، ۱۹۸۵ء

یہودیت

بنی اسرائیل

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے نبی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کی اصلاح وہدایت کے لیے مقرر کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے دو شاخیں نکلیں، ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد جو عرب میں رہی، دوسری حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد جن میں حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت سلیمان، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام پیدا ہوئے، حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب چونکہ اسرائیل تھا اس لیے ان کی نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت اور امامت کا منصب ان کی نسل کی اس شاخ کو ملا جو حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام سے چلی اور بنی اسرائیل کہلائی، اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بیت المقدس کو اپنا مرکز قرار دیا۔ قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی ذریت میں جو انبیاء کرام بنائے گئے، ان کا تذکرہ آیا ہے، سورہ انعام میں ایک جگہ اس طرح ذکر آیا ہے:

﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاء إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ، وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلاًّ هَدَيْنَا وَنُوحاً هَدَيْنَا مِن قَبْلُ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ، وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى

وَعِيْسَى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِيْنَ، وَإِسْمَاعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطاً وَكُلًّا فضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِيْنَ، وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ، ذَلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَلَوْ أَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ، أُوْلَئِكَ الَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ﴾ (سورہ انعام:۸۳-۸۹)

اور یہ ہے ہماری وہ دلیل جو ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی، جس کے چاہیں ہم درجات بلند کریں، بلاشبہ آپ کا رب حکمت والا خوب جاننے والا ہے، اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے، سب کو ہدایت بخشی، اور ان سے پہلے نوح کو ہم نے ہدایت بخشی، اور ان کی اولاد میں داودؑ اور سلیمانؑ کو اور ایوبؑ اور یوسفؑ کو اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی اور نیک کام کرنے والوں کو ہم یونہی بدلہ دیا کرتے ہیں، اور اسی طرح زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو بھی، وہ سب صالح لوگوں میں تھے، اور اسماعیلؑ اور یسعؑ کو اور یونسؑ کو اور لوطؑ کو اور ان سب کو ہم نے تمام جہانوں پر فضیلت بخشی، اور ان کے باپ دادا میں اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے بھی بہتوں کو ہدایت دی، اور ہم نے ان کو منتخب کیا اور سیدھے راستہ پر چلایا، یہ اللہ کا بتایا راستہ ہے، وہ اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے اس راستہ پر چلا دیتا ہے، اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کے سارے کام بیکار چلے جاتے، انہی لوگوں کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت دی۔

سورہ نساء میں آیا ہے:

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوْحٍ وَالنَّبِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمَاعِيْلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيْسَى وَأَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهَارُوْنَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُوْدَ زَبُوْراً﴾ (سورہ نساء:۱۶۳)۔

یقیناً ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے، جیسا کہ ہم نے نوح اور ان کے بعد کے نبیوں کی طرف وحی کی، اور ابراہیم و اسماعیل، اور اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف بھی وحی کی اور ہم نے داود کو زبور دی۔

یہودیت کی بنیاد

انبیائے بنی اسرائیل یا ان کی قوم نے کبھی بھی اپنے آپ کو یہودی نہیں کہا، لیکن بعد کے عہد میں اس خاندان نے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے یہوداہ کی نسل سے تھا اپنے آپ کو یہوداہ سے منسوب کر کے یہودی کہنا شروع کر دیا، یہیں سے یہودیت کی بنیاد پڑی، حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تو جس حصہ پر یہوداہ کے خاندان کے لوگ قابض ہوئے وہ یہودیہ کہلائی، اور دوسری سلطنت جس پر بنی اسرائیل کے دوسرے قبیلے قابض ہوئے سامریہ کہلائی، لیکن جب آشوریوں نے سامریہ کو تباہ کر دیا تو صرف یہوداہ اور بن یامین کی نسل باقی رہ گئی جس پر یہودیہ کے غلبہ کی وجہ سے پوری قوم پر یہودی کا اطلاق ہونے لگا، اس نسل کے کاہنوں، ربیوں اور علماء نے صدیوں تک اپنے بدعتی خیالات، خدا فراموشی، دنیا پرستی اور دین بیزاری پر مبنی تصورات کے مطابق عقائد، رسومات اور باطل مذہبی روایات کا جو بدروح ڈھانچہ مرتب کیا وہ یہودیت کہلایا۔

حضرت موسیٰ اور یہود

حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں دین حنیف سے دوری، شیطان کی پیروی، خدا فراموشی، دنیا پرستی و نفس پرستی اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دینے والے اعمال کا رواج عام ہو گیا اور دوسری طرف فرعون مصر رعمسیس دوم Ramesses II (۱۳۰۳-۱۲۱۳ قبل مسیح) نے بنی اسرائیل پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون مصر کے ظلم سے بچانے اور راہ راست پر لانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نشو و نما اور تربیت فرعون ہی کے دربار میں ہوئی، جب آپؑ جوان ہوئے

تو بلا قصد وارادہ ایک مصری کو قتل کر دیا جس کی وجہ سے آپ کو مدین جانا پڑا، جہاں شعیب علیہ السلام سے جا ملے اور حضرت شعیبؑ نے اپنی ایک لڑکی کی شادی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر دی۔

مصر سے واپسی میں وادی سیناء میں اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو نبوت سے سرفراز کیا، اور آپ کو یہ ذمہ داری دی گئی کہ آپؑ اور آپؑ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام فرعون مصر کے پاس جائیں، اسے دعوت دیں، اور بنی اسرائیل کو نجات دلائیں، چنانچہ فرعون کو دعوت دینے اور ایک مدت تک اس کو سمجھانے کے بعد آپ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے ارض مقدس فلسطین کی طرف روانہ ہوئے، یہ واقعہ فرعون مصر رعمسیس دوم کے لڑکے منفتاح کے زمانے کا ہے، جو ۱۲۱۳ ق م میں اپنے باپ کا جانشین مقرر ہوا، منفتاح نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کی قوم کا تعاقب کیا، لیکن اللہ نے اسے پورے لشکر کے ساتھ سمندر میں غرق کر دیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کی قوم کو نجات سے ہمکنار کیا۔ قرآن مجید کی متعدد سورتوں (اعراف، طٰہٰ، قصص وغیرہ) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا گیا۔

صحراء سیناء میں پہاڑ پر پروردگار عالم کی تجلی اور سامری کے واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو فلسطین چلنے کا حکم دیا، لیکن بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی اور ٹکا سا جواب دیا کہ ﴿إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ ، فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُونَ﴾ اللہ نے اپنے نبی کی نافرمانی کے پاداش میں بنی اسرائیل کو سزا دی کہ چالیس سال تک صحرا میں ادھر ادھر مارے مارے پھرتے رہے، اس دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیا سے رحلت فرما گئے۔

یوشع بن نونؑ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام بلکہ مورخین کا خیال ہے کہ آپ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ سب کے سب اس وادی تیہ میں ہلاک ہو گئے، صرف دو شخص زندہ باقی رہ گئے جن میں ایک یوشع بن نونؑ تھے جن کو یہود یشوع کہتے ہیں۔

یوشع بن نونؑ کی سرکردگی میں یہود نہر اردن پار کر کے فلسطین کے شہر اریحا میں

۱۱۹۰ ق م میں داخل ہوئے، اریحا پر قبضہ کرنے کے بعد رام اللہ کے قریبی شہر "عائی" پر حملہ کیا، اور شہر قدس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوئے، حضرت یوشع کا انتقال ۱۱۳۰ ق م میں ہوا۔

عہد القضاۃ

جب بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے تو یہاں مشرکین آباد تھے، توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو جو ہدایات دی گئی تھیں ان میں صاف صاف کہہ دیا گیا تھا کہ تم ان لوگوں سے جنگ کر کے ان سے فلسطین چھین لینا، اور ان کی اخلاقی اور اعتقادی خرابیوں میں مبتلا مت ہو جانا، لیکن بنی اسرائیل نے یہ واضح ہدایات فراموش کر دیں، اور ایک مرکزی حکومت قائم کرنے کے بجائے چھوٹے چھوٹے بارہ قبیلوں (اسباط) میں منقسم ہو گئے، تاریخ میں یہودیوں کے اس عہد کو "عہد القضاۃ" کے نام سے جانا جاتا ہے، کیونکہ ہر قبیلہ میں اقتدار و حکومت کی نکیل کاہن قاضیوں کے ہاتھ میں تھی، اس عہد میں یہودی اپنا دین چھوڑ کر دنیاوی فوائد اور نفسانی خواہشوں کے حصول کی خاطر مشرکانہ عقائد اپنا بیٹھے، انارکی، کرپشن، اختلاف وخلفشار اور اخلاقی ودینی بے راہ روی اسرائیلیوں میں عام ہو گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کا عذاب نازل ہوا، اور ان مشرکوں نے آپس میں اتحاد کر کے یہودیوں کو فلسطین کے بڑے حصہ سے بے دخل کر دیا۔

طالوت

یہودیوں کو جب اپنی حماقت کا احساس ہوا تو پھر انہیں اپنے لیے ایک قائد کی ضرورت محسوس ہوئی اور ۱۰۲۰ قبل مسیح میں اپنے ایک پیغمبر حضرت سموئیل علیہ السلام کے کہنے پر انہوں نے بڑے قیل وقال کے بعد طالوت کو اپنا قائد مان لیا۔

حضرت داؤدؑ

طالوت نے ۱۰۲۰ قبل مسیح سے ۱۰۰۴ قبل مسیح تک حکومت کی، طالوت کے بعد ۱۰۰۴ قبل مسیح سے ۹۶۵ قبل مسیح تک حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت رہی، حضرت داؤد علیہ السلام

ہی فلسطین میں مملکت بنی اسرائیل کے حقیقی بانی سمجھے جاتے ہیں کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے عہد میں فلسطین پر یہودیوں کو متفرق علاقوں پر جزوی کنٹرول حاصل تھا، اور قاضیوں کا پورا زمانہ خانہ جنگی میں گزرا، حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت کی مدت چالیس سال ہے، داؤد علیہ السلام نے اپنی سلطنت کا پایہ تخت یروشلم (قدس) کو بنایا، یہیں پر مقدس ہیکل تعمیر کیا، اور تابوت منتقل کیا، اور موروثی طور پر حکومت آپ کی نسل میں منتقل ہوتی رہی۔

حضرت سلیمانؑ

حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی (۹۶۵-۹۲۶ قبل مسیح) اور اس کام کو مکمل کیا جسے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد نامکمل چھوڑ دیا تھا، آپؑ کی مدت حکومت تقریباً ۸۰ سال ہے، یہ عہد بنی اسرائیل کا سنہرا دور کہلاتا ہے۔

جادو ٹونے کا آغاز

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پھر شرک، بداعمالیوں اور نفس پرستی میں مصروف ہوگئے، بعد میں آنے والے انبیائے بنی اسرائیل نے انہیں راہ راست پر لانے اور صراط مستقیم دکھانے کی کوششیں کیں، لیکن یہ لوگ باز نہ آئے اور ان کی اخلاقی اور اعتقادی حالت خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی، اور ان کی ساری توجہ جادو ٹونے اور عملیات کی طرف مبذول ہوگئی، اور انہیں شیاطین نے بہکایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظیم طاقت ان نقوش اور منتروں کی وجہ سے تھی لہٰذا جادو ٹونا اس زمانہ میں عام ہوگیا۔

یہودیہ اور سامریہ ریاستیں

یہودیوں کی انہی بداعمالیوں کی وجہ سے وہ عظیم سلطنت جو حضرت سلیمان علیہ السلام چھوڑ گئے تھے دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں (اسباط) کے نمائندے نابلس کے قریب شکم میں احبعام بن سلیمان کی بیعت کے

لیے اکٹھا ہوئے، لیکن احبعام کے نام پر اتفاق نہ ہوسکا، بلکہ افرائیم قبیلہ کے ایک فرد یربعام کے نام پر اتفاق ہوا، اور اس کو بادشاہ منتخب کرلیا گیا اور اس کی مملکت کا نام اسرائیل پڑا، اور دارالسلطنت شکم قرار پایا، دوسری طرف یہوداہ اور بن یامین قبیلہ نے احبعام بن سلیمان کو بادشاہ تسلیم کرلیا اور اس کی حکومت مملکت یہودیہ کہلائی اور شہر قدس (یروشلم) پایہ تخت قرار پایا، اس طرح بنی اسرائیل کی عظیم متحدہ سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی، شمالی ریاست یہودیہ کہلائی، اور جنوبی ریاست سامریہ۔

مملکت اسرائیل کا خاتمہ

مملکت اسرائیل ۹۲۳ قبل مسیح سے ۷۲۱ قبل مسیح تک قائم رہی، اور مملکت یہوداہ ۹۲۳ قبل مسیح سے ۵۸۶ قبل مسیح تک قائم رہی، دونوں مملکتوں میں ۱۹ بادشاہ ہوئے، مملکت اسرائیل (ریاست سامریہ) کا سب سے مشہور بادشاہ عمری (۸۸۵-۸۷۴ قبل مسیح) تھا جس نے سامرہ تعمیر کیا اور پھر اس کو اپنا مستقر بنایا، عمری کے بعد بغاوت شروع ہوگئی، آشوری بادشاہ تجلات بلشر سوم نے مملکت اسرائیل کی سرحدیں کم کردیں اور شلمنصر پنجم Shalmaneser اور پھر سرجون دوم Sargon II نے مملکت اسرائیل کے آخری فرمانروا پر فوج کشی کی، اور ہزاروں یہودیوں کو قتل کر کے باقی ماندہ کو حران، خابور، کردستان اور ایران جلاوطن کردیا، اس طرح ۷۲۱ قبل مسیح میں اس مملکت کا خاتمہ ہوگیا۔

ریاست یہودیہ کا خاتمہ

دوسری ریاست یہودیہ کی دینی واخلاقی حالت شروع میں بہتر رہی، لیکن بعد میں وہاں بھی بت پرستی، نفس پرستی اور مشرکانہ عقائد رواج پاگئے اور وہ بداعمالیوں میں مصروف ہوگئے، اور یربعام بن سلیمان کے دور میں لواطت کے عام ہوجانے کی وجہ سے ان کے اخلاق بگڑ گئے، اس کے بعد ابیام کے دور اقتدار (۹۱۵-۹۱۳ قبل مسیح) میں حالات اور زیادہ بگڑ گئے، اس کے بعد یہورام بن یہوشفاط کا دور آیا (۸۴۹-۸۴۲ قبل مسیح) اس نے اپنی قوم کے سربرآوردہ لوگوں کے ساتھ اپنے چھ بھائیوں کو بھی قتل کردیا، اس کے بعد یوحاز بن یونام (۷۳۵-۷۱۵ قبل مسیح) کے دور میں بت پرستی اور زیادہ عام ہوگئی، حتی کہ خود بادشاہ

نے اپنے کئی لڑکوں کو بتوں کی بھینٹ چڑھادیا، اور نفس پرستی میں ڈوب گیا، اس کے بعد منسی بن حرقیا نے اپنے دور حکومت (۶۸۷ء-۶۴۲ء قبل مسیح) میں اپنی قوم کو اللہ کی بندگی واطاعت سے پھیر دیا اور بت خانے تعمیر کروائے، اسی ظالم بادشاہ نے نبی اشعیا بن آموص پر آرے چلوائے، اسی طرح یہودیوں نے نبی ارمیاہ کو پتھروں سے قتل کرڈالا، اس سے پہلے یہودیوں نے نبی حزقیل کو بھی قتل کردیا تھا، جرم صرف اتنا تھا کہ ان انبیاء کرامؑ نے یہودیوں کو برے کاموں سے منع کیا اور اچھے کاموں اور اعلیٰ اخلاق کی دعوت دی تھی۔

یہودیوں کی پہلی تباہی

اس اخلاقی انحطاط اور ظلم کا انجام یہ ہوا کہ ۵۹۸ء قبل مسیح میں کلدانی حکمراں بخت نصر نے ریاست یہودیہ پر قبضہ کرلیا، اور گیارہ سال بعد ۵۸۷ء قبل مسیح میں پوری ریاست کو تاراج کر کے یروشلم اور ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور یہودیوں کو وہاں سے نکال کر بابل سے جلاوطن کردیا، یہ یہودیوں کی پہلی بربادی تھی۔

تلمود میں مذکور ہے کہ یہودی اسی وقت تباہ وبرباد کئے گئے جب انکی سرکشی، بداعتقادی، اور بداعمالیاں حد سے تجاوز کرگئیں، اور اپنے نبی ارمیاہؑ کی بات ماننے سے انکار کردیا تو ارمیاہؑ نے بخت نصر اور کلدانیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ کی پسندیدہ قوم پر تمہارا غلبہ وفتح تمہاری طاقت وقوت کیوجہ سے نہیں بلکہ ان کے مشرکانہ اعتقادات اور مجرمانہ اعمال کا یہ نتیجہ ہے" (بحوالہ الطریق إلی القدس، از ڈاکٹر محسن محمد صالح، ص: ۲۴)

فلسطین میں دوبارہ واپسی

۵۳۹ء قبل مسیح میں جب کلدانیوں پر زوال آیا اور ایران کے شہنشاہ اعظم قورش دوم نے بابل کو فتح کیا تو فلسطین بھی جو کلدانیوں کی عملداری میں تھا اس کے قبضہ میں آگیا، اور ۵۳۹ء سے ۳۳۲ء قبل مسیح تک فلسطین ایرانی اقتدار کے ماتحت رہا، سائرس اعظم (قورش

دوم) نے فلسطین کو اپنی قلمرو میں شامل کرنے کے بعد یہودیوں کو دوبارہ فلسطین میں آباد ہونے اور ہیکل سلیمانی از سرنو تعمیر کرنے کی اجازت دیدی، لیکن سب یہودی فلسطین واپس نہیں آئے، بلکہ تھوڑی تعداد میں واپس ہوئے، باقی وہیں بابل میں مقیم رہے، ڈاکٹر محسن صالح نے لکھا ہے کہ بعض مورخین کے خیال میں واپس ہونے والے یہودیوں کی تعداد ۴۲ ہزار تھی، جو حقیقی تعداد کے مقابلہ میں بہت معمولی ہے، ۵۱۰ قبل مسیح میں دارا اول کے عہد میں ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کیا گیا، اس طرح فلسطین میں یہودیوں کو دوبارہ ایران کی سرپرستی میں اپنی حکومت قائم کرنے کا موقع ملا۔

۴۵۸ قبل مسیح میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی یہودیہ آگئے اور انہوں نے دین موسوی کی تبلیغ کرکے یہودیوں کی اعتقادی اور اخلاقی اصلاح کرنی شروع کی، ۴۴۵ قبل مسیح میں کچھ اور یہودی قبیلے بابل سے فلسطین واپس آگئے، اور شاہ ایران نے انہیں شہر پناہ تعمیر کرنے کی بھی اجازت دیدی اور بیت المقدس پھر سے آباد ہوگیا، یہودیوں کی دوسری ریاست سامریہ کے یہودیوں پر حضرت عزیر علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا، اور انہوں نے بیت المقدس کے مقابلہ میں اپنا ایک الگ دینی مرکز قائم کرلیا، اور اس طرح دونوں یہودی ریاستوں میں رقابت شروع ہوگئی۔

فلسطین پر یونانیوں کا قبضہ

۳۳۲ قبل مسیح میں سکندر اعظم مقدونی نے ملک شام، مصر، عراق، ایران اور ہندوستان کے بعض علاقوں پر قبضہ کے ساتھ ساتھ فلسطین پر قبضہ کرلیا، اور فلسطین جو ایرانی حکومت کے زیر نگیں تھا اب یونانیوں کے زیر اثر آگیا، یونانیوں کا اقتدار ۶۳ قبل مسیح تک کسی نہ کسی صورت میں قائم رہا، سکندر اعظم کے بعد اس کی مملکت عظمیٰ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، ایک بطالمہ کے نام سے جانی جاتی ہے دوسری ریاست سلوقیہ کہلائی، آخر میں سلوقیوں نے سلوقی بادشاہ انطیوخس کی سرکردگی میں "بانیون" کے معرکہ میں بطالمہ کو شکست فاش دے کر فلسطین پر قبضہ کرلیا۔

یہودیوں میں بت پرستی کا رواج

یونانی عقیدۂ شرک کے حامل تھے اور دیویوں، دیوتاؤں کے پجاری تھے، ان کی حکمرانی کا یہ اثر ہوا کہ یہودیوں کی ایک بڑی تعداد دین موسوی چھوڑ کر حکمرانوں کی ہم عقیدہ بن گئی، جنہیں تاریخ میں متہلنون یا متاغرقون (یونانیت اختیار کرنے والے) کہا جاتا ہے، لیکن ایک تعداد نے یونانی عقیدہ قبول نہیں کیا اور قدس کو چھوڑ کر چلے گئے، انہیں تاریخ میں "حزب القدیسین" کہا جاتا ہے، لیکن عام طور پر یہودی یونانی بت پرستی کے رنگ میں رنگ گئے، عبرانی کی جگہ آرامی زبان نے لے لی، اور یہودیوں کی حزب القدیسین نے یونانیوں کے خلاف جنگ کر کے فلسطین کے ایک علاقہ میں مکابی یہودی کی قیادت میں حکومت قائم کر لی، یہ حکومت ۶۷ قبل مسیح تک قائم رہی، جس کی باگ ڈور مکابی کی نسل سے تعلق رکھنے والے یہودیوں کے ہاتھ میں رہی۔

یہودیوں میں خانہ جنگی

اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد یہودیوں میں پھر وہی نفس پرستی، اعتقادی اور اخلاقی برائیاں عود کر آئیں اور آپس میں خانہ جنگی شروع ہوگئی، حتی کہ خود ان ہی میں سے ایک گروہ (ہیر کانوس Herkanos نے اپنے بھائی اریسٹو بولوس Aristobulus کے خلاف) رومن فاتح پومپی آئی Pompey کو فلسطین آنے کی دعوت دی چنانچہ پومپی آئی نے ۶۳ قبل مسیح میں فلسطین کو فتح کر کے یہودی حکومت کا خاتمہ کر دیا، لیکن براہ راست حکومت کرنے کے بجائے یہودیوں میں سے ہیر کانوس کو اپنا نمائندہ مقرر کر دیا، ۴۷-۴۰ قبل مسیح میں فلسطین ایڈومیہ کے حاکم انٹی پیٹر کی ماتحتی میں چلا گیا۔

ایرانی اور رومی رسہ کشی اور یہود

۴۰ قبل مسیح میں ایرانیوں نے پھر دوبارہ فلسطین پر حملہ کر کے اپنے کنٹرول میں لے لیا، اور ہیر کانوس دوم کے بھائی انتی جونوس کو حاکم اور یہودیوں کا کاہن مقرر کر دیا، یہ حکومت

تین سال چلی اور یہ مکابی خاندان کا آخری بادشاہ تھا، ۶۳ قبل مسیح میں رومیوں کو ایرانیوں پر غلبہ حاصل ہوگیا اور فلسطین کو دوبارہ اپنے قبضہ میں لے لیا اور انٹی پیٹر (متوفی ۴۳ ق م) Antipater the Idumaean کے لڑکے ہیروڈ (۷۳-۴ ق م) Herod the Great کو حاکم بنادیا، ہیروڈ نے ایک طرف تو یہودی علماء کی سرپرستی کی لیکن دوسری طرف رومی تہذیب کو فروغ دیا، جس کی وجہ سے پھر وہی مشرکانہ عقائد عام ہوگئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اخلاقی اور روحانی پستی کی انتہا کو پہونچ گئے، ہیروڈ کا اقتدار ۴ قبل مسیح تک باقی رہا، اس نے ہیکل سلیمانی کی توسیع وتجدید کی۔

اس عہد کے انبیائے یہود

اس کے زمانہ میں یہودیوں کی اصلاح وہدایت کے لیے جو انبیاء بنی اسرائیل میں آئے ان میں حضرت زکریا اور حضرت یحیٰ علیہما السلام ہیں، مریم بنت عمران کا زمانہ بھی یہی ہے اور ہیروڈ کے آخری ایام میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام فلسطین کے علاقہ بیت لحم میں پیدا ہوئے، "الموسوعة الفلسطينية" کی تصریحات کے مطابق حضرت مریم ہیروڈ کے خوف سے مصر بھاگ گئیں، پھر کچھ عرصہ بعد ناصرہ شہر واپس آگئیں، اسی وجہ سے حضرت عیسی علیہ السلام کو یسوع ناصری بھی کہا جاتا ہے اور ان کے متبعین کو نصاری کہا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہودیوں کا سلوک

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں میں اصلاح ودعوت کا کام شروع کیا تو یہودی بجائے اس کے کہ ان کی تعلیمات پر عمل کرتے، ان کے خلاف سازش کر کے اپنے زعم اور عقیدے کے مطابق انہیں رومی حکام کے ہاتھوں مصلوب کروادیا، جبکہ قرآن کریم صریح الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دئے جانے کی نفی کرتا ہے:

﴿وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِن شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ

مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ (سورہ نساء:۱۵۷-۱۵۸)

اور ان کی اس بات پر کہ ہم نے اللہ کے رسول مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو قتل کیا جبکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ سولی دی، البتہ ان کو شک میں ڈال دیا گیا اور جو لوگ بھی ان کے سلسلہ میں اختلاف میں پڑے وہ ضرور ان کے بارے میں شک مین مبتلا ہیں، انکل مارنے کے سوا ان کے پاس اس کا کوئی علم نہیں، اور طے شدہ ہے کہ انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے ان کو اپنے پاس اٹھالیا اور اللہ غالب ہے حکمت رکھتا ہے۔

یہودیوں کی دوسری تباہی

یہودیوں کی نفس پرستی، اخلاقی پستی اور سازشی فطرت کا انجام یہ ہوا کہ ۷۰ء میں رومیوں نے رومی کمانڈر ٹیٹس (۳۹ء-۸۱ء)Titus Flavius Vespasianus کی قیادت میں یروشلم کو بزور شمشیر فتح کرلیا، یروشلم کو تاراج اور ہیکل سلیمانی کو بالکل مسمار کردیا، یہودی یا تو قتل کردیئے گئے یا انہیں جلاوطن کردیا گیا، یہودی قیدیوں کو رومن امپائر میں سستے داموں فروخت کیا جاتا یا انہیں اکھاڑے میں درندوں کے سامنے ڈال دیا جاتا، اور رومی تماشا بیں لطف اندوز ہوتے، ٹیٹس نے یہودیوں پر غلبہ کی یادگار کے طور پر ایک کمان بنائی تھی جو آج بھی موجود ہے اور اس میں فتح کے نقوش کندہ ہیں اور یہودیوں کا مقدس سات سروں والا شمعدان بھی موجود ہے۔ جس کو رومی ہیکل سلیمانی سے نکال کر ساتھ لائے تھے، تاریخ میں اس کو یہودیوں کی دوسری تباہی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

قدس سے یہودیوں کی جلاوطنی

اس کے بعد ۱۳۵ء میں رومی شہنشاہ اعظم ہیڈرین Hadrian نے یہودیوں کی دوبارہ سرکوبی اور ان کو نیست و نابود کرنے کے لیے فوجی کمانڈر جولیس سیورس Julius Severus کی قیادت میں فوج بھیجی جس نے یہودیوں کا بالکل صفایا کردیا، باغیوں کو

عبرتناک سزائیں دیں، یروشلم کو مسمار کر دیا، بلکہ اس کی جگہ پر ہل چلوا کر اس کے نشانات تک ختم کروا دیئے، سارے یہودیوں کو یا تو ہلاک کر دیا یا ان کو صحراؤں میں جلاوطن کر دیا، اور یہودیوں کو قدس میں آنے جانے سے بالکل روک دیا گیا بلکہ قریب آنے کی اجازت نہیں تھی، اور قدس میں عیسائیوں کو اس شرط پر قیام کی اجازت دی کہ ان کا تعلق یہودی نسل سے نہ ہو، ہیڈرین نے یروشلم کی جگہ پر ایلیاء شہر تعمیر کیا، اور ہیکل سلیمانی کی جگہ پر ایک بت خانہ تعمیر کروا دیا جسے جوبیٹر کہا جاتا تھا، یہ بت خانہ قسطنطین کے عہد تک باقی رہا۔

تقریباً دو سو سال تک یہودیوں کے فلسطین میں داخلہ اور اقامت پر پابندی عائد رہی اور بعد کی صدیوں میں بھی فلسطین میں ان کا وجود شاذ و نادر ہی رہا، بلکہ انیسویں صدی تک یہی صورت حال جاری ہے، وہ اس طویل عرصہ میں دردر کی ٹھوکریں کھاتے رہے، اور فلسطین میں ان کو کوئی جگہ نہ مل سکی، جب مسلمانوں نے فلسطین کو فتح کیا اور وہاں سے رومیوں کو جلاوطن کیا اور وہاں کے رومی پادری نے یہ شرط لگائی کہ فلسطین میں ایک بھی یہودی کو داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔

بدترین تاریخ

غرض وہ قوم جو اللہ کی اطاعت کی شرط کے ساتھ عظمت کی بلندیوں کو چھونے کے لیے اور انسانیت کی قیادت و امامت کے لیے بھیجی گئی تھی شیطان کے تیار کردہ مادی فوائد اور نفسانی خواہشات کی ترغیبات کے سراب کا تعاقب کرتی ہوئی اپنی جہالت، گمراہی اور اللہ کے احکامات سے بغاوت، نافرمانیوں، غداریوں اور ناپاک سازشوں، انبیاء کرام کے قتل کے پاداش میں اللہ کے عذاب کی مستحق ہوئی، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ "میرا وعدہ ظالموں کے متعلق نہیں ہے" پورا ہو کر رہا، اور بنی اسرائیل کو منصب امامت و قیادت سے معزول کر کے امامت بنی اسماعیل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد کر دی گئی، اور ساتھ ہی بیت المقدس جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ سے مرکز دعوت چلا آ رہا تھا اسے تبدیل کر کے دوبارہ اسی مکہ مکرمہ کو مرکز دعوت بنا دیا گیا جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے زمانہ میں تھا۔

یہودی اللہ کے واضح احکامات سے بھی بغاوت کے نتیجہ میں تقریباً دو ہزار سال در بدر کی ٹھوکریں کھاتے رہے، لیکن اپنے اعمال واخلاق میں درستگی واصلاح کے بجائے انسانیت کے خلاف بدترین سازشوں میں مصروف ہیں، یہودیوں کی پوری تاریخ دھوکہ دہی، مکروفریب، جرائم، عیاری ومکاری اور تخریب کاری سے عبارت ہے، فلسطین سے نکالے جانے کے بعد جس ملک نے بھی انہیں پناہ دی انہوں نے اس قوم کے خلاف سازشیں اور غداریاں کیں۔قرآن مجید نے یہودیوں کی جعل سازیوں، حرام کاریوں، بداعمالیوں، بداخلاقیوں، ان کے انسانیت سوز جرائم اور پھران کے برے اور بھیانک انجام کا تذکرہ متعدد جگہوں پر کیا ہے، سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء اور سورہ مائدہ اور دیگر سورتوں میں ان سب کا تذکرہ بڑی تفصیل سے آیا ہے، سورہ نساء میں ایک جگہ مذکور ہے:

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا، وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ (سورہ نساء:۱۶۰-۱۶۱)

تو یہودیوں کی زیادتیوں کی بنا پر ہم نے کتنی ہی پاک چیزیں ان پر حرام کردیں، جو ان کے لیے حلال کی جاچکی تھیں، اور اس وجہ سے کہ وہ اکثر اللہ کے راستہ کا روڑا بنتے تھے، اور ان کے سود لینے کی وجہ سے جبکہ ان کو اس سے روکا جاچکا تھا، اور ناحق لوگوں کے مال کھانے کی وجہ سے، اور ہم نے ان میں انکار کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب تیار کررکھا ہے۔

سورہ مائدہ میں ایک جگہ آیا ہے:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ، قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ اللَّهِ مَن لَّعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ

أُولَـٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ، وَإِذَا
جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ
وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ، وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ
يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ، لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ
الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ، وَقَالَتِ
الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ
يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا
أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ
وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ
أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ
الْمُفْسِدِينَ، وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ
سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ، وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا
التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن
فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ
سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴾ (سورہ مائدہ:٥٩-٦٦)

آپ کہد یجیے کہ اے اہل کتاب کیا تم کو ہم سے صرف اس لیے بیر ہے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہمارے لیے اترا اور جو پہلے اتر چکا، جبکہ تم میں اکثر نافرمان ہیں، کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ اللہ کے یہاں اس سے بڑھ کر کس کی بری سزا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غصہ ہوا، ان میں اس نے بندر اور سور بنادیے اور جو طاغوت کے بندے بنے، وہ پرلے درجہ کے لوگ ہیں اور سیدھے راستہ سے بالکل ہی بھٹکے ہوئے ہیں، اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، جبکہ وہ کفر کے

ساتھ ہی داخل ہوئے اور کفر ہی کے ساتھ نکل بھی گئے، اور وہ جو چھپاتے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے، ان میں بہت سوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ گناہ پر، سرکشی پر اور حرام کھانے پر لپکتے ہیں، کیسے برے ان کے کرتوت ہیں، درویش اور علماء ان کو گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ کیسی بری روش انہوں نے اختیار کر رکھی ہے، اور یہودی کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، ہاتھ تو خود ان کے بندھ گئے ہیں، اور اپنی بات پر وہ ملعون ٹھہرے، البتہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ خوب کھلے ہیں، جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے، اور آپ کے رب کی جانب سے آپ پر جو اتارا گیا ہے، اس سے ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور انکار میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے، اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور بغض پیدا کر دیا ہے، جب جب انہوں نے جنگ کے لیے آگ بھڑکائی وہ اللہ نے بجھادی، اور زمین میں وہ فساد کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور اللہ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتا اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ضرور ہم ان کی برائیاں مٹا دیتے اور ان کو نعمت کے باغوں میں ضرور داخل کرتے اور اگر وہ تورات وانجیل کی اور جو بھی ان پر اترا اس کی پابندی کرتے تو ضرور ان کو کھانا ملتا اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے، ان میں ایک جماعت ٹھیک راستہ پر چلنے والی بھی ہے، اور ان میں بڑی تعداد کیسے بدترین کاموں میں لگی ہوئی ہے۔

سورہ جاثیہ میں آیا ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ، وَآتَيْنَاهُم بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ (سورہ جاثیہ:۱۶-۱۷)

ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت سے نوازا اور پاک چیزیں ان کو روزی میں دیں، اور تمام جہانوں پر ان کو فضیلت بخشی، اور ہم نے ان کو دین کی کھلی باتیں عطا کیں، پھر ان کے پاس علم آجانے کے بعد محض آپس کی ضد میں انہوں نے اختلاف کیا، یقیناً آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان چیزوں کا فیصلہ کردے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مسلمانوں نے یہودیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، لیکن ان کی سازشی اور سفلی فطرت نے ان سے سازشیں کروائیں اور آخر کار مجبور ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں انہیں سرزمین عرب سے نکال دیا گیا، بعد کے زمانوں میں یہودیوں کی اکثریت یورپ کے ملکوں میں آباد ہوگئی، لیکن وہاں بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے، نتیجۃً پہلے ہسپانیہ اور پرتگال سے نکالے گئے، اس کے بعد ۱۲۹۰ء میں بادشاہ ایڈورڈ کے عہد میں انگلستان سے نکالے گئے، مگر وہاں سے نکلنے کے بعد ان کے کچھ قبیلے رفتہ رفتہ پھر ہسپانیہ میں بس گئے، لیکن چودہویں صدی میں ان کو پھر جلاوطن کردیا گیا، ۱۳۰۶ء میں فرانس سے وہاں کے فرمانروا فلپ نے نکال دیا، ۱۳۶۰ء میں یورپ وسطی کی جمہوریہ Magyarorszag سے نکالے گئے۔

یہی سلوک ان کے ساتھ ۱۳۷۰ء میں بلجیم کی حکومت نے کیا، پھر ۱۳۸۰ء میں چیکوسلواکیہ سے، ۱۴۲۰ء میں آسٹریا سے ان کو نکالا گیا، ۱۴۴۴ء میں ہالینڈ سے، ۱۵۱۰ء میں روس سے، ۱۵۴۰ء میں اٹلی سے اور ۱۵۵۱ء میں جرمنی سے یہودی جلاوطن کیے گئے، پھر نازی جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر کے یہ یقین کرلینے کے بعد کہ یہودی اپنی کمینہ خصلت سے باز نہیں آسکتے، ان کا مکمل استیصال کرنا چاہا، لہٰذا اس نے یہودیوں کے خلاف سخت کارروائی کی، ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے، بہت سے گرفتار کیے گئے اور باقی بھاگ کر یورپی ممالک اور امریکہ میں آباد ہوگئے۔

آسمانی مذاہب میں تحریف کی کوششیں

تاریخ عالم گواہ ہے کہ یہودی وہ قوم ہیں جو قدیم زمانہ سے کبھی اللہ تعالیٰ کے واضح اور صاف احکامات کی نافرمانی کر کے تو کبھی اللہ تعالیٰ کے دین میں میخ نکال کر منطقی موشگافیاں کر کے اور کبھی صریح احکامات الٰہی کے باطنی معنی نکال کر اللہ تعالیٰ کے دین سے انحراف کرتے رہے، یہ کام انہوں نے احکامات الٰہی کی اس طرح تاویلات کر کے انجام دیا کہ نام تو اللہ کے دین کا ہی رہے لیکن اس کی تشریح وتوضیح اپنے نفس کی خواہشات کے مطابق کی جائے۔

یہودی شیطانی گروہ کے نیزہ بردار بن کر ہمیشہ دین حق کے خلاف کمر بستہ رہے ہیں، اور جب دین حق کی علانیہ مخالفت سے کام نہیں چلتا تو اپنے گماشتوں کو اہل حق وایمان کی جماعت میں شامل کروا کے اوران لوگوں سے دین حق میں تاویلات اور احکام خداوندی میں تحریفات اور باطل تاویلات کرا کے اللہ کے دین کی روح ایمان بالتوحید کو شرک کی غلاظت سے آلودہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

انبیاءؑ بنی اسرائیل کی ہدایات وتعلیمات کو اس طرح مسخ اور محرف کرنے کے بعد یہی عمل یہودیوں نے بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت (انجیل) کے ساتھ کیا، اور انتہائی مکاری اور عیاری سے مشہور یہودی عالم سینٹ پال کے ذریعہ تثلیث اور کفارہ جیسے عقائد ایجاد کروا کے دین مسیحؑ کو یکسر تبدیل کروادیا، شریعت مسیح کی اصل روح ایمان بالتوحید اور جزاوسزا کا تصور ختم کروادیا، اور اللہ کے بندے اور نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا تسلیم کروایا، آج خود عیسائی اعتراف کرتے ہیں کہ موجودہ دین مسیح وہ نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، بلکہ مسیحیت کے موجودہ

عقائد کا خالق سینٹ پال ہے۔

''تسخیر عالم کا یہودی منصوبہ'' کے مترجم نے اپنے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ:

''بعد کے ادوار میں یہودی اپنی سازشوں کے ذریعہ نصرانی کلیسا کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے انہیں مختلف فرقوں میں تقسیم کرنے میں کامیاب ہوگئے، اور یروشلم سے اپنی آخری جلاوطنی کے بعد جہاں جہاں بھی گئے وہاں انہوں نے اپنی منظم اور مربوط سازش کے ذریعہ غیر یہود کے باہمی اختلافات کو ہوا دے کر منطقی قیل وقال کر کے ان کے مستند عقائد کو بگاڑ دیا۔

یہودیوں نے مذہب عیسوی میں ترمیم وتحریف پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ یہودیوں نے نصرانیوں کو نفسانی خواہشات کا تابع بنا کر اور مادی خوشحالی و ترقی کی تگ ودو میں الجھا کر دنیا میں اس قدر پھنسا دیا کہ وہ اپنے مذہب ہی سے متنفر ہوگئے، یہودی ذہن کی اصل منزل یہی تھی، اور اس منزل تک پہونچنے کے لیے ترقی پسندی، جدیدیت، جمہوریت، سیکولرزم، کمیونزم، سرمایہ داری کی اصطلاحیں وضع کی گئیں اور جنسی آزادی کو ترقی پسندی کے نشان کے طور پر استعمال کیا گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ عالمی صیہونیت نے یورپ اور پوری مغربی دنیا سے نصرانیت کا جنازہ نکال دیا، مغربی فکر اور مغربی تصور حیات کے مطابق مذہب فرسودہ اور لادینیت ترقی پسندی قرار دی جا چکی ہے، نصرانی اب مکمل طور پر یہودیت کے زیر اثر ہیں، ان کی فکر کا انداز اور طرز حیات وہی ہے جو یہودیوں نے انہیں بخشا ہے، یہی نہیں بلکہ یہودیوں نے پرکار سازشیں کر کے اپنے گماشتوں کو نصرانی کلیسا میں اعلیٰ مناصب پر فائز کروایا، اور پھر وہ وقت آیا کہ نصرانی کلیسا میں ان گماشتوں کا اثر ورسوخ اتنا بڑھ گیا کہ یہودیوں نے اپنے منصوبہ کے مطابق نصرانیوں کے اس عقیدہ کو تبدیل کروا دیا جو یہودیوں سے نفرت پیدا کرنے کا بڑا سبب رہا ہے، وہ عقیدہ یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کروایا، چنانچہ ۱۹۶۴ء میں ویٹی کن روم میں کیتھولک کلیسا کی کونسل نے یہودیوں کو حضرت عیسیٰ کے مصلوب کروانے کے عمل سے بالکل بری الذمہ قرار

دیدیا اور یہ اعلان کردیا گیا کہ ''نصرانیوں کو چاہئے کہ وہ یہودیوں کو مقہور ولعنت زدہ قوم نہ سمجھیں، نصرانیوں کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ یہودیوں سے نفرت نہ کریں، اور ان کا استیصال نہ کریں''۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہودی کتنے سازشی اور بدطینت ہیں کہ وہ کس طرح اپنے منصوبے ترتیب دیتے ہیں اور کس طرح ان پر عمل درآمد کرتے ہیں، اور ان کی تنظیمی صلاحیت کس قدر زبردست ہے کہ دولت کے استعمال سے نصرانی کلیسا کا وہ الزام جو دو ہزار سال سے یہودیوں پر لگ رہا تھا کس طرح صاف کروادیا۔

حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت حق کا اعلان کیا تو یہودیوں نے آپؐ کی شدید ترین مخالفت کی، اور جب اسلام اور مسلمانوں کا مقابلہ طاقت سے کرنا ممکن نہ رہا تو یہودیوں نے اس سازش کو دہرایا جو دین عیسوی کے ساتھ کی تھی، اور یہ کام سینٹ پال کی جگہ عبداللہ بن سبا کے ذریعہ کروایا گیا، چنانچہ عبداللہ بن سبا نے حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہد خلافت میں سازشوں کا جال بچھانا شروع کردیا، اور امت مسلمہ کو تقسیم کرکے وہ فتنہ اٹھایا جو حضرت عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ جمل اور صفین میں مسلمانوں کے خلاف صف آرا کیا، اور بالآخر خلافت راشدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ ختم ہوگئی، یہودیوں کے اکثر ذی علم اور تربیت یافتہ افراد نے ظاہراً اسلام قبول کرلیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد دین اسلام میں ان بدترین بدعنوانیوں کو فروغ دینا شروع کردیا جن کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہ تھا، اور عبداللہ بن سبا نے انتہائی مکاری اور عیاری سے ایک ایسی جماعت تیار کردی جس نے قرآن وحدیث اور صحابہ کرامؓ کو ہدف بنایا اور دین اسلام کو مسخ کرنا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور اپنی کتاب کو ہر طرح کی تاویل وتحریف سے محفوظ رکھا اور عبداللہ بن سبا کی شکل میں سینٹ پال دوم اپنے منصوبہ میں کامیاب نہ ہوسکا، جب کہ سینٹ پال دین مسیح کو تبدیل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ہر قسم کی تحریف وتاویل سے حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾ اور قرآن

کریم کی حفاظت کی ضمانت حدیث شریف اور پورے دین کی حفاظت کی ضمانت ہے کیونکہ حدیث شریف قرآن کریم کی تشریح وتفسیر ہے، یہی وجہ ہے کہ یہودی قرآن وحدیث ،سیرت نبویؐ، فقہ اسلامی اورتشریع اسلامی اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کی اپنی کوششوں اور منصوبوں میں کامیاب نہ ہوسکے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہود چودہ صدیوں سے اسلام کو مٹانے کی کوشش کررہے ہیں، اوراب عالمی صہیونیت کی شکل میں یہودیت تمام مذاہب وعقائد بلکہ پوری انسانیت کوتہہ تیغ کرنے کی سازشوں میں مصروف ہے۔

اس منصوبہ کے پیش نظر تھیوڈر ہرٹزل آسٹرو ہنگرین یہودی نے ۱۸۹۵ء میں فرانس میں ایک رسالہ لکھا جس میں ایک آزاد یہودی ریاست کی تجویز پیش کی گئی، اوراس کے بعد ۱۸۹۷ء میں اس نے سوئٹزرلینڈ کے شہر باسل Basle میں پہلی عالمی یہودی کانفرنس منعقد کی، جس میں دنیا بھر کے بہترین یہودی دماغوں نے شرکت کی، اس کانفرنس میں یہودیوں کے مفادات کے لیے ساری دنیا میں تخریب کاری، انقلابات، ارتکاز دولت اوراس قسم کے دوسرے منصوبہ ترتیب دئے گئے، جوصہیونی دانا بزرگوں کی دستاویزات کے نام سے جانے جاتے ہیں، ذیل کے اقتباسات سے ان دستاویزات کی خطرناکی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

نویں دستاویز میں صراحت کے ساتھ مرقوم ہے کہ:

''ہم خودساختہ نظریات اور مبادی اور مسالک کی تعلیم واشاعت کے ذریعہ جن کے متعلق ہم خود جانتے ہیں کہ یہ غلط ہیں، غیر یہود کے نوجوان طبقہ کوورغلا کراخلاقی طور پر کنگال اور ذہنی طور پر گندہ کرچکے ہیں۔

مروجہ قوانین وضوابط میں قابل لحاظ ترمیم کیے بغیر، ان ہی کوتوڑ مروڑ کرمتضاد توجیہات کے ذریعہ نتائج اخذ کرکے ہم نے پرشکوہ نظریات پیش کیے، شروع میں یہ نتائج اس طرح ظاہر ہوئے کہ ہماری غلط توجیہات وتاویلات نے اصل قانون کو پس پشت ڈال دیا، اس کے بعد چونکہ غیر یہود کے لیے قانون سازی کی گتھیوں کوسلجھانا ناممکن ہوگیا اس لیے یہ

قوانین ہی حکومت کی نگاہ سے یکسر او جھل ہو گئے"۔

مذکورہ بالا تصریح سے صاف عیاں ہے کہ یہودی کس عیاری و مکاری سے اپنے مفادات و مقاصد کے لیے آسمانی مذاہب اور مروجہ قوانین میں کس طرح تحریف کرتے ہیں، یہ صفت ان کی سرشت میں داخل ہو گئی ہے۔

چودھویں پروٹوکول میں موجودہ مذاہب کو نیست و نابود کر کے صرف یہودیت کو نافذ کرنے، غلامی کا ایک نیا دور شروع کرنے اور ترقی پسند ممالک میں فحاشی کی ہمت افزائی کی بات کہی گئی ہے۔

"جب ہماری بادشاہت قائم ہو جائے گی تو ہمیں اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کا وجود ناقابل قبول ہوگا، ہم عام عقائد کو حرف غلط کی طرح مٹا دیں گے"۔

اس پروٹوکول سے صاف صاف ظاہر ہے کہ یہودی اور صہیونی کس کس طرح اسلام اور نصرانیت کو ختم کرنے کے لیے کوشاں ہیں، اور عیسائیت کو یہودیت میں تبدیل کرنے اور دین اسلام کو مٹانے کے درپے ہیں۔

سترہویں پروٹوکول میں مذہبی پیشواؤں اور دینی علماء کو بدنام کرنے پر زور دیا گیا ہے:

"دنیا بھر کے تبلیغی مراکز کو تباہ کرنے کے لیے جو اس زمانے میں ہماری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں ہم عرصہ دراز سے کوشش کر رہے ہیں کہ عوام کے دلوں سے علماء کا احترام ختم کر دیا جائے، اب روز بروز عوام میں ان کا اثر ختم ہوتا جا رہا ہے اور ہر جگہ ضمیر کی آزادی کو قبول عام حاصل ہو رہا ہے، اور اب یہ چند سالوں کی بات ہے کہ نصرانیت صفحۂ ہستی سے بالکل نیست و نابود ہو جائے گی"۔

آج پوری دنیا میں آسمانی مذاہب خصوصاً اسلام پر جو تشکیکی حملے ہو رہے ہیں اور اسلام کے بنیادی سرچشمے قرآن و حدیث اور سیرت نبویؐ پر جو زبردست حملے جاری ہیں ان سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ منصوبہ روبہ عمل ہے جو یہودی دانشوروں نے پوری دنیا کو تسخیر کرنے کے لیے بنایا تھا۔

یہودی فکر کے مصادر وماخذ

یہودیوں کے عقائد ومعاملات زندگی اور غیر یہودی کے متعلق ان کے نظریات وافکار کی بنیاد تین ماخذ پر ہے، توریت، تلمود، صہیونی دانشوروں کے دستاویزات، یہودیوں کا دینی ودنیوی دستور ان ہی تینوں مصادر سے ماخوذ ہے، ذیل میں ان کے مختصر تعارف کیساتھ اقتباسات پیش کیے جائیں گے جن کے مطالعہ سے یہودی فکر کے مصادر کے خطرناک اور تخریبی پہلو سامنے آئیں گے۔

(ا) تورات:

تورات آسمانی کتابوں میں سے ایک ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی اور یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت تھی، لیکن یہود مرور زمانہ کے ساتھ اپنی خواہشات نفس کے مطابق اس میں تحریف کرتے رہے یہاں تک کہ اصلی اور حقیقی توریت کا نام ونشان تک باقی نہ رہا، یہودی عالم سیلفر نے اپنی کتاب ''موسی والتوراۃ الأصلیۃ'' (حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اصل تورات) میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ موجودہ توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی توریت کے کسی بھی پہلو سے میل نہیں کھاتی، دونوں میں ذرہ برابر مطابقت نہیں، یہاں تک وہ دس وصیتیں جن کے اصلی اور حقیقی توریت ہونے پر تقریباً تمام یہودی عالموں کا اتفاق ہے وہ بھی اپنی اصلیت اور حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔

ڈاکٹر محمد وصفی اپنی کتاب ''الارتباط الزمنی'' میں رقمطراز ہیں:

''حقیقی اور اصلی توریت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی اس وقت سے ناپید ہے، جب بخت نصر نے یہودیوں کو بابل جلاوطن کر کے یروشلم کو تاراج کر دیا تھا

اور ہیکل سلیمانی میں آگ لگادی تھی، چنانچہ توریت کی حقیقت اور اصلیت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اب تک صحیح طور پر پتہ نہ چل سکا کہ توریت کس زبان میں لکھی گئی، لیکن قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ توریت مصری اور ہیروغلیفی زبان میں لکھی گئی، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کی زبان تھی۔

موجودہ توریت کو یہودی عالموں اور کاہنوں نے بابل میں جلاوطنی کے زمانہ (۵۸۶-۵۳۹ قبل مسیح) میں محرف کر کے مرتب کیا، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ موجودہ محرف توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً آٹھ سوسال بعد لکھی گئی، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تیرہویں صدی قبل مسیح میں مبعوث ہوئے، موجودہ توریت عبرانی زبان میں ہے جس کی اصل آرامی زبان سے ہے، یہ آرامی مربع رسم الخط میں لکھی گئی ہے، جسے موجودہ زمانہ میں آشوری مربع رسم الخط کہا جاتا ہے"۔

توریت میں تحریف کیوں کی گئی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متبعین جو مملکت یہوداہ کے باقیات تھے اپنے نبیؑ کی لائی ہوئی شریعت سے منحرف ہوگئے، بتوں کی پوجا کرنے لگے اور فلسطین واپسی پر ان کی توجہات ایک شخصی حکومت کے قیام پر مرکوز ہوگئیں چنانچہ انہوں اپنے اس وہمی خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے ایک ایسا مذہب اور شریعت ایجاد کرلی جو ان کی نفسانی خواہشات کے مطابق تھی، اور اس کے بعد یہودی عالم، ربّی اور حاخام (یہودی پاپائے اعظم) توریت میں تحریف وتبدیلی اور باطل تشریح وتاویل کرتے رہے، یہاں تک کہ بابل کے زمانہ قیام میں محرفینِ توریت کے اندر نسل پرستی، بغض وعناد، سرکشی اور غیر یہودیوں سے نفرت پیدا ہوگئی، اور یہودی عالموں اور حاخامات کے دلوں میں فلسطین واپس آکر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ قائم کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے یہودیوں نے ایک بار پھر اپنے منصوبہ وپلان کے مطابق توریت میں تحریف وتبدیلی کی، اور اس محرف توریت کو اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے نقطہ آغاز بنایا، حالانکہ ان کا یہ منصوبہ شریعت موسوی کے سراسر خلاف تھا کیونکہ اس منصوبہ کی اساس ہی اس بات پر تھی کہ یہود بحیثیت قوم

تمام عیوب ونقائص سے منزہ ہیں اور یہودیوں کے علاوہ تمام نسل انسانی کم حیثیت ہے یہودی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام انسانوں سے زیادہ محبوب وپسندیدہ ہیں، حالانکہ یہودیوں کے یہ خیالات اصل توریت میں جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے، موجود نہیں ہیں۔

اس محرف توریت کا ترجمہ دنیا کی ۴۱۲ زبانوں میں ہو چکا ہے جب کہ یورپی زبانوں کے تراجم اس کے علاوہ ہیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ موجودہ توریت بالکل محرف ہے، اس میں نفس کی خواہشات کے مطابق تاویل وتشریح کی گئی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات وہدایات بالکل مسخ کر دی گئی ہیں، اور من مانی زندگی گزارنے کا طریقہ پیش کیا گیا ہے، اس کے دلائل بے شمار ہیں، سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس محرف توریت میں انبیاءؑ بنی اسرائیل پر تہمتیں لگائی گئی ہیں اور ان کی طرف نازیبا اعمال وباتیں منسوب کی گئی ہیں، جو کہ ان کے مقام رسالت ونبوت کے سراسر منافی ہیں۔

(۲) تلمود

تلمود یہودیوں کی بہت اہم کتاب ہے، یہ تین سو گیارہ سال کی مدت میں مکمل ہوئی، اس وقت یہ بارہ جلدوں میں ہے جس میں توریت کے ہی اصول، ان کی تفاسیر، بائبل مقدس کے واقعات کی تفسیر، فلسفیانہ مضامین، کہانیاں، رسوم وروایات اور تمثیلیں، ان لوگوں کی مذہبی زندگی کے واقعات جنہوں نے اسے تیار کیا، شامل ہیں، یہ توریت کے برعکس زبانی شریعت کہلاتی ہے، یہ شریعت تمام حالات میں ناقابل تبدیل رہی۔

یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کی اولاد کے اقوال جمع کیے، اس کا نام "مشنہ" Mishnah رکھا اور بعد میں اس کی تشریح وتوضیح میں "گیمارا" Gemara نامی حصہ کا اضافہ کیا ان دونوں حصوں کے مجموعہ کو تلمود Talmud کہتے ہیں۔

"مشنہ" اصل متن ہے جو پہلا قانونی لائحہ عمل تھا جس کو یہود نے توریت کے بعد وضع کیا، پھر دوسری صدی عیسوی کے آخر (۱۹۰ء-۲۰۰ء) میں یعنی رومی بادشاہ تیطس Titus کے ہیکل سلیمانی کو تاراج کرنے کے ایک صدی بعد ربی یہودی ہانسی نے متفرق اقوال جمع

کر کے مرتب کیا، مشنہ ابتدائی ربیوں کا شرعی قانونی ضابطہ ہے، جسے یہودی حاخامات ''فریسیین'' تحریک کے ظہور کے وقت سے نقل کرتے آرہے ہیں۔

فریسیین ان لوگوں کو کہتے ہیں جنہوں نے یہود کے عام مسلک سے بغاوت کردی تھی، اس جماعت نے قانون شفوی کو ایجاد کیا، اور یہ جماعت یہودی پاپائے اعظم عزرا اور قدیم یہودی کاتبان وحی کو مانتی ہے، ظہور مسیح کے بعد اس جماعت کی سرگرمیاں اور تیز ہوگئیں، اور پھر وہ تخریبی اصول ومبادی مدون ومرتب کیے گئے جن پر فریسیین کی دعوت کی بنیاد تھی، حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کی مخالفت کی تھی، فریسیین میں سب سے ممتاز شاؤل (پال) ہے جس نے عقیدہ تثلیث اور الوہیت مسیح کی آواز اٹھائی تھی۔

تلمود دو حصوں پر مشتمل ہے ایک مشنہ جس کا اوپر تذکرہ ہوا، دوسرا حصہ گیمارا ہے، یہ مشنہ کی شرح ہے اور اس کے بھی دو حصے ہیں، (۱) فلسطینی گیمارا (۲) بابلی گیمارا۔

فلسطینی گیمارا ان تفسیرات، توضیحات اور بحثوں ومناقشوں پر مشتمل ہے جو فلسطینی خصوصاً مدارس طبریہ کے یہودی علماء نے مشنہ کی توضیح وتشریح کے سلسلہ میں کیے، تیسری یا چوتھی صدی میں یہودی علماء نے ان کو ترتیب دیا۔

بابلی گیمارا ان بحثوں پر مشتمل ہے جو بابل کے یہودی علماء نے مشنہ کی شرح وتفسیر کے سلسلہ میں کیں، اس کو پانچویں صدی عیسوی میں مرتب کیا گیا، فلسطینی گیمارا کو فلسطینی تلمود اور گیمارا بابل کو بابلی تلمود کہتے ہیں۔

فلسطینی تلمود کو مغرب کی تلمود بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی زبان مغربی آرامی ہے، فلسطینی تلمود بابلی تلمود کے مقابلہ میں آسان اور مختصر ہے، اس میں تاریخ، جغرافیہ اور آثار قدیمہ کے بارے میں معلومات ملتی ہیں بابلی تلمود مشرقی آرامی زبان میں ہے، یہ فلسطینی تلمود کی بہ نسبت تین گنا بڑی ہے، یہودیوں کے نزدیک بابلی تلمود زیادہ مستند اور معتبر ہے۔

سہیلہ زین العابدین حماد اپنی کتاب میں لکھتی ہیں کہ بیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں تلمود کے جتنے ایڈیشن طبع ہوئے ہیں، ان میں بہت سے صفحات اور عبارتیں سادہ ہیں یا

دائرے بنے ہوئے ہیں، لیکن قدیم نسخوں میں ان خالی صفحات اور محذوف عبارتوں کی جگہ نازیبا الفاظ اور گھناؤنی باتیں ملتی ہیں جو حضرت مسیحؑ، پاک دامن مریم بتولؑ اور دیگر انبیاء کرامؑ کی طرف منسوب کی گئی ہیں، بہت سی شرحیں بھی منظر عام پر آچکی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تلمود میں جو یہم، غرباء اور ہراطقہ کے القاب والفاظ سے غیر یہودی قوموں کے لیے جو نازیبا باتیں کہی گئی ہیں ان کا براہ راست نشانہ عیسائی ہیں، لیکن ۱۶۳۲ء میں بولونیہ میں منعقدہ یہودی کانفرنس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ عبارتیں حذف کردی جائیں، مثال کے طور پر ان محذوف عبارتوں میں یہ کہا گیا ہے کہ ''عیسائی کمینہ خصلت اور گھٹیا اخلاق کے حامل ہیں، یہ محبت اور انصاف کے لائق نہیں ہیں''، تلمود یہودیوں کے نزدیک عہد نامہ عتیق کے بعد سب سے اہم کتاب ہے، سولہویں صدی عیسوی میں یہودی احبار و حاخام نے متفق ہوکر اپنے یہاں اجتہاد کا دروازہ بند کردیا، اب کوئی یہودی عالم یا ربی تو کیا، حاخام (یہودی پاپائے اعظم) بھی تلمود کے سوا کہیں اور سے یا اپنے قیاس واجتہاد سے کوئی فتویٰ صادر نہیں کرسکتا، اور یہ عقیدہ یہودیوں میں راسخ ہوگیا ہے کہ جو تلمود سے ذرہ برابر اختلاف کرے گا اس پر یہوداہ کا غضب نازل ہوگا، اب موجودہ عہد میں دنیا میں جتنے یہودی پائے جاتے ہیں ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں مل سکتا جو توریت کا یہودی ہو، بلکہ سب کے سب تلمود کے یہودی ہیں۔

جیوش انسائیکلوپیڈیا کے ایک کالم نگار نے لکھا ہے کہ لسانی وحی (شفوی قانون) کی حیثیت سے تلمود یہودیوں، آرتھوڈکس اور صحیح عقیدہ کے حامل لوگوں کے نزدیک آسمانی (خدائی) کتاب سمجھی جاتی ہے، اس وجہ سے تلمود کی تعلیمات وہدایات لازمی طور پر ناقابل تبدیل ہیں۔

یہودیوں کے نزدیک تلمود کی اہمیت ان کے اس عقیدہ سے اور واضح ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ہر یہودی کے لیے لازم ہے کہ اپنے مطالعہ کے تین حصے کرے، پہلا حصہ تورات کے مطالعہ کے لیے خاص کرے، دوسرا حصہ مشنہ کے لیے، اور تیسرا حصہ گیمارا کے لیے۔

یہودیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ عہد نامہ عتیق ناقص اور مبہم ہے، یہودی پکا اور سچا یہودی اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ وہ تلمود کی تعلیمات پر مکمل طور پر صدق دل سے عمل پیرا

ہو، اکثر یہود تلمود کو آسمانی کتاب مانتے ہیں، اور اس کو توریت کا درجہ دیتے ہیں، ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جو بھی یہودی تلمود کی مخالفت کرے اس کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ توریت وحی مکتوب ہے اور تلمود وحی لسانی ہے جو شریعت مکتوب کے مساوی ہے، بلکہ بعض یہودی تلمود کو توریت پر ترجیح دیتے ہیں، خود تلمود کے نصوص میں اس کی وضاحت ملتی ہے۔

تلمود میں ایک جگہ مذکور ہے کہ جو توریت کا مطالعہ کرتے ہیں ان میں تو یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ عمل باعث فضیلت ہے یا نہیں، لیکن جو لوگ مشنہ پڑھتے ہیں وہ یقیناً فضیلت کا کام کرتے ہیں اور ان کو اس کا ثواب بھی ملے گا، اور جو لوگ گیمارا پڑھتے ہیں ان کو اور زیادہ فضیلت حاصل ہوگی۔

ایک یہودی ربی نے ۱۵۰۰ء میں لکھا کہ تلمود کے احکامات متفق علیہ ہیں، جو بغیر مشنہ اور گیمارا کے توریت پڑھتے ہیں وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو اللہ کے وجود کے منکر ہیں۔

یہودی قوم اور مذہب کی بقا اسی تلمود پر منحصر ہے، ایک زمانہ تلمود پر ایسا بھی گزرا جس میں عیسائی طاقتوں نے تلمود کو ختم کرنے کی کوشش کی، چنانچہ ۱۷ رجون ۱۲۴۲ء کو پیرس میں تلمود جلائی گئی، اس طرح ۹ رستمبر ۱۵۳۳ء کو بہت سے یہودی ربیوں کے متون روم میں جلائے گئے، اور ۱۷۵۷ء میں پولینڈ میں تلمود کے بہت سے نسخے نذر آتش کئے گئے، جس کا مقصد یہودیت کو دبانا اور ختم کرنا تھا، لیکن تلمود نے ایک بار پھر مقبولیت حاصل کر لی ہے، اسے یہودی مدرسوں میں پڑھایا جاتا ہے، زراعت، تہواروں، شادی کے قوانین، رفاہ عامہ خیرات اور سماجی انصاف سے متعلق اس سے رہنمائی لی جاتی ہے، گویا تلمود قانونی، شہری، عدالتی اور انسانی انسائیکلوپیڈیا ہے۔

تلمود کی روشنی میں یہودی عقائد

خدا کے متعلق تلمود میں مذکور ہے کہ ہیکل سلیمانی اور خود یہودی جس تباہی و بربادی سے دوچار ہوئے اس سے اللہ کو پشیمانی ہوئی، کیونکہ تلمود کی رائے میں ''عصمت'' اللہ کی صفات میں نہیں، تلمود میں یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ شر اور خیر دونوں کا سرچشمہ ہے، اور اللہ نے انسان

کے اندر گھٹیا خصلت رکھی ہے پھراس کوایسی شریعت کا مکلف بنایا جس پر وہ اپنی گھٹیا جبلت کی وجہ سے چل نہیں سکتا، بیناشین کہتا ہے کہ اللہ رات کے وقت تلمود پڑھتا ہے (العیاذ باللہ)

☆ حضرت مسیح کے متعلق تلمود میں وارد ہوا ہے کہ یسوع ناصری جہنم میں جل رہے ہیں، اوران کی ماں مریم کے ایک فوجی (باندرا) سے ناجائز تعلقات تھے جس کے نتیجہ میں وہ پیدا ہوئے، نصرانی کلیسا غلاظت اور گندگی کے اڈے ہیں، اوراس میں رہنے والے بھونکنے والے کتے ہیں، اور عیسائی واجب القتل ہیں۔

☆ تلمود عورت کے متعلق کہتا ہے کہ یہودیوں کو حق ہے کہ وہ غیر یہودی عورتوں پر دست درازی کریں، ان کا جنسی استحصال کریں۔

☆ تلمود میں یہود کے متعلق مذکور ہے کہ یہودی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام فرشتوں سے زیادہ محبوب ہیں، یہود اللہ تعالیٰ سے وہی عنصری تعلق رکھتے ہیں جو کسی بیٹے کو اپنے باپ سے ہوتا ہے، گویا یہود کی روحیں اللہ تعالیٰ ہی کا ایک جزء ہیں، چنانچہ جب کوئی غیر یہودی کسی اسرائیلی کو مارتا ہے تو گویا وہ خدا کو مارتا ہے، صرف اور صرف یہود ہی پسندیدہ ومنتخب قوم ہیں۔

☆ اگر یہود دنیا میں نہ ہوتے تو آفتاب طلوع نہ ہوتا، اور نہ زمین پر مینہ برستا، روئے زمین سے برکت اٹھ جاتی، چنانچہ دنیا کی دیگر قومیں بغیر یہودیوں کے زندہ نہیں رہ سکتیں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے کمائے ہوئے مال ومتاع پر یہود کو تسلط وتصرف کا اختیار کامل دے دیا ہے، جو یہودی نہیں ہے اس کا مال، مال متروکہ کا حکم رکھتا ہے، یہودیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ جس طرح چاہیں اسے اپنے قبضہ میں لائیں اور جس طرح چاہیں تصرف کریں، یہی حکم ان عورتوں کا ہے جو نسلاً یہودیہ نہیں ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ نے اپنی پسندیدہ نسل یہود کے اختیار میں تمام حیوان اور انسانوں کو دے دیا ہے، اس لیے کہ اسے معلوم ہے کہ یہود کو جانوروں کی دونوں قسموں کی ضرورت ہے ایک تو وہ جانور جو بات چیت نہیں کیا کرتے، مثلاً چوپائے، طیور، دوسرے وہ جانور جو بات چیت کرتے ہیں، اس قسم میں مشرق ومغرب کے وہ تمام لوگ داخل ہیں جو یہودی نسل کے

نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہمارے اختیار میں اس لیے دیا ہے کہ ہم ان سے جس طرح چاہیں اپنی خدمت لیں۔

☆ ہر یہودی کا یہ فرض ہے کہ غیر یہودیوں کے قبضہ میں کسی مال کے جانے کو روکے، تاکہ دنیا کے ہر مال کی ملکیت یہود اور صرف یہود کے لیے باقی رہے۔

☆ کسی یہودی کو اگر فائدہ پہونچ رہا ہو یا کسی غیر یہودی کو نقصان پہونچ سکتا ہو تو جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا اور دھوکہ، فریب سے کام لینا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔

☆ کسی غیر یہودی کی سلامتی یا اس کی بہتری کیلئے کوئی تمنا اپنے دل میں ہر گز نہ آنے دو۔

☆ اگر کوئی آبادی تمہارے قبضہ میں آجائے تو وہاں کے تمام لوگوں کو قتل کر دو، تم کو اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے کہ اپنے پاس کوئی قیدی رکھو، عورت، مرد، بوڑھے، بچے سب قتل کر دیئے جائیں۔

☆ جس سرزمین پر یہودیوں کا قبضہ نہیں ہے وہ نجس و ناپاک ہے، اس لیے کہ پاک و طاہر صرف یہودی ہوتے ہیں، اور وہ سرزمین پاک ہوتی ہے جس پر یہودیوں کا قبضہ ہو۔

☆ غیر یہودی گدھے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی سواری کے لیے پیدا کیا ہے، غیر یہودی کو انسانی شکل دینا اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہودیوں کے لیے بڑی نعمت ہے کیونکہ غیر یہودی، یہودیوں کی دن رات خدمت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ امیر کا خادم ایسا حیوان ہو جو حیوانی شکل رکھتا ہو، بلکہ یہ ضروری ہے کہ ایسا حیوان خدمت پر مامور ہو جو انسانی شکل رکھتا ہو۔

☆ یہودیوں کے لیے رشوت خوری، سود خوری، جھوٹی قسم کھانا، معاملات میں دھوکہ فریب سے کام لینا، غیر یہودی کا مال چرانا سب کچھ جائز ہے۔

☆ یہودیوں پر حرام ہے کہ وہ غیر یہودیوں کو ہلاکت سے بچائیں غیر یہودی کو قتل کرنا برحق ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے، یہود کو پوری دنیا پر کنٹرول اور تسلط حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے یہاں تک کہ پوری دنیا پر غلبہ واقتدار حاصل ہو جائے اور تمام لوگ یہودیت اختیار کر لیں سوائے عیسائیوں کے، کیونکہ

عیسائی شیطان کی اولاد ہیں۔

تلمود کی روشنی میں یہودی افکار وعقائد کا یہ سرسری جائزہ ہے، ورنہ تلمود اس قسم کی عجیب وغریب ہدایات اور تخریبی تعلیمات سے بھری ہوئی ہے، اور یہودی عملاً اس پر عمل پیرا بھی ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں یہودیوں کو کیوں تاراج کیا، تلمودی فلسفہ کا اصل مقصد یہی ہے کہ انسانیت کو ذلیل کرکے یہود کی خدمت پر مامور کردیا جائے، دنیا کی تمام تہذیب وتمدن، اور سارے آسمانی مذاہب کو تاراج کرکے یہودیت اور یہودی تمدن کو غالب کردیا جائے، انسانیت دشمن یہودی سلطنت قائم ہوجائے۔

مراجع ومصادر:

۱۔ الطریق الی القدس/ از ڈاکٹر محسن محمد صالح

۲۔ الموسوعۃ المیسرۃ فی الأدیان والمذاہب المعاصرۃ، تیار کردہ، ورلڈ مسلم یوتھ آرگنائزیشن

۳۔ تسخیر عالم کا یہودی منصوبہ/ از ابوالحسن، پاکستان

۴۔ العقیدہ فی اللہ/ عمر سلیمان بالأشقر، کویت، مکتبۃ الفلاح، ۱۹۸۴ء

۵۔ دقائق النفسیۃ الیھودیۃ/ محمد علی الزعبی، بیروت ۱۹۶۸ء

۶۔ ہمجیۃ التعالیم الصھیونیۃ/ پال حنا سعد، بیروت دار الکتاب، ۱۹۶۹ء

۷۔ وثائق أساسیۃ فی الصراع العربی الصھیونی/ جمع وتربیت یمیر ایوب، بیروت، دار الحداثہ، ۱۹۸۴ء

۸۔ عروبۃ فلسطین فی التاریخ/ محمد ادیب عامری، بیروت المکتبۃ العصریۃ، ۱۹۷۲ء

۹۔ الموسوعۃ الفلسطینیہ/ زیر نگرانی، احمد مرعشلی، دمشق، ۱۹۸۴ء

۱۰۔ بلادنا فلسطین/ مصطفیٰ مراد دباغ، بیروت، ۱۹۷۵ء

۱۱۔ البدایۃ والنہایۃ/ ابن کثیر، بیروت مکتبہ دار المعارف، ۱۹۸۳ء

۱۲۔ تاریخ فلسطین القدیم/ ظفر الاسلام خان، بیروت دار النفائس، ۱۹۸۴ء

۱۳۔ من عمق الروح وصلب الفکر، دراسات فی الأدب والتاریخ والاعلام الاسلامی/ ڈاکٹر سہیلہ زین العابدین حماد۔

۱۴۔ التلمود تاریخہ وتعالیمہ/ ظفر الاسلام خاں

۱۵۔ المخططات التلمودیۃ الصھیونیۃ الیہودیۃ فی غزو الفکر الاسلامی/ ڈاکٹر انور جندی

۱۶۔ سہ روزہ دعوت، شمارہ نمبر ۹۴، جلد نمبر ۵۵، ۱۶/ اکتوبر ۲۰۰۷ء

۱۷۔ عباس العقاد بین الیمین والیسار/ رجاء النقاش۔

مغرب کے
انسانیت سوز جرائم
اور دہشت گردی

مغرب کے انسانیت سوز جرائم

گوستاؤلیبان نے اپنی کتاب "حضارۃ العرب" میں لکھا ہے کہ "جب صلیبی فوجی قدس میں داخل ہوئے تو آٹھ دنوں تک خون کی ہولی کھیلی اور تقریباً ساٹھ (۶۰۰۰۰) ہزار انسانوں کو موت کی گھاٹ اتار دیا، حتی کہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں تک کو بھی بخشا نہیں گیا، سر تن سے جدا کر دیے گئے، پیٹ چاک کر دیے گئے، بعضوں کو زندہ آگ میں جلا دیا گیا۔"(۱)

انگریز بادشاہ ہنری چہارم اور ہنری پنجم کے عہد (۱۳۹۹ھ-۱۴۲۲ء) میں کیتھولک کلیسا کی احتسابی عدالتوں نے لاکھوں کی تعداد میں مخالفین کو تختہ دار پر چڑھا دیا، اسپین میں اکتیس ہزار (۳۱۰۰۰) لوگوں کو زندہ جلا دیا گیا اور دو لاکھ نوے ہزار (۲۹۰۰۰۰) کو سخت ترین وحشیانہ سزائیں دی گئیں۔ ہالینڈ میں چارلس پنجم کے عہد (۱۳۳۷ھ-۱۳۸۰ء) میں ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) افراد موت کی نیند سلا دیے گئے، پھر اسکے بیٹے اور ولی عہد کے دور میں پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا گیا۔

فرانس میں چارلس نہم کے عہد (۱۵۵۰ھ-۱۵۷۴ء) میں کیتھولک عیسائیوں نے بیس ہزار پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو قتل کیا، پھر لوئی چودھواں (۱۶۳۸ھ-۱۷۱۵ء) کے عہد میں بڑی تعداد میں پروٹسٹنٹوں کو قتل کیا گیا اور نصف ملین پروٹسٹنٹ ہالینڈ، انگلینڈ، بروسیا اور امریکہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔(۲)

امریکہ میں اصل باشندے ریڈ انڈین کی آبادی تقریباً ایک سو پچاس (۱۵۰) ملین تھی، لیکن گوروں نے سوائے ایک ملین کے سب کو ختم کر دیا۔(۳)

فرانس میں جمہوری انقلاب برپا ہوا اور جب فرداً فرداً انسانوں کو قتل کرنا وہاں

ممکن نہ رہا تو گلوٹیں ایجاد کرنا پڑیں جو بیک وقت بیسیوں انسانوں کے سروں کو ناریلوں کی طرح اڑا دیتی تھیں، اس جمہوری انقلاب نے مورخین کے اندازے کے مطابق ۲۶ لاکھ انسانوں کو گلوٹوں کی بھینٹ چڑھا دیا۔

اسی طرح روس میں اشتراکی انقلاب نے ایک کروڑ سے زائد انسانوں کو قتل و غارت گری اور برفانی قید خانوں کے حوالے کر دیا۔

پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۹۱۸ء) میں یورپی ممالک نے جرمنی سے اپنے علاقوں کی آزادی کے لیے قتل وغارت گری کا بازار گرم کیا، اس ہولناک جنگ عظیم میں دس ملین سے زائد انسان مارے گئے، اور زخمیوں کی تعداد بیس ملین بتائی جاتی ہے، اس میں روس کے ۱۷ لاکھ، فرانس کے ۱۳/لاکھ ۷۰ ہزار، اٹلی کے ۴/لاکھ ۲۰ ہزار، آسٹریلیا کے ۸/لاکھ، برطانیہ کے ۷/لاکھ ۲۰ ہزار، بلغاریہ کے ایک لاکھ، رومانیہ کے ایک لاکھ، آسٹریا کے ایک لاکھ، ترکی کے ۲/لاکھ پانچ ہزار، بلجیم کے ایک لاکھ ۲ ہزار، مانٹی نیگرو (Montenegro) کے ایک لاکھ، اور امریکہ کے ۵۰/ہزار انسان ہلاک ہوئے۔ (۴)

جاپانی اور چینی جنگ (۱۹۳۷-۱۹۴۳ء) میں چینی مقتولین، زخمیوں اور متاثرین کی تعداد پانچ ملین اور ۶۲۰/ہزار ہے، اسی جنگ میں چین کے مشہور شہر ''نانکین'' میں بھیانک قتل عام ہوا جس میں ۲۰۰۰۰۰/چینی مارے گئے، اور بیس ہزار عورتوں کا جنسی استحصال ہوا۔ (۵)

دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹-۱۹۴۵ء) میں طاقت کے نشہ میں مست عالمی سامراجی طاقتوں نے علاقہ پر قبضہ جمانے کے لئے اربوں اور کھربوں پاؤنڈ اور ڈالر کا مالی نقصان کیا، اور اس میں مختلف ملکوں کے جوان انسان صفحہ ہستی سے مٹ گئے، ان سب کی مجموعی تعداد ایک کروڑ ۶ لاکھ بنتی ہے، امریکہ کے دو لاکھ بانوے ہزار (۲۹۲۰۰۰) فوجی مارے گئے، سوویت یونین کے سات لاکھ پچاس ہزار (۷۵۰۰۰۰) لوگ مارے گئے، اور چین کا (۲۲۰۰۰۰۰) جانی نقصان ہوا۔ زخمیوں کی تعداد اسی (۸۰) ملین تھی، مالی طور پر صرف امریکہ کا ۳۵۰/ارب ڈالر خرچ ہوا، جب کہ ایک کروڑ سے زائد شہری گھروں سے بے گھر ہو گئے، لاکھوں انسان معذور ہو گئے اور لاکھوں بچے ایٹمی جراثیم کے اثرات کی وجہ سے آج بھی معذور ہی پیدا ہو رہے ہیں۔ (۶)

جنگ عظیم دوم کے دوران اگست ۱۹۴۰ء میں جرمنی نے برطانیہ پر سخت فضائی حملے کیے جو پانچ مہینے تک جاری رہے، اور ان میں ۲۳۰۰۰ر ہزار شہری مارے گئے۔ (۷)

جنگ عظیم دوم میں امریکہ نے جنوری ۱۹۴۳ء میں جرمنی پر حملہ کر کے تقریباً ایک ملین شہریوں کو موت کی گھاٹ اتار دیا، اور تین ملین مکانات منہدم کر دیے۔ یہ حملے پوری شدت کے ساتھ جاری رہے یہاں تک برلن کا سقوط ہو گیا اور جرمنی کے اکثر شہر ویران ہو گئے۔ (۸)

پھر مزید یہ کہ آمنے سامنے کی جنگ تو بہادری کی جنگ سمجھی جاتی ہے، مگر امریکہ نے اس جنگ عظیم دوم میں بغیر مقابلہ کے ہیروشیما اور ناگاساکی کی پرامن آبادی پر ۶ر اگست ۱۹۴۵ء کو ایٹم بم گرا کے ۲ر لاکھ ۳۰ر ہزار انسانوں کو لمحہ بھر میں ہوا میں تحلیل کر دیا، اور ۱۵۷۰۰۰ر جاپانی زخمی ہوئے۔ (۹)

۱۲ر ہزار ٹن وزنی بم شہری آبادیوں پر برسائے گئے جن کی وجہ سے درجہ حرارت ۵ لاکھ ڈگری فارن ہائیٹ سے زیادہ ہو گیا، ایسے میں انسانیت کا کیا حال ہوا ہوگا، تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

یہ سب کسی انسانی خیر خواہی یا کسی اعلی انسانی مقصد سے نہیں بلکہ صرف علاقہ پر غیر کا قبضہ ہٹانے اور اپنا قبضہ جمانے کے لئے کیا گیا، دوسری جنگ عظیم کی ان سب ہولناکیوں کے بعد جو علاقائی قبضہ کے لئے جنگیں ہوئیں، ان میں کورین وار (۱۹۵۰-۱۹۵۲ء) میں جو امریکہ کے کوریا پر قبضہ کرنے کے سلسلہ میں ہوئی تقریباً تین ملین انسان ہلاک ہوئے، ۱۹۵۱ء میں چینی لیڈر ماوتسی تنگ نے اپنے مخالفین کے خلاف وحشیانہ کارروائیاں کی جن میں خود اس کے اعتراف کے مطابق ۸۰۰۰۰۰ر مخالفین کو موت کی گھاٹ اتار دیا گیا، یہ چینی لیڈر فخریہ کہا کرتا تھا کہ اس نے ۴۶۰۰۰ر لوگوں کو زندہ دفن کر دیا۔ (۱۰)

۱۹۴۹-۱۹۵۳ء میں مشرقی ترکستان میں چین نے ایک لاکھ مسلمانوں کو قتل کر دیا، دین اسلام پر پابندی عائد کر دی، اور مشرقی ترکستان کا نام بدل کر صوبہ سیکیانج کر دیا۔ (۱۱)

ویتنام جنگ (۱۹۶۴-۱۹۷۵ء) میں امریکہ نے ویتنام کے تین ملین شہریوں کو قتل کر دیا، ۳۰۰۰۰۰ر ویتنامی اپاہج ہو گئے، اور ۴۰۰۰۰ر ملک بدر ہو گئے۔ (۱۲)

۱۹۸۲ء میں اسرائیلی وزیر اعظم اریل شارون (Ariel Sharon) نے

جنوبی لبنان کے خیموں میں پناہ گزیں تین ہزار سے زائد فلسطینیوں کو قتل کردیا۔(۱۳)

۱۹۹۰ء کی گلف وار میں جو سپر پاور کی سرپرستی میں لڑی گئی ایک لاکھ انسانی جانوں کا ضیاع ہوا۔

۱۹۹۰-۱۹۹۴ء میں روانڈا میں نسل کشی جنگ میں آٹھ لاکھ انسان قتل کردیے گئے دو ملین ملک سے باہر پناہ گزیں ہوئے، اور نصف ملین ملک کے اندر ادھر ادھر مارے مارے پھرتے رہے اور انہیں ٹھکانہ نصیب نہیں ہوسکا۔(۱۴)

۱۹۹۲-۱۹۹۵ء میں یورپین ممالک کی سرپرستی میں سربوں نے بوسنیا اور ہرزے گووینا میں دسیوں ہزار مسلمانوں کو موت کی گھاٹ اتار دیا اور اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق بیس ہزار سے پچاس ہزار تک مسلم عورتوں کی عزت وآبرو کا پردہ چاک کیا گیا اور تین سو قبروں میں مسلمانوں کو مسخ کرکے دفن کردیا گیا۔(۱۵)

۱۹۹۴-۱۹۹۷ء چیچنیا میں روس نے ایک لاکھ چالیس ہزار چیچنیائی مسلمانوں کو قتل کردیا، اور مسلمانوں کے ساتھ ایسی ایسی گھناؤنی کارروائیاں کی گئیں کہ صرف اس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور روس نے بین الاقوامی سطح پر ممنوع ایٹمی ہتھیاروں کو خوب دھڑلے سے استعمال کیا۔(۱۶)

عالمی سپر پاور روس کی مسلط کردہ افغان وار میں جو ۲۵ دسمبر ۱۹۷۹ء سے ۱۹۹۹ء تک ہوئی ۱۰ لاکھ سے زائد انسان مارے گئے، اور کروڑوں ڈالر کا نقصان ہوا جب کہ لاکھوں لوگوں کو ابھی تک اپنے گھر کی چھت نصیب نہیں ہوئی۔(۱۷)

۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء میں امریکہ کے بڑے شہر نیویارک میں قائم عالمی تجارتی مرکز پر نام نہاد حملہ کے بعد عالمی سپر پاور امریکہ نے افغانستان پر حملہ کردیا جس میں لاکھوں انسان ہلاک ہوگئے اور دہشت گردی کے الزام میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو گوانتانامو بے اور ابوغریب جیلوں میں ڈال دیا گیا جہاں ان کے ساتھ انتہائی بہیمانہ اور حیوانی سلوک کیا گیا، اس کے بعد ۲۰ر مارچ ۲۰۰۳ء میں امریکہ نے اپنے اتحادیوں کی مدد سے عراق پر فوجی حملہ

کر دیا، جس میں ایک محتاط سروے کے مطابق چھ لاکھ پچپن ہزار (۶۵۵۰۰۰) عراقی ہلاک ہوئے، تقریباً ساڑھے چار ملین (پینتالیس لاکھ) عراقی بے گھر ہو گئے، دو ملین (۲۰۰۰۰۰۰) خواتین بیوہ ہو گئیں، پانچ ملین (۵۰۰۰۰۰۰) بچے یتیم ہو گئے، تین ملین تین لاکھ (۳۳۰۰۰۰۰) عراقی ملک بدر ہو گئے، اور کیمیکل ہتھیاروں کے استعمال کی وجہ سے پیدا ہونے والے بچے اپاہج، گونگے، بہرے، اور مختلف خطرناک امراض کا شکار ہو رہے ہیں۔ (۱۸)

دوسری طرف اسلام کی جنگوں کا نقشہ دیکھئے تو نظر آئیگا کہ ان میں صرف ایک ہزار سے کچھ زیادہ افراد اس میں کام آئے، جن میں مسلمان اور ان کے دشمن کے افراد شامل ہیں، پھر بھی نبی اسلام اور اسلام پر ظلم کا الزام وہ لوگ لگاتے ہیں جنہوں نے لاکھوں انسانوں کو محض غیر علاقہ پر قبضہ کرنے یا اپنے علاقہ سے دشمن کو ہٹانے کے لئے موت کے بھینٹ چڑھا دیا۔

رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی ۸۲ کوششوں میں صرف ۲۵۹ مسلمان اور ۷۵۹ مخالفین کام آئے، ان تمام مقابلوں میں صرف ۱۱ر مسلمان قید ہوئے البتہ مخالفین کے ۶۵۴۶ر افراد قیدی بنائے گئے، جو فدیہ سے یا فدیہ کے بغیر آزاد کر دئے گئے، اور ان میں سے جو بلا کسی شرط کے چھوڑے گئے ان کی تعداد ۶۳۴۷ر ہے اور ان کے ساتھ کوئی انتقامی کاروائی نہیں کی گئی، زخمیوں کی تعداد بھی فریقین کو ملا کر ۳۰۰ر کے قریب ہوئی۔ (۱۹)

تمام جنگوں میں جو انسانی رواداری اور حسن اخلاق کا معاملہ رہا اس کا دوسرے مذہبوں اور تمدنوں کے درمیان ہونے والی جنگوں سے موازنہ کیا جائے تو حیرت ناک نمونہ سامنے آتا ہے، اسلام کے علاوہ کوئی بھی مذہب، کوئی بھی قوم، کوئی بھی معاشرہ، سوسائٹی اور امن کے لئے کوشاں کوئی ادارہ آج تک اس طرح کا امن پسندی اور حق طلبی کا انقلاب برپا نہیں کر سکا، اور یہ انقلاب بھی ایسا انسانی انقلاب تھا کہ اس کے نتیجہ میں رحمۃ للعالمین ﷺ نے ایسے نظام کی بنیاد رکھ دی جس کی برکات صدیاں گزر جانے کے بعد بھی انسانی سینوں میں محسوس کی جا سکتی ہیں۔

جنگ بدر کے ۷۲ر قیدیوں میں سے ۷۰ر کو حضور ﷺ نے جرمانہ لے کر آزاد کر دیا،

ان قیدیوں کو مہمانوں کی طرح رکھا گیا، بہت سے قیدیوں کا اعتراف موجود ہے کہ مسلمان اپنے بچوں سے بڑھ کر ان کے آرام وراحت کا اہتمام کرتے تھے۔

جنگ بدر کے بعد غزوۂ بنی المصطلق میں سو سے زائد مرد وعورت قید ہوئے، وہ سب بلا کسی معاوضہ کے آزاد کردئے گئے۔

حدیبیہ کے میدان میں ۸۰/حملہ آور گرفتار ہوئے، ان کو آپ ﷺ نے بلا کسی شرط وبلا کسی جرمانہ کے آزاد کردیا۔

جنگ حنین میں چھ ہزار زن ومرد بلا کسی شرط وبلا کسی معاوضہ کے آپ ﷺ نے آزاد فرمادیا، بعض اسیروں کی آزادی کا معاوضہ حضور ﷺ نے اپنی طرف سے اسیر کنندگان کو ادا کیا تھا، اور پھر اکثر قیدیوں کو خلعت وانعام دیکر رخصت کیا۔

حضور ﷺ کا قاعدہ تھا کہ عورت، لڑکے، اور بوڑھوں کو قتل کرنے سے منع فرماتے تھے، جب سریہ بھیجتے تو ان لوگوں کو تاکید کردیتے کہ منکرین خدا کو قتل کرنا ہو، تو مثلہ نہ کرو، یعنی ان کے جسم کے اعضاء کو نہ بگاڑو، کفار سے جب کچھ معاہدہ کرو تو بدعہدی نہ کرو، عورت، بچے اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو۔

جس بستی یا قبیلہ سے اذان کی آواز سنی جائے یا اسلام کی کوئی علامت معلوم ہو، وہاں حملہ کرنے کی اجازت نہ تھی، اور جو شخص کلمہ پڑھ لیتا گو اس نے تلوار کے خوف ہی سے پڑھا ہو اس کو قتل کرنے سے منع فرماتے تھے، صحابہ کہتے تھے کہ یارسول اللہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا، آپ ﷺ فرماتے کہ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟ حضرت اسامہ بن زید اور محلم بن جثامہ پر حضور ﷺ اسی بنا پر ناراض ہوئے، اور آپ ﷺ نے اسامہ بن زید سے وعدہ لیا کہ میرے سامنے یا میرے بعد کبھی کسی ایسے دشمن شخص کو قتل نہ کرنا جو کلمہ پڑھ لے، حضرت خالدؓ سے اس بارے میں بداحتیاطی ہوگئی تو آپ ﷺ ان سے سخت ناراض ہوئے۔ (۲۰)

سیرت ابن کثیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین میں اپنے اصحاب ورفقاء کو حکم دیا کہ کسی بچہ، عورت، مرد یا غلام پر جو کام کاج کے لیے ہو، ہاتھ نہ اٹھایا جائے، آپ ﷺ نے ایک عورت کے قتل پر جو حنین میں ماری گئی افسوس کا اظہار کیا۔ (۲۱)

حوالہ جات:

(۱) حضارة العرب: ۳۲۶-۳۲۷۔
(۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: قصة الاضطهاد الديني في المسيحية والإسلام / ڈاکٹر توفیق الطویل، ص: ۸۱-۹۹
(۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: الإمبراطورية الأمريكية البداية والنهاية / منصور عبدالحکیم، ص: ۸۱-۹۹۔
(۴) معجم المعارك الحربية / ماجد اللحام، ص: ۶۳-۹۳۔
(۵) تاریخ الیابان الحدیث و المعاصر / ڈاکٹر ہشام عبدالرؤف حسن، ص: ۲۳۱-۲۴۴۔
(۶) تفصیل کے لئے دیکھیں: موسوعة الحروب / هيثم هلال، ص: ۴۴۵، اور ذاكرة القرن العشرين / ڈاکٹر احمد کنعان، ص: ۹۹۔
(۷) تاريخ أوربا الحديث / هـ . أ . ل . فشر، ص: ۶۷۴۔
(۸) تاريخ أوربا الحديث / هـ . أ . ل . فشر، ص: ۷۰۲-۷۱۰۔
(۱۹) تاریخ الیابان الحدیث و المعاصر / ڈاکٹر ہشام عبدالرؤف حسن، ص: ۲۳۸-۲۴۰۔
(۱۰) الصين / كونراد زايتس، ص: ۱۹۷-۱۹۹۔
(۱۱) الصين / كونراد زايتس، ص: ۲۵۴۔
(۱۲) ذاكرة القرن العشرين، ص: ۱۰۰۔
(۱۳) المحارز الصهيونية ضد الشعب الفلسطيني / جواد احمد، ص: ۳۶، اور فلسطين التاريخ المصور / ڈاکٹر طارق السویدان، ص: ۳۳۳-۳۳۵۔
(۱۴) تقرير حالة اللاجئين في العالم، ص: ۲۴۵-۲۴۷۔
(۱۵) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: جمهورية البوسنة والهرسك قلب أوربا الإسلامي / ڈاکٹر احمد بن علی تمراز، حسین عمر سباھیتش، ص: ۶۹-۷۲، تقرير أشكال العنف: ۶۰، وموسوعة الحروب / ہیثم ہلال، ص: ۴۹۴۔
(۱۶) تاریخ القوقاز / محمود عبدالرحمٰن، ص: ۱۹۳، نیز مندرجہ بالا معلومات کے لیے دیکھیں: الرحمة في حياة الرسول صلى الله عليه وسلم / الدكتور راغب الحنفي السرجاني، ۲۰۰۹ء، رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ۔
(۱۷) رہبر انسانیت / مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، ص: ۳۳۲۔
(۱۸) almoslim.net
(۱۹) رہبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم / مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، دار الرشید لکھنو۔
(۲۰) اصح السیر، عبدالرؤف داناپوری، ص: ۳۴۵۔
(۲۱) سیرت ابن کثیر۔

مغرب کی دہشت گردی

۹/۱۱ کے واقعہ کے بعد تشدد اور دہشت گردی کے ہر واقعہ کو اسلام اور مسلمانوں سے جوڑ دیا جاتا ہے، ذرائع ابلاغ خاص طور پر مغربی میڈیا بڑے زور وشور سے پروپیگنڈہ کرتا ہے کہ پوری دنیا میں صرف مسلمان دہشت گرد ہیں، دین اسلام دہشت گردی اور انتہا پسندی کی تعلیم دیتا ہے، اسلامی ممالک دہشت گردی کی آماجگاہ ہیں، اسلامی ادارے اور مراکز تشدد کے اڈے ہیں، یہ بات اگر یورپ اور مغربی ممالک کے پس منظر میں کہی جائے تو صحیح ہوگی کیونکہ یورپ اور امریکہ کی پوری تاریخ تشدد، انتہا پسندی اور دہشت گردی سے پُر ہے۔

عالمی میڈیا ہمیشہ صرف مسلمانوں کی طرف منسوب واقعات کو پیش کرتا ہے اور مغرب کے کالے کرتوتوں پر دبیز پردے ڈال دیتا ہے، جس کی وجہ سے دنیا کی نظروں سے تصویر کا دوسرا رخ پوشیدہ رہتا ہے، تہذیب حاضر کا روشن چہرہ تو نظر آتا ہے، لیکن اندرون جو چنگیز سے تاریک تر ہے نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یورپ اور امریکا میں دہشت گردی اور تشدد کا نیٹ ورک جتنا مستحکم، فعال اور مضبوط ہے وہ کسی اور ملک میں نہیں، اگر عصبیت سے بالاتر ہو کر منصفانہ ذہن سے پوری دنیا میں تشدد اور دہشت گردی کا جائزہ لیا جائے تو امریکا اور اسرائیل سرفہرست نظر آئیں گے، ہم ذیل میں اسرائیل، امریکا اور یورپ کی دہشت گردی اور ظلم وسفا کی کی ایک جھلک پیش کریں گے۔

امریکہ نے سابق صدر ریگن کے نظریہ کے مطابق بین الاقوامی دہشت گردی کے نئے نئے ذرائع اختیار کیے، مثلاً دنیا کے مختلف ملکوں میں مجرمانہ اور دہشت گردانہ اعمال کے افراد تیار کر کے بین الاقوامی سطح پر دہشت گردی کا نیٹ ورک قائم کر دیا، جو امریکی خفیہ سراغ رساں ایجنسی CIA کی نگرانی میں سرگرم عمل ہے، ۱۹۸۶ء میں کونٹرا کا امدادی جہاز گرایا

گیا جس پر کرایہ کے امریکی فوجی سوار تھے جو کونٹرا میں امریکی فوجیوں کی مدد کے لیے جارہے تھے، اس طرح امریکہ نے ۱۹۸۸ء میں ''نکاراگوا'' پر بمباری کر کے معصوم شہریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، سلواڈور اور ہنڈوراس (Honduras) کی دہشت گرد تنظیموں اور مافیا جماعتوں نے کونٹرا میں جنگ کے دوران اہم کردار ادا کیا، ۱۹۸۸ء کے اخیر میں ایک امریکی ایجنٹ نے اعتراف کیا تھا کہ ہم لوگوں نے سیکڑوں اسکولوں اور اسپتالوں کو تباہ کر دیا، اور شہر سے دور دیہاتی علاقوں میں انسانی زندگی کے وسائل بند کر دیئے، امریکی فوجوں نے نکاراگوا سے انخلا کے بعد وہاں قتل وغارت گری، خون خرابہ، دہشت گردی وتشدد کا سلسلہ جاری کر دیا، ۱۹۰۸ء میں سلواڈور میں دسیوں ہزار شہریوں کا قتل عام کیا گیا، وہاں کے پوپ کے بیان کے مطابق نہتے شہری اجتماعی قتل اور نسل کشی کی کارروائیوں کے شکار ہوئے، اور ان شہریوں کا گناہ صرف اتنا تھا کہ وہ اپنے جائز بنیادی حقوق کا دفاع کر رہے تھے۔

اسی سال گوانٹے مالا میں امریکی پشت پناہی میں قتل عام ہوا، اس سے پہلے ساٹھ کی دہائی میں کیوبا اور لبنان امریکی جارحیت اور غنڈہ گردی کا شکار ہو چکے تھے، ۱۹۶۱ء میں ''دنمس'' نامی مافیا تنظیم نے CIA کی نگرانی میں ہوٹلوں، صنعتی کارخانوں، اور تعلیمی وثقافتی اداروں کو اپنی منظم دہشت گردی کا نشانہ بنایا، غذائی اجناس میں زہر ملا دیا۔

۱۹۹۲ء میں امریکہ نے فلوریڈا کے ایک مافیا گروہ کو کیوبا بھیجا جس نے صنعتی کارخانوں کو تباہ کر دیا۔

یہودیوں کے دو مشہور مافیا گروپ اریجون اور لیہی نے جن کے سرغنہ مناخم بیگن تھے، ہزاروں عرب شہریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور جن یہودی ممبروں کے بارے میں خدشہ تھا کہ وہ واقعہ کی گواہی دے سکتے ہیں ان کو بھی ختم کر دیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: ''إرهاب القراصنة وإرهاب الأباطرة قديماً وحديثاً'' از: نوم چومسکی تعریب: احمد عبدالوہاب)۔

صہیونیوں کا ایک دہشت گرد گروپ ''ہاجناہ'' کے نام سے مشہور ہے، یہ گروپ ان لوگوں کا صفایا کرتا ہے جو عربوں کے ساتھ مصالحت ومفاہمت کی بات کرتے ہیں یا

صہیونی پروٹوکول کو بروئے کار لانے میں رکاوٹ بنتے ہیں، اس گروہ کے خفیہ جیل خانے ہیں جن میں ان یہودیوں کو ڈال دیا جاتا ہے جن کے بارے میں شک وشبہ ہوتا ہے۔

آج یورپ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کو خونی تاریخ کی شکل میں پیش کر ہے جب کہ یورپ اور کلیسا کی پوری تاریخ شر وفساد، قتل وغارت گری، خون خرابہ اور گناہ ومعصوم جانوں کو تہ تیغ کرنے سے پُر ہے، یورپ کی خانہ جنگیاں خصوصاً فرا اور برطانیہ کی پچاس سالہ جنگیں اس کی بیّن دلیل ہیں، ایشیا اور افریقہ کے بر اعظموں نصرانیت کے فروغ وتبلیغ کی خاطر وحشیانہ کارروائیاں، جن میں لاکھوں انسان قتل کر د گئے، امریکا کے اصلی باشندوں (ریڈ انڈین) کو قتل کر کے جن کی مجموعی تعداد ۱۱۲ ملین سفید فاموں نے قبضہ کرلیا، اور افریقہ کے سیاہ فاموں کو لاکر غلام بنایا۔

۱۵۴۲ء میں ایک اسپینی پادری Bartolomede Delas Casas نے ''ا امریکی باشندوں کا قتل عام'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی، اسپینی پادری نے اپنا آنکھ دیکھا حال بیان کیا ہے کہ اسپینیوں نے امریکی براعظم کے اصل باشندوں کا قتل عام کیا۔

مصنف نے لکھا ہے کہ جب اسپینیوں نے جزیرہ Hispaniola پر قبضہ کیا تو وقت وہاں کے باشندوں کی تعداد تین ملین تھی، لیکن آج وہاں زندہ بچ جانے والوں کی تع صرف دو سو ہے، اور دوسرے ممالک کیوبا، پورٹو ریکا اور جمائکا کے حالات ناگفتہ بہ ہ یہاں تو زندگی کے آثار نظر ہی نہیں آتے، اسپینیوں کے چالیس سالہ دور ظلم وبربریت میں ملین انسان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

کیتھولک عیسائیوں نے دقیانوس شہنشاہ اعظم کے عہد اقتدار میں (۲۴۸ آرتھوڈکس عیسائیوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا، اور مصر میں ان کو زندہ نذر آتش کر دیا اور ان کی لاشیں چیل کوؤں کو کھلا دی گئیں، اس کے عہد میں تقریباً ایک ملین عیسائی کر دیئے گئے، اور جو زندہ بچ گئے ان پر سخت ترین ٹیکس عائد کر دیا گیا۔ (مذبحة الـ الحمر، عربی مجلہ المجتمع، شمارہ نمبر ۱۷۳۳، ۳۰/۱۲/۲۰۰۶ء)

نصرانی مورخ ویڈہام نے لکھا ہے کہ ''۲۴/ ۸/ ۱۵۷۲ء کو کیتھولک نصرانیوں نے پروٹسٹنٹ عیسائیوں کا پیرس میں قتل عام کیا، جس سے پیرس کی سڑکیں خون سے بھر گئیں، اور دسیوں ہزار انسان موت کی نیند سو گئے۔

۱۰۵۲ء میں اندلس کے اشبیلیہ خطہ میں کلیسا کی عدالت نے نصرانیت اختیار نہ کرنے کی صورت میں مسلمانوں کو ملک بدر کر دیا۔

ولیم جالیس کہتا ہے کہ نصرانیت پہلا مذہب ہے جس نے دنیا میں خون خرابہ، دینی عصبیت اور مقابل فریق کو نیست و نابود کر دینے کا طریقہ ایجاد کیا۔

کلیسائی تفتیشی عدالتوں نے چند برسوں کی مدت میں تین لاکھ چالیس ہزار انسانوں کو قتل کر دیا، ان میں ایک بڑی تعداد کو زندہ جلا دیا گیا۔

بریفالٹ نے لکھا ہے کہ مورخین کے اندازہ کے مطابق عیسائیوں نے پورے یورپ میں ۱۵ ملین انسانوں کو ہلاک کر دیا''۔

''تاریخ مصر'' کے مورخ حنا نقیوسی کا بیان ہے کہ ''رومی شہنشاہ قسطنطین کے عہد حکومت (۲۷۴ء - ۳۳۷ء) میں عیسائی کلیساؤں کو تباہ کر دیا گیا، کتب خانوں کو نذر آتش کر دیا گیا، فلاسفہ اور علماء کو زندہ جلا دیا گیا۔

عیسائی مورخ فلپ واچ، اور یوسف کرباج ''المسيحيون في التاريخ الإسلامي العربي والتركي'' میں رقمطراز ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مصر میں عیسائیوں اور یہودیوں کی تعداد ۲۵ لاکھ تھی اور نصف صدی کے اندر نصف تعداد نے ہارون رشید کے زمانہ میں اسلامی عدل وانصاف سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

عیسائی عالم کیتانین نے لکھا کہ عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد نے خانہ جنگیوں اور دین مسیح میں تحریف سے پریشان ہو کر اسلام کی صداقت وحقانیت اور اس کی مثالی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اس کے مقابلہ میں عیسائیوں نے اپنے دور حکومت میں مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے، جبرتی نے اپنی کتاب ''عجائب الآثار فی

التراجم والأخبار“ میں لکھا ہے کہ مصر پر نپولین بوناپارٹ کے حملہ میں نصرانیوں نے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔

عیسائی مورخین اسٹیفن رنسیمان، گستاؤلیبان، رابرٹ اور کاہن آبوس نے اعتراف کیا ہے کہ ”عیسائیوں نے بیت المقدس میں پناہ گزین مسلمانوں کا اس طرح قتل عام کیا کہ گھوڑوں کے پیر گھٹنوں تک خون میں ڈوب گئے، رچرڈ نے عکا شہر میں ۲۷۰۰ مسلم قیدیوں کو قتل کردیا، جن میں بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کردیا گیا، بلکہ وہ سڑکوں پر گھوم گھوم کر مردوں، نوجوانوں، بچوں اور عورتوں کے پیٹ چاک کرتے تھے، ہر جگہ لاش ہی لاش نظر آتی تھی، اور ہماری قوم کے سفاکوں نے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کو قتل کردیا“

اسی طرح بوسنیا، ہرزے گوینا، اور کوسوو میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا، پچاس ہزار عورتوں کو یرغمال بنایا گیا، عورتوں کے رحموں میں کتوں کا مادہ ڈالا گیا، ۶۱۴ مسجدوں کو بالکل نیست ونابود کردیا گیا اور ۵۳۰ مسجدوں کو زبردست نقصان پہونچا، سیکڑوں اسلامی مدرسوں کو تہس نہس کردیا گیا اور امریکہ کی نام نہاد دہشت گردی مخالف جنگ کا بھی مقصد سامراجی مقاصد کی تکمیل اور اسلام کا خاتمہ ہے، ایک عیسائی اخباری نمائندہ ڈیوڈ سیلبورن نے لکھا ہے کہ یہ جنگ دہشت گردی کے خلاف نہیں ہے، بلکہ یہ اسلام مخالف ہے۔

انگریزی مجلّہ نیشنل ریویو نے صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ ہم کو مسلمانوں کے ملکوں میں جاکر حملہ کرنا چاہئے، ان کے لیڈروں کو قتل اور مسلمانوں کو عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کرنا چاہئے۔

۲۴/۶/۲۰۰۴ء میں جرمنی کے ایک ٹی وی چینل نے ایک ہفتہ واری پروگرام میں جس کو جان جانسن اور وولکر شتائیھوف نے پیش کیا تھا، عیسائی مشنریز کے عراق میں رول پر روشنی ڈالتے ہوئے شائع کیا تھا کہ عراق ”مقدس جنگ“ کا نقطۂ آغاز ہوگا۔

۱۴/۴/۲۰۰۴ء میں نیویارک ٹائمز نے لکھا تھا کہ عراق میں جاری بش کی جنگ ایک دینی مبلغ کا مظہر ہے۔ (بحوالہ عربی رسالہ المجتمع، شمارہ نمبر ۱۷۲۱، ۳۰/۹/۲۰۰۶ء)

عیسائیت اور کلیسا کے مظالم

اسلام پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلا اور مسلمانوں نے اپنے دین اسلام کی اشاعت وتبلیغ میں ظلم وقہر اور زور زبردستی کا طریقہ اختیار کیا، اسلام دشمن عناصر خصوصاً یورپ نے ذرائع ابلاغ اور لٹریچر کے ذریعہ سے اس کا خوب پروپیگنڈا کیا ہے، جس کے اثر سے اسلام اور مسلمانوں کو بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ الزام اسلام کے تعلق سے درست نہیں ہے، یہ حقیقت کے برخلاف ہے، اس کا مصداق تو دوسرے مذاہب خصوصاً عیسائیت ہے، جس کی پوری تاریخ جبر واکراہ اور ظلم وزیادتی سے بھری پڑی ہے، اور خود یورپ کے منصف اور حقیقت پسند مؤرخین اور مستشرقین نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

سر ٹامس آرنلڈ T. W. rnold نے اپنی کتاب ''دعوت اسلامی'' The Preaching of Islam میں اسلام اور عیسائیت کے تقابلی جائزہ کے بعد لکھا ہے کہ:

> اسلام امن وآشتی کی تعلیم اور پیار ومحبت سے پھیلا جبکہ عیسائیت کو فروغ جبر واکراہ اور ظلم وزیادتی سے ملا اور اس کی تاریخی شہادتیں بھی پیش کی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا جیسا کہ سولہویں پوپ بنڈیکٹ نے دعویٰ کیا ہے، جبکہ عیسائیت جبر واکراہ کے بل پر پھیلی۔

ڈاکٹر محمد عمارہ نے بھی اپنی کتاب ''الإسلام في عيون غربية'' میں اس کے تاریخی واقعات پیش کیے ہیں، ان تاریخی واقعات کا یہاں خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

سر ٹامس آرنلڈ لکھتے ہیں:۔

''انگریز شہنشاہ شارلیمن (Charlemane) [۷۴۲-۸۱۴ء] نے تلوار کی

نوک پر جرمنی کے صوبہ سکسونی Saxony کے باشندوں کو عیسائیت میں داخل کیا۔

ڈنمارک میں بادشاہ کنٹ Cnut (۹۹۵ء-۱۰۳۵ء) نے اپنے ماتحت صوبوں میں بت پرستوں کو ظلم وقہر اور دہشت گردی کے ذریعہ عیسائی بنالیا۔

''برادران تلوار'' Bretheren of The sword جماعت اور دیگر صلیبیوں نے جرمنی کی سابق مملکت پروسیا Prussia کے بت پرستوں کو زندہ جلادیا صرف اس جرم میں کہ انہوں نے نصرانیت اختیار کرنے سے انکار کردیا۔

Ordo fratrum miliuechris کے جنگ جوؤں نے لائی ورنو Livorno کی قوم کو جبراً عیسائیت میں داخل کرلیا۔

۱۶۹۹ء میں والنٹین Valentyn نے جزیرۂ انبوین Amboyan کے روجوس Rojos کو ایک شاہی فرمان جاری کیا جس میں حکم دیا کہ جزیرہ کے تمام بت پرستوں کو عیسائی بنالیا جائے، چنانچہ کلیسا کے ذمہ داروں نے بپتسمہ (عیسائی بنانے) کے دوران ان پر ظلم وبربریت کے پہاڑ توڑ دیے اور ان کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کیا۔

ناروے کے جنوبی حصہ وایکن Viken میں بادشاہ اولاف ترائی جیوسون Olaf Traygvesson ان لوگوں کو گائے بکری کی طرح ذبح کرتا تھا جو عیسائیت قبول کرنے سے انکار کرتے، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیتا، اور لاتعداد لوگوں کو ملک سے باہر نکال دیا، اس ظالمانہ اور وحشیانہ طریقہ سے پورے وایکن میں عیسائیت پھیل گئی۔

لوئی نہم کی وصیت میں ہے کہ جب کسی عام عیسائی کو یہ معلوم ہو کہ عیسائیت کی توہین کی گئی تو اس کو چاہئے کہ وہ تلوار کے ذریعہ عیسائیت کی حفاظت کرے اور غیر عیسائیوں کا قتل عام کرے۔(۱)

۱۳۴۰ء تک جزیرۂ ہنگری (Hungary) کے باشندوں میں اسلام ہی عام اور رائج تھا، لیکن چارلس رابرٹ نے اپنے عہد میں تمام غیر عیسائیوں کو جبراً یا تو عیسائیت میں داخل کرلیا

یا ان کو ملک بدر کر دیا۔

پادری دانیال پیٹرووچ D. Petrovich نے ۱۷۰۳ء میں تمام عیسائی قبائل کو جمع کیا اور ان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ ملک کو بچانے کا واحد طریقہ یہاں بسنے والے مسلمانوں کا خاتمہ ہے، پھر کیا تھا، جبل اسود کے جن مسلمانوں نے عیسائیت قبول کرنے سے انکار کیا ان کو راتوں رات ختم کر دیا گیا۔

۹۸۸ء میں روس کے بادشاہ ولادیمیر Vladdimire نے عیسائیت اختیار کی اور دوسرے دن یہ فرمان جاری کیا کہ ملک کے تمام باشندے، امیر و غریب آقا و غلام، عیسائی مذہب اختیار کر لیں، اس طرح پورا روس عیسائی بن گیا، کسی اور مذہب کے اختیار کرنے کی اجازت نہیں تھی، یہی صورت حال ۱۹۰۵ء تک باقی رہی یہاں تک کہ مذہبی رواداری کا فرمان جاری ہوا، اس سے پہلے روس نے اپنی مسلم رعایا کو جبراً عیسائی بنانے کی بھرپور کوشش کی، روسی فوجداری قانون میں آرتھوڈکس کلیسا سے انحراف کرنے والوں کو سخت سزائیں دی گئی تھیں، اگر کسی پر یہ الزام لگ جاتا کہ اس نے کسی عیسائی کو مسلمان بنانے کی کوشش کی ہے تو اسے تمام شہری حقوق سے محروم کر دیا جاتا اور اس کے ساتھ بارہ سال کی قید بامشقت دی جاتی۔

۱۹۰۵ء میں دینی آزادی ملنے کے بعد ایک بڑی تعداد نے اسلام کی اخلاقی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا، ان مسلمانوں کو اپنے علاقوں میں ''مختون کتے'' کہا جاتا تھا، اور سخت ترین اذیتوں سے گزرنا پڑتا تھا، اسلام کی مقبولیت دیکھ کر آرتھوڈکس کلیسا کے ذمہ داروں کو اندیشہ لاحق ہوا اور اس کو روکنے کے لئے ایک خاص انجمن قائم کی، اور قفقاز اور ابخاز Abkazes کے باشندوں میں عیسائیت کا لٹریچر تقسیم کیا تاکہ لوگ عیسائیت ترک نہ کر دیں۔

حبشہ میں بادشاہ سیف ارعد (۱۳۴۲ء-۱۳۷۰ء) نے اپنے قلمرو میں مسلمانوں کے خلاف سخت کارروائیاں کیں اور جس نے بھی عیسائیت اختیار نہیں کی اس کو تختۂ دار پر چڑھا دیا یا ملک سے نکال دیا۔ بیان کیا جاتا کہ بادشاہ بتھیند ماریام (۱۴۶۸ء-۱۴۷۸ء) نے اپنی

زندگی کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے قتل میں گزارا۔ اسی طرح حبشہ کے بادشاہ جان نے ۱۸۸۰ء میں پچاس ہزار سے زائد مسلمانوں کو بپتسمہ پر مجبور کیا، اور ''جلا'' قبائل کی نصف ملین آبادی کو عیسائیت اختیار کرنے پر مجبور کیا۔

حبشہ کے ''ہدیہ'' شہر کے مسلم باشندوں پر لازم تھا ایک دوسرا ٹیکس ادا کریں، وہ یہ تھا کہ ہر سال وہ بادشاہ کو ایک لڑکی دیں جسے وہ عیسائی بناتا، یہ ظالمانہ روایت لمبے عرصہ تک جاری رہی، پھر یہ حکم جاری کردیا کہ کوئی مسلمان جنگ کے سامان نہ رکھے اور نہ تلوار لگائے، اور نہ زین لگے گھوڑوں پر سوار ہو، ورنہ ان کو قتل کردیا جائے گا اور ان کی مسجدوں کو برباد کردیا جائے گا، چنانچہ مسلمان بادشاہ کے قاصدوں کو مال کے ساتھ ایک لڑکی پیش کرتے اور طرح طرح کی اذیتوں کا شکار ہوتے''۔(۲)

ڈاکٹر نبیل لوقا باوی نے اپنی کتاب ''انتشار الإسلام بحد السیف بین الحقیقة والافتراء'' میں لکھا ہے کہ:

> شہنشاہ دقیانوس کے عہد اقتدار میں کیتھولک عیسائیوں نے مصر کے آرتھوڈکس عیسائیوں کو زندہ جلادیا، ان کی لاشوں کو گدھوں اور کووں کے سامنے ڈال دیا، اس کے عہد میں تقریباً ایک ملین عیسائی مارے گئے، مصر میں قبطیوں پر ناقابل برداشت ٹیکس عائد کیا گیا۔

مسیحی مؤرخ ویدہام لکھتا ہے:۔

> ۲۴؍اگست ۱۵۷۲ء میں کیتھولک عیسائیوں نے دسیوں ہزار پروٹسٹنٹ عیسائیوں کو قتل کردیا، یہاں تک پیرس کی سڑکیں خون میں ڈوب گئیں، ۱۰۵۲ء میں کلیسا کی عدالت نے اندلس کے شہر اشبیلیہ سے مسلمانوں کو نکال دیا، جب کہ انہوں نے عیسائیت قبول کرنے سے انکار کیا۔

۱۴۸۱ء میں قائم کیے گئے کلیسا کے تفتیشی محکموں اور تحقیقی عدالتوں نے چند سالوں میں ۳۴۰ ہزار سے زائد لوگوں کو موت کی نیند سلادیا، عیسائی مؤرخ بریفالٹ کے مطابق ان تحقیقی عدالتوں (Courts of Inquisition) نے ایک محتاط اندازہ کے مطابق پندرہ ملین

سے زائد انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور جو لرزہ خیز سزائیں تجویز کیں آج بھی ان سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مصری کلیسا کے بطریرک تیوویلوس نے اسکندریہ کا اسکول، کتب خانہ، اور عبادت گاہوں کے مکتبات کو تہس نہس کر دیا، اسی طرح رومن شہنشاہ قسطنطین نے اپنے عہد حکومت میں سیکڑوں عبادت گاہیں اور کتب خانے برباد کر دئے اور فلاسفہ کو نذر آتش کر دیا۔

گستاؤ لیبان، پادری روبرٹ اور کاہن ابوس نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ:

"ہماری قوم (عیسائیوں) نے بیت المقدس میں مسلمانوں کا اتنا قتل عام کیا کہ ہمارے گھوڑے گھٹنوں تک خون میں ڈوب گئے، اور فوجی کمانڈر رچرڈ چیرول نے عکہ میں ۲۷۰۰ سے زائد مسلمان قیدیوں کو قتل کر دیا، فوجیوں نے قیدیوں کے بیوی بچوں کو قتل کر دیا، ہماری قوم کے افراد سڑکوں اور گھروں میں چکر لگاتے تاکہ خون کی پیاس بجھائیں، بوڑھے، جوان، بچے، مرد اور عورتیں بلا تفریق ذبح کر دئے گئے، عورتوں کے پیٹ پھاڑ ڈالے گئے، یہ گھناؤنا کھیل صرف شہر قدس ہی میں نہیں کھیلا گیا، بلکہ ہر وہ شہر جہاں ہماری فوجیں پہونچیں وہاں خون کی ہولی کھیلی گئی، صرف "معرۃ النعمان" میں ہماری فوجوں نے ایک لاکھ مسلمانوں کو قتل کیا" (۳)۔

صلیبیوں نے داخلۂ بیت المقدس کے موقع پر فتح کے نشہ میں سرشار ہو کر مجبور مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا، اس کا ذکر ایک ذمہ دار مسیحی مؤرخ ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"بیت المقدس میں فاتحانہ داخلہ پر صلیبی مجاہدین نے ایسا قتل عام کیا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجد عمر میں گئے گھٹنوں گھٹنوں خون میں ڈوبے ہوئے تھے، بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیوار پر دے مارا گیا، یا ان کو گھما کر فصیل سے پھینک دیا گیا، یہودی کل کے کل اپنے ہیکل (معبد) میں زندہ جلا دئے گئے"۔

"دوسرے دن اس سے بڑے پیمانہ پر ان لرزہ خیز مظالم کا جان بوجھ

کر اعادہ کیا گیا، ٹینکرڈ نے تین سو قیدیوں کی جان کی حفاظت کی ضمانت لی تھی، وہ چیختا چلاتا رہا اور ان سب کو باہر لا کر قتل کر دیا گیا، پھر ایک زبردست قتل عام شروع ہوا، مردوں، عورتوں اور بچوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کردئے گئے، ان کی لاشوں کے ٹکڑے اور کٹے ہوئے اعضاء کے ڈھیر لگے تھے، بالآخر یہ سفاکانہ قتل عام اختتام کو پہونچا، شہر کی خون آلود سڑکوں کو عرب قیدیوں سے دھلوایا گیا"۔

امریکیوں نے ۱۱۲ ملین ریڈ انڈین افریقی باشندوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور افریقہ سے لائے گئے لاکھوں سیاہ فاموں کو سمندر میں ڈال دیا گیا۔ (۴)

اسپین کے ڈاکٹر عبدالرحمٰن حجی نے اپنی کتاب "محاكم التفتيش الغاشمة وأساليبها" میں لکھا ہے کہ:

"اسپین کے عیسائی ۳۶۵ سال تک مسلمانوں کو عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کرتے رہے، جن لوگوں نے انکار کیا ان کو یا تو تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا، یا نذر آتش کر دیا گیا، یا جیلوں میں ڈال دیا گیا یا پھر ملک بدر کر دیا گیا اور ان کے ساتھ جانوروں سے بدتر معاملہ کیا گیا"۔

تہذیب وتمدن اور عدل ومساوات کے دعویداروں کی "روشن" تاریخ کے یہ چند نمونے ہیں۔ اسکے برخلاف مسلمانوں کی تاریخ غیر مسلم رعایا کیساتھ عدل وانصاف، مساوات، عفو ودرگزر، رواداری، ہمدردی اور خیر سگالی کی مثالوں سے معمور ہے۔

بیت المقدس میں داخلہ کا واقعہ عدل فاروقی کا اعلیٰ نمونہ ہے، حضرت عمر فاروقؓ فاتح کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک خاکسار اور عاجز بندہ کی طرح داخل ہوئے، جب بیت المقدس کا رخ کیا، تو نہ ساز وسامان، نہ نقارہ ونوبت اور نہ لاؤ لشکر، حتی کہ معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا، سواری میں ایک گھوڑا تھا اور چند مہاجر اور انصار ساتھ تھے، گھوڑا جو سواری میں تھا، اس کے سم گھس کر بیکار ہو گئے تھے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا، حضرت عمرؓ یہ دیکھ کر اتر پڑے اور پیادہ

پا چلے، بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابوعبیدہؓ اور سرداران فوج استقبال کو آئے، حضرت عمرؓ کا لباس اور سازوسامان جس معمولی حیثیت کا تھا اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے؟ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور قیمتی عمدہ پوشاک حاضر کی، حضرت عمر نے کہا اور آپ کا یہ تاریخی جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ "اللہ نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے"۔

اس موقع پر جو معاہدہ ہوا، وہ اسلام کی رواداری، عدل وانصاف اور اسلام میں ذمیوں اور غیروں کے حقوق کی پاسداری وحفاظت کا اعلی نمونہ ہے، معاہدہ کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

> یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست اور بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے، اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو اور ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں، ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں، ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال کو امن ہے تا آنکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے، اور جو ایلیا ہی میں رہنا اختیار کرلے تو اس کو بھی امن ہے، اور اس کو جزیہ دینا ہوگا، اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جائے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے، یہاں تک کہ وہ

اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائے، اور جو کچھ اس میں تحریر ہے اس پر اللہ کا، رسول خدا، خلفاء اور مسلمانوں کا ذمہ ہے، بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ (تاریخ طبری، فتح بیت المقدس)

علامہ شبلی نے ''الفاروق'' میں اس معاہدہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کی جان، مال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہے گا، اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں، انہی تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں، گرجے اور چرچ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ تو وہ توڑے جائیں گے، نہ ان کی عمارت کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کے احاطوں میں دست درازی کی جائے گی، مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ ''لا یکرھون علی دینھم'' کہ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، کیا کوئی قوم، مفتوح ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر منصفانہ برتاؤ کر سکتی ہے؟!!۔

اسی طرح جب ایک عیسائی نے حضرت عمرؓ سے شکایت کہ حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے نے اس کی پٹائی کی ہے تو آپ نے حضرت عمرو بن العاص کو طلب کیا اور تنبیہ کی اور ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''تم نے ان کو کب سے غلام بنالیا حالاں کہ ان ماؤں نے ان کو آزاد جنا ہے''۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا سمرقند سے فوج کو واپس بلالینا تاریخ اسلام کا وہ عبرت انگیز واقعہ ہے جسے کوئی بھی انصاف پسند مؤرخ نظر انداز نہیں کر سکتا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں ایک گورنر نے شکایت کی کہ مفتوحہ ممالک میں لوگ اتنی کثرت سے اسلام میں داخل ہو رہے کہ مملکت کے خزانہ اور مالیہ پر اثر پڑ رہا ہے کیونکہ شرعاً اور قانوناً ان سے جزیہ نہیں لیا جا سکتا جو حکومت کی آمدنی و مالیہ کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کو لکھا ''ویحك، إن محمداً صلى الله عليه وسلم بعث هادياً ولم يبعث جابياً'' اللہ کے بندے! محمد رسول اللہ ﷺ

''ہادی'' بنا کر مبعث کیے گئے ''تحصیلدار'' بنا کر (تحصیل اور ٹیکس اور آمدنی بڑھانے کے لیے) مبعوث نہیں ہوئے تھے، میں اس پر راضی ہوں کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں اور خزانہ خالی ہو جائے اور لوگوں کی معیشت کے دوسرے اسباب اختیار کرنے پڑیں۔

سر ٹامس آرنلڈ T.W. Arnold نے اپنی کتاب ''دعوت اسلامی'' The Preaching of Islam میں دلائل کے ساتھ لکھا ہے کہ:

اسلام کے عہد اقتدار و حکمرانی میں عیسائیوں کے ساتھ عدل و مساوات، عفو و درگذر، رواداری اور کشادہ قلبی و فراخ دلی کا جو معاملہ کیا گیا یورپ کی پوری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، اور اسلامی عہد حکومت میں غیر مسلموں کو جو امن و امان نصیب ہوا اور ان کے ساتھ جس رواداری اور بلند انسانی اخلاق کا برتاؤ کیا گیا اس کی کسی اور مذہب یا نظام حکومت میں نظیر نہیں ملتی۔

اسی طرح انطاکیہ کا یعقوبی بطریق میخائیل اکبر Michel the elder (۱۱۲۶ء-۱۱۹۹ء) رومیوں کے مظالم بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ:

جب رومیوں کا ظلم بہت بڑھ گیا تو خدائے انتقام نے جنوب سے اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد (مسلمانوں) کو بھیجا جنہوں نے ہم کو رومیوں کے ظلم و تشدد سے نجات دی اور امن و امان کی زندگی عطا کی اور ہمارے کلیساؤں کی حفاظت کی، پروٹسٹنٹ عیسائی مبلغ ریکولڈس دی مونٹ Ricoldus demonte نے تیرہویں صدی عیسوی میں مشرق کا دورہ کیا، اور مسلمانوں کے اخلاق، معاملات اور ان کے اخلاص و دیانتداری سے بہت متاثر ہوا، وہ لکھتا ہے کہ ہم نے مسلمانوں میں فقراء، محتاج، پریشان حال لوگوں کے ساتھ شفقت و رحمت، ہمدردی اور تعاون کا جو معاملہ دیکھا اس کی پوی تاریخ میں کہیں مثال نہیں ملتی۔ (۵)

نصرانی مؤرخ جاک ٹاجر (۱۹۱۸ء-۱۹۵۲ء) لکھتا ہے:۔

''مصر کے قبطیوں نے عربوں کا استقبال نجات دہندہ کے طور پر کیا، عربوں نے مصر میں داخلہ کے بعد قبطیوں کو مذہبی آزادی دی، اور عیسائی عہد

سے ان پر عائد بھاری ٹیکسوں میں تخفیف کی، اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر قبطیوں نے اسلام قبول کر لیا، لیکن جن قبطیوں نے اسلام قبول نہیں کیا عربوں نے ان کو بھی سہولت فراہم کی اور ان کو ملک کی آمدنی کی نگرانی پر مامور کیا"۔(۶)

مشرق کے سب بڑے آرتھوڈکس کلیسا کے پوپ شنودہ سوم نے اسلام کے عدل وانصاف، مذہبی رواداری، کرم گستری، عفوودرگزر، اسی طرح خلفاء راشدینؓ اور مسلم حکام کی عدل گستری اور مذہبی رواداری اور غیر مسلموں کے ساتھ ان کے منصفانہ اور عمدہ انسانی سلوک کا اعتراف کیا ہے۔

عدل فاروقی کا اعتراف کرتے ہوئے پوپ شنودہ سوم نے لکھا ہے کہ:

خلیفہ عمر بن خطابؓ نے وفات کے وقت اہل کتاب کے متعلق دو وصیتیں کیں: (۱) اہل کتاب کے ساتھ کئے گئے تمام معاہدوں کو پورا کیا جائے (۲) استطاعت اور طاقت سے زیادہ کا ان کو مکلف نہ بنایا جائے۔

اسی طرح جب عمر بن خطابؓ کو معلوم ہوا کہ ولید بن عقبہ نے نصرانیوں کو دھمکی دی ہے، تو انہیں بنوتغلب (جن میں یہودی بھی تھے) کی امارت سے معزول کر دیا، اسی طرح تمام مسلمان اپنی رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کرتے تھے، عمر بن خطابؓ کی زندگی ختم ہوگئی، ان کی خلافت ختم ہوگئی، لیکن انہوں نے خیر وبھلائی کے جو کام کئے ہیں وہ رہتی دنیا تک ختم نہیں ہوں گے۔

اس کے برخلاف غرناطہ کے آخری مسلم حکمراں ابوعبداللہ صغیر نے اسپین کے عیسائی فرمانروا فرنانڈو پنجم اور اس کی بیوی ازابیلا سے غرناطہ کی مسلم آبادی اور اسلامی آثار کے متعلق جو معاہدہ کیا تھا اس کو توڑ دیا گیا اور اسپین (اندلس) سے اسلام کا وجود ختم کر دیا گیا۔

عیسائی مورخ فلپ واچ اور یوسف کرباج لکھتے ہیں کہ(۷):

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مصر میں عیسائیوں کی تعداد ڈھائی لاکھ کے قریب تھی، لیکن نصف صدی کے بعد عباسی خلیفہ ہارون

رشید کے زمانہ میں ان کی نصف تعداد نے اسلامی تعلیمات خصوصاً اسلامی عدل ومساوات اور دلداری اور رواداری سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

مشہور جرمن مستشرقہ مسز ہونکہ جو ''مغرب پر اسلام کا سورج طلوع ہو رہا ہے'' اور ''أرحم الفاتحین'' کی مصنفہ ہیں، کہتی ہیں کہ:

مسلم فاتحین نے کبھی بھی اسلام قبول کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کیا، اس کے برعکس عیسائیوں نے نصرانیت قبول نہ کرنے پر قتل وغارتگری کا بازار گرم کیا، خصوصاً اندلس میں مسلمانوں پر ظلم وبربریت کے پہاڑ توڑے گئے۔

پوپ یوحنا نقیوسی نے لکھا ہے کہ:

جب تک حضرت عمرو بن العاص ؓ مصر کے والی رہے کبھی بھی کلیسا سے ٹیکس نہیں لیا اور نہ کسی ناروا امر ہی کے مرتکب ہوئے، بلکہ جب تک مصر کے والی رہے کلیساؤں کی حفاظت کی۔ (۸)

ایک دوسرا پوپ میخائیل سریانی کہتا ہے کہ:

بازنطینی شہنشاہوں نے ہمارے مقدس کلیساؤں اور گرجا گھروں کو انتہائی بے دردی، سفاکی اور ظلم ودہشت گردی سے لوٹ لیا، لیکن جب مسلمانوں کا عہد اقتدار آیا تو مسلم حکمرانوں نے ہم کو رومیوں کے ظلم سے نجات دلائی، اور ہم کو مکمل آزادی دی کہ ہم عیسائی جس طرح چاہیں اپنے مذہب پر عمل کریں، مسلمانوں کے عہد حکومت میں ہم کو امن وسکون نصیب ہوا۔ (۹)

''تاریخ الأمة القبطیة'' کے مصنف یعقوب نخلہ روفیلہ کہتے ہیں کہ:

حضرت عمرو بن العاص ؓ کے زمانہ میں قبطیوں کو جو امن وسکون اور راحت وچین نصیب ہوا وہ ان کو کسی اور زمانہ میں نصیب نہیں ہوا''۔

فتح بیت المقدس کے موقع پر سلطان صلاح الدین ایوبی نے جس عالی ظرفی اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا، وہ عیسائی مؤرخ اسٹینلے لین پول کی زبان سے سننے کے قابل ہے، لین پول لکھتا ہے:۔

''صلاح الدین نے کبھی اپنے تئیں ایسا عالی ظرف اور باہمت نائٹ ثابت نہیں کیا تھا، جیسا کہ اس موقع پر کیا، جب یروشلم مسلمانوں کے حوالہ کیا جارہا تھا، اس کی سپاہ اور معزز افسران ذمہ دار نے جو اس کے تحت تھے، شہر کے گلی کوچوں میں انتظام قائم رکھا، یہ سپاہی اور افسر ہر قسم کی ظلم وزیادتی کو روکتے تھے، اوراس کا نتیجہ تھا کہ ایسا کوئی واقعہ جس میں کسی عیسائی کو گزند پہونچا ہو، پیش نہ آیا، شہر سے باہر جانے کے کل راستوں پر سلطان کا پہرہ تھا، اور ایک نہایت معتبر امیر باب داؤد پر متعین تھا، کہ ہر شہری کو جو زرفدیہ ادا کرچکا ہو باہر جانے دے''۔

لین پول آگے لکھتا ہے:۔

''اب صلاح الدین نے اپنے امیروں سے کہا کہ میرے بھائی نے اپنی طرف سے اور بالیان اور بطریق نے اپنی طرف سے خیرات کی، اب میں اپنی طرف سے بھی خیرات کرتا ہوں، اور یہ کہہ کر اس نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں منادی کردیں کہ تمام بوڑھے آدمی جن کے پاس زرفدیہ ادا کرنے کو نہیں ہے، آزاد کئے جاتے ہیں، کہ جہاں چاہیں وہ جائیں، اور یہ سب باب البعز رسے نکلنے شروع ہوئے اور سورج نکلنے سے سورج ڈوبنے تک ان کی صفیں شہر سے نکلتی رہیں، یہ خیر وخیرات تھی جو صلاح الدین نے بیشمار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی''۔(۱۰)

انگریزی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کرنے والے جارج سیل G.Sale (۱۶۹۷ء-۱۷۳۶ء) نے لکھا ہے کہ:

''شریعت محمدیؐ کا پوری دنیا میں جو استقبال ہوا اس کی مثال نہیں ملتی اور جو لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ شریعت محمدیؐ تلوار سے پھیلی وہ زبردست مغالطہ اور دھوکہ میں ہیں''۔

ٹامس آرنلڈ لکھتے ہیں کہ:

اس خیال کا ذرا بھی سچائی سے تعلق نہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا، یہ سراسر جھوٹ اور افترا ہے، اسلام تمام ادیان کے ماننے والوں کو برابر آزادی دیتا ہے، عقیدہ اسلامی کی بنیاد رواداری اور تسامح پر ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ:

رومی شہنشاہ جسٹین (۴۸۳ء-۵۶۵ء) نے اسکندریہ شہر میں دوسو ہزار قبطیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور اس کے جانشینوں کے ظلم وقہر نے ہزاروں انسانوں کو صحراء نوردی پر مجبور کر دیا، پھر اسلامی فتوحات نے قبطیوں کو دینی آزادی اور امن وسکون کی زندگی عطا کی، جس سے وہ صدیوں سے محروم چلے آرہے تھے، بڑی تعداد میں قبطیوں کا اسلام قبول کر لینا کسی دباؤ یا ترغیب وترہیب کی وجہ سے نہیں تھا، اس کی وجہ صرف اور صرف اسلام کی عدل پروری اور رواداری ہے، کیونکہ قبطیوں نے فتح مصر سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔(۱۱)

ڈاکٹر محمد عمارہ نے مسٹر آرنلڈ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

ترک عثمانیوں نے البانیہ کے میغاریا Migaris اور ہیڈرے Hydre کے عیسائیوں سے فوجی خدمت کے عوض ٹیکس معاف کر دیا، اسی طرح جنوبی رومانیا کے آرملولی Armloli اور البانیہ کے مرڈٹیز Mirdites کیتھولک عیسائیوں کو ٹیکس کی ادائیگی سے معاف کر دیا۔(۱۲)

مذکورہ بالا تاریخی شہادتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں، عدل وانصاف پر مبنی اپنی مثالی تعلیمات سے پھیلا، تلوار کے زور پر تو عیسائیت پھیلائی گئی ہے اور انسانیت کو امن وسکون عیسائیت سے نہیں اسلام سے ملا ہے۔

حوالہ جات

(۱)۔الإسلام في عيون غربية، از: ڈاکٹر محمد عمارہ، مصر۔
(۲)۔الدعوۃ إلى الإسلام، از: آرنلڈ، وکتاب الإسلام فی عیون غربیۃ: از: ڈاکٹر محمد عمارہ۔
(۳)۔المجتمع، شمارہ نمبر: ۱۷۲۱۔ وشمارہ نمبر: ۱۷۲۰ و ۱۷۳۳
(۴)۔انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ۶/۶۲۷، مضمون: Crusades مأخوذ از: تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ اول، مؤلفہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، ص: ۲۵۳۔
(۵)۔المجتمع، شمارہ نمبر: ۱۸۲۴۔
(۶)۔أقباط و مسلمون منذ الفتح العربي إلى عام ۱۹۲۲م، ص: ۳۰۹-۳۱۵۔
(۷)۔المسيحيون في التاريخ الإسلامي العربي و التركي۔
(۸)۔تاريخ مصر: رؤية قطبية۔
(۹)(تاريخ مصر في العصر البيزنطي، از ڈاکٹر صبری ابوالخیر سلیم، ص: ۶۲، طبع قاہرہ، دارعین، ۲۰۰۱ء۔
(۱۰)۔سلطان صلاح الدین، ص: ۲۰۲-۲۰۵، مأخوذ از: تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ اول، مؤلفہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، ص: ۲۶۸۔
(۱۱)۔الدعوۃ إلى الإسلام، ص: ۸۸، و ۱۶۱۔
(۱۲)۔المجتمع، شمارہ نمبر ۱۸۲۳۔

ملّت اسلامیہ میں مغرب کے مضر اثرات اور بیداری کے مظاہر

تجدد اور مغرب زدگی

انیسویں صدی کے وسط میں عالم اسلام کو جن نازک اور پیچیدہ مسائل اور خطرات کا سامنا کرنا پڑا، ان میں سب بڑا خطرہ اور سنگین مسئلہ مغربیت (تجدد اور مغرب زدگی) کی تحریک تھی، جس کا مقصد مسلمانوں کو اپنے دینی عقائد و مسلمات، اسلامی افکار و اقدار اور اسلام سے ان کی وابستگی اور تعلق کو ختم کر کے مغرب کے نقش قدم پر چلانا اور دینی تصورات، قومی عادات، ضوابط حیات، اور قوانین و روایات میں ترمیم و تنسیخ کر کے مسلم معاشرہ کو تدریجی طور پر مغربیت کے سانچے میں ڈھال دینا تھا، یہی تحریک عالم اسلام میں رونما ہونے والے انقلابات، آپسی ٹکراؤ، انتشار و بے چینی اور الحاد و دین بیزاری کا حقیقی اور بنیادی سبب ہے؛ اس لیے کہ مغربیت اور تجدد ایک ایسا رجحان ہے جو گہرے اور دور رس سیاسی، سماجی، تہذیبی اور ادبی و تعلیمی اثرات کا حامل ہے، اس کا مقصد اقوام عالم کو عام طور پر اور مسلم اقوام کو خاص طور مغربی طرز حیات میں رنگنا ہے، تا کہ مسلمانوں کی امتیازی اور منفرد خصوصیات کو ختم کر دیا جائے اور ان کے اندر مغربی تہذیب و تمدن اور مغربی نظام حیات کے سامنے شکست خوردگی، مکمل سپردگی بلکہ غلامی پیدا ہو جائے، مسلمان مادی، مشینی اور اپنا مخصوص مزاج و ذہن رکھنے والی مغربی تہذیب کو جوں کا توں قبول کر لیں اور اس کے سارے بنیادی عقائد، فکری رجحانات، مادی افکار و خیالات، سیاسی اور اقتصادی نظام پر ایمان لے آئیں اور اس کے لیے ہر قسم کی قربانی اور اس کے لیے بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں، اس طرح جب مسلمان اپنی امتیازی اور منفرد قومی خصوصیات، اسلامی شناخت اور دینی تشخص سے محروم ہو جائیں گے تو بآسانی ان کے وجود کو

مٹایا جاسکتا ہے، اس لیے کہ جو قوم اپنے مذہب، مخصوص تہذیب وتمدن اور مخصوص نظام زندگی کو چھوڑ دیتی ہے اور اپنے مذہب سے اس کا اعتماد اٹھ جاتا ہے، وہ تیزی سے دوسرے کے نظام زندگی اور کلچر میں ضم ہوجاتی ہے، اس وقت مسلم دنیا میں حکام اور عوام، اسلام پسندوں اور آزاد خیالوں میں جو ٹکراؤ اور تصادم ہے اور عالم عربی واسلامی میں جو بے چینی، انتشار، کشمکش اور اسلامی عنصر کو کچلنے کی جو تحریک چل رہی ہے اس کے پیچھے مغربیت ہی کارفرما ہے، اس کی مثال افغانستان، یمن، الجزائر، تونس، لیبیا، ایران، عراق، سوڈان، شام، ترکی اور مصر میں ہونے والے انقلابات اور بغاوتیں ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، از مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی)

اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر اور انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں اس تحریک کے اثرات اس وقت ظاہر ہوئے، جب عالم اسلام میں نئی فوجی تنظیمات اور جدید اصلاحات کے لیے وفود یورپ بھیجے گئے یا مسلم ملکوں میں نئی بیداری کے لیے مغربی ماہرین، معلمین اور دانشوروں کو بلایا گیا، اور اس کا مقصد بھی یورپ کی نشأۃ ثانیہ کے بعد اہل مغرب کے بڑھتے ہوئے سامراجی اثر ورسوخ اور ان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنا تھا جو عالم اسلام کے لیے ایک سنگین خطرہ تھا۔

عالم اسلام میں تجدد اور مغربیت کی تحریک کا آغاز سب سے پہلے ترکی میں ہوا، جہاں سلطان سلیم سوم (۱۷۸۹ء-۱۸۰۷ء) نے سویڈن، فرانس، انگلینڈ اور ہنگری سے انجینئر بلائے، تاکہ ملک میں فوجی اور علمی ادارے قائم کیے جائیں، اس کے بعد سلطان محمود ثانی (۱۸۰۸ء-۱۸۳۹ء) نے ۱۸۲۶ء میں فوج کے قدیم نظام کو ختم کیا، اور فوجیوں اور شہریوں دونوں کے لیے یکساں طور پر یورپی یونیفارم لازم کردی، ۱۸۳۹ء میں سلطان عبدالمجید اول نے غیر مسلموں کو بھی فوج میں کام کرنے کی اجازت دیدی۔

۱۸۰۵ء میں مصر کے حاکم محمد علی پاشا نے یورپی طرز پر فوج کی تشکیل کی اور علوم میں اختصاص پیدا کرنے کے لیے ازہریوں کے تعلیمی وفود یورپ بھیجے۔

اس کے بعد تونس میں احمد پاشا پائی نے فوج کی نئی تنظیم کی اور ایک فوجی کالج قائم کیا

جس میں انگلینڈ، فرانس اور اٹلی کے فوجی کمانڈر اور معلمین رکھے گئے۔

۱۸۵۲ء میں ایران میں مغربی طرز پر ملٹری ادارہ قائم کیا گیا۔

۱۸۶۰ء سے لبنان میں عیسائی مشنریوں کے ذریعہ مغرب زدگی کا عمل شروع ہوا، اور لبنان ہی سے مصر میں خدیو اسماعیل پاشا کے عہد سے مغرب کو آئیڈیل بنانے کی تحریک شروع ہوئی، اسماعیل پاشا کا مقصد مصر کو یورپ کا ایک ٹکڑا بنانا تھا، ۱۸۶۷ء میں پیرس میں نپولین سوم کی دعوت پر عثمانی سلطان عبدالعزیز اور اسماعیل پاشا کی ملاقات ہوئی، اور یہ دونوں اس وقت مغربی تہذیب کے رخ پر چل رہے تھے، اس کے بعد رفاعہ بک طہطاوی کو پیرس بھیجا گیا اور وہ وہاں پانچ سال رہے (۱۸۲۶ء-۱۸۳۱ء) اور خیر الدین تونسی کو بھی بھیجا گیا جو وہاں چار سال رہے (۱۸۵۲ء-۱۸۵۶ء) دونوں نے وہاں سے واپس آنے کے بعد سیکولر (نامذہبی) اور عقلانی بنیاد پر سماج کی تشکیل کی دعوت دی۔

۱۸۳۰ء میں یورپ سے پڑھ کر آنے والوں نے وولٹیر Voltaire (۱۶۹۴ء - ۱۷۷۸ء) روسو Rousseau (۱۷۱۲ء-۱۷۷۸ء)، مونٹسکیو Montesquieu (۱۶۸۹ء- ۱۷۵۵ء) اور دیگر یورپی اصحاب علم وادب کی کتابوں کا ترجمہ شروع کیا، ان کا مقصد خالص یورپی فکر کو عام کرنا تھا جو دین ومذہب کی مخالف ہے اور یہ نامذہبی رجحان اٹھارویں صدی عیسوی میں معرض وجود میں آیا۔ اس فکر نے اسلامی ممالک میں بھی ایک نیا فکری انتشار اور اخلاقی انارکی پیدا کردی، قومی شخصیت وکردار کو کمزور کردیا اور یہاں غیر ضروری طور پر افکار واقدار اور مکاتب فکر کی ایک نئی کشمکش پیدا ہوگئی۔

لارڈ کرومر نے اسکندریہ میں انگریزی ماحول میں حکام، اعیان اور لیڈروں کے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ''وکٹوریا کالج'' قائم کیا، تاکہ یہ مستقبل میں مصر میں مغربی تہذیب کے علم بردار ہوں۔ ۱۹۳۶ء میں لارڈ لوئیڈ Lord Loyd نے جب اس کالج کا افتتاح کیا تو کہا تھا کہ ''تھوڑے ہی وقت میں انگریز معلمین کی صحبت سے یہ بچے برطانوی نقطہ نظر کے شیدا اور حامل ہوجائیں گے۔

سب سے پہلے شام کے عیسائیوں نے مشنری وفود اور عیسائی مبلغین کا استقبال کیا، اور

فرنچ اور انگریزی کلچر کو اختیار کیا اور لادینیت کو فروغ دیا، اس لیے کہ یہ اندر سے سلطنت عثمانیہ کے خلاف تھے، چنانچہ ان مغرب زدہ افراد نے مغربی تہذیب کو پورے طور پر قبول کر لینے، اس تہذیب وتمدن کو اپنے لیے ایک اعلیٰ اور مثالی نمونہ تصور کرنے کی علانیہ دعوت دی، ان کے اخبارات سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

عالم عربی واسلامی خصوصاً شام، ترکی اور مصر میں جن مفکرین، ادبا اور اہل فکر وقلم نے مغربی معاشرہ اور تہذیب کی ہو بہو تصویر بن جانے اور اپنے دینی عقائد واسلامی افکار واقدار سے دست بردار ہونے اور یورپ کے طریقہ پر چلنے کی دعوت دی وہ درج ذیل ہیں:

ناصیف یازجی (۱۸۰۰ء-۱۸۷۱ء) ابراہیم یازجی (۱۸۴۷ء-۱۹۰۶ء) پطرس بستانی (۱۸۱۹ء-۱۸۸۳ء) جرجی زیدان (۱۸۶۱ء-۱۹۱۴ء) سلیم نقاش، جمال الدین افغانی (۱۸۳۸ء-۱۸۹۷ء) محمد عبدہ (۱۸۴۹ء-۱۹۰۵ء) مسٹر بلنٹ، قاسم امین (۱۸۶۵ء-۱۹۰۸ء) سعد زغلول، احمد لطفی السید (۱۸۷۲ء-۱۹۶۳ء) طہ حسین (۱۸۸۹ء-۱۹۷۳ء) علی عبدالرزاق، محمود عزمی، منصور فہمی (۱۸۸۶ء-۱۹۵۹ء) اسماعیل مظہر، زکی مبارک، محمد حسین ہیکل (۱۸۸۸ء-۱۹۵۶ء) امین الخولی، شبلی شمیل (۱۸۶۰ء-۱۹۱۷ء)۔

۱۹۰۸ء میں انجمن نوجوان ترقی واتحاد کے غلبہ اور سلطان عبدالحمید کے زوال کے بعد تجدد اور مغربیت کی تحریک نے زور پکڑا، پھر ۱۹۲۴ء میں مصطفیٰ کمال اتاترک نے خلافت عثمانیہ کو ختم کردیا۔ اس کے بعد ترکی جدید نامذہبی رجحان میں بہہ گیا، اور اس تحریک نے اپنی پوری توجہ ترکی پر مرکوز کردی، مصطفیٰ کمال اتاترک کو ترکی زندگی سے اسلامی وعربی عنصر کو دور کرنے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی، اور ایک وقت آیا کہ اذان، مساجد، قرآن مجید اور عربی زبان پر پابندی عائد کردی گئی اور ترکی ایک سیکولر (نامذہبی) اسٹیٹ میں تبدیل ہوگیا، یہی صورت حال مصر، شام، الجزائر، لیبیا اور تونس کے ساتھ پیش آئی۔

مغربیت کے افکار

۱۔ انگریز مستشرق گب H.A.R.Gibb اپنی کتاب "Whither Islam? "إلى أين

یتجه الإسلام؟'' میں رقمطراز ہے کہ عالم اسلام میں تجدد اور مغرب زدگی کے اہم مقاصد میں یہ ہے کہ قدیم تہذیبوں کے احیاء پر توجہ اور دلچسپی کو فروغ دیا جائے، اس نے اپنی اس کتاب میں اعلان کیا ہے کہ اس کا مقصد مشرق میں مغربیت کی رفتار و ترقی کا جائزہ لینا اور ان عوامل کا پتہ لگانا ہے جو اس تحریک کے راستے میں حائل ہوں۔

۲۔ لارڈ اللنبی Edmund Henry Hynman Allenby (۱۸۶۱ء-۱۹۳۶ء) نے ۱۹۱۸ء میں قدس میں داخلہ کے وقت اعلان کیا تھا کہ اب صلیبی جنگوں کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

۳۔ لارنس براؤن کہتا ہے کہ حقیقی خطرہ اسلامی نظام سے ہے اور اس میں ہے کہ اسلام پھیلنے، دوسروں کو تابع بنانے اور زندہ و باقی رہنے کی بھرپور صلاحیت کا حامل ہے اور تنہا اسلام ہی مغربی سامراج کے راستہ میں روڑا ہے۔

۴۔ عالم اسلام کو مغرب کے رنگ میں رنگنے کی دعوت۔

۵۔ ایسی نئی ترقی یافتہ اسلامی فکر پیدا کی جائے جو اسلامی تشخص کی امتیازی چھاپ کو مٹانے کے لیے مغربی عادات واطوار کو جواز فراہم کرے تا کہ مغرب اور عالم اسلام میں ایسے روابط پیدا ہوں جو مغرب کے مفادات کی خدمت وحفاظت کریں۔

۶۔ وطنیت، قدیم تاریخ کے مطالعہ اور آزادی کی دعوت دی جائے کہ یہ کسی بھی قوم کی بیداری کی بنیاد ہیں، اسی کے ساتھ مغرب کے اقتصادی نظام کو پسندیدہ بنا کر پیش کیا جائے، نیز تعدد ازدواج، طلاق اور مرد و زن کے محدود اختلاط کے بارے میں اسلام کے موقف کو اتنی کثرت سے دوہرایا جائے کہ ذہنوں میں نفرت پیدا ہو جائے۔

۷۔ انسانیت اور عالم گیری کے نظریہ کو رواج دینا جس کے واضعین کا دعوی یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تمام انسانوں کو ایک مذہب پر جمع کر کے مذہبی اور نسلی اختلافات و امتیازات کو ختم کیا جا سکتا ہے تا کہ دنیا میں امن قائم ہو اور ساری دنیا ایک وطن بن جائے جس میں ایک مذہب ہو، ایک زبان ہو اور ایک مشترک تہذیب ہو، اس سب کا مقصد اسلامی فکر کو ختم کر کے مسلمانوں کو عالمی طاقتوں کے تابع بنانا ہے۔

۸۔ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے ان میں قومیت، علاقائیت اور وطنیت کو فروغ دینا، یہ نظریات یورپ کی پیداوار ہیں جو انیسویں صدی عیسوی میں عربوں، ایرانیوں، انڈونیشیوں اور ہندوستانیوں میں منتقل ہوئے۔

۹۔ مسلمانوں کی ان شخصیات کا تعارف کرانا جن کے افکار و خیالات، نظریات و عقائد اور اخلاق اسلام مخالف ہوں۔

۱۰۔ مسلمانوں کے گمراہ فرقوں، تنظیموں اور تحریکوں کا تعارف کرانا جیسے قادیانیت، بہائیت، شعوبیت، فرعونیت، فینیقیت، بربریت، وغیرہ۔

۱۱۔ تخریبی نظریات کو فروغ دینا جیسے: فرائڈ کا نظریہ، ڈارون کا نظریہ، اشتراکیت، وجودیت، سیکولرازم، وطنیت، مذہب اور معاشرت میں تفریق، مذہب کی توہین، قرآن کو نشانہ بنانا، اسلامی تعلیمات واقدار میں شک پیدا کرنا، قومی اور اسلامی شناخت سے دست برداری کی دعوت دینا، جہاد سے نفرت پیدا کرنا اور مسلمانوں کے ذہن میں یہ بٹھانا کہ ان کی پسماندگی کا ذمہ دار صرف اور صرف اسلام ہے۔

تجدد اور مغربیت کی فکری جڑیں

معرکہ حطین میں صلیبی حملہ بری طرح ناکام ہوا، عثمانیوں نے ۱۴۵۳ء میں بیزنطینی سلطنت کے پائے تخت اور عیسائیوں کے مقدس شہر قسطنطنیہ کو فتح کرلیا، اور اس کو اپنا دار السلطنت بنالیا اور اس کا نام اسلامبول (اسلام کا گھر) رکھا، اسی طرح ترک عثمانیوں کی فوجیں یورپ میں گھستی چلی گئیں اور ۱۵۲۹ء میں ویانا پر حملہ کردیا، یہ رعب و دبدبہ اور تسلط ۱۶۸۳ء تک قائم رہا، اس سے پہلے مسلمان اندلس (اسپین) کو فتح کر کے اس کو اموی خلافت کا پایہ تخت بنا چکے تھے، یہ تمام باتیں مغربیت کی تحریک کی محرکات تھیں، اور عیسائی مشنری اس کا بازو ہے، تاکہ عالم اسلام کو اندر سے توڑا جاسکے، تجدد اور مغرب زدگی کی تحریک ایک ہی وقت میں نصرانی بھی ہے، صہیونی بھی اور سامراجی بھی، اور ان سب کے اتحاد کا مقصد عالم اسلام کو مغربی رنگ میں رنگنا ہے تاکہ اسلامی شناخت اور تشخص کی ممتاز چھاپ کو مٹایا جاسکے۔

تجدد اور مغرب زدگی کے اثرات

اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں ایسے افراد وجود میں آئیں جن کے نام تو اسلامی ہوں؛ لیکن ان کے افکار و خیالات اسلام مخالف ہوں، لہٰذا مغرب میں تعلیم پانے والے اکثر عرب نوجوان مغرب کے نقیب اور وکیل بن کر واپس ہوئے اور مغرب کی تقلید اور اس کے تصورات واقدار کے پرجوش داعی بن گئے، لارڈ کرومر Lord Cromer نے اس طبقہ کی اعتقادی، ذہنی اور اخلاقی کیفیت کی تصویر کشی کی ہے جس نے مغرب کے علمی گہواروں میں تعلیم حاصل کی تھی اور مغرب کے فلسفۂ حیات اور اس کے تمدن کا رسیا تھا، کرومر نے بڑی خوبی کے ساتھ دکھایا ہے کہ مغربی تعلیم کی چکی میں پس کر کس طرح ایک ایسی نئی مخلوق پیدا ہوئی ہے جو نہ پورے طور پر مسلمان ہے نہ مغربی۔

ان افراد کی مغرب زدگی، اسلامی معاشرہ میں ان کی حیثیت، ان کی حیرانی و سرگردانی اور اسلام کے شجرہ حیات سے ان کی بے تعلقی کس حد تک پہنچ گئی تھی، اس کا اندازہ بھی لارڈ کرومر کے بیان سے لگایا جا سکتا ہے، کرومر کہتا ہے کہ:۔

”مصری معاشرہ تیزی کے ساتھ تغیر پذیر ہے، جس کا فطری نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ایسے افراد کی جماعت پیدا ہو گئی ہے جو مسلمان ہیں تو اسلامی تہذیب سے عاری، اور اگر یورپی ہیں تو کمر شکستہ (یعنی کمزور) اور یورپی صفات سے بھی معری، یورپ کا اثر یافتہ مصری بسا اوقات برائے نام تو مسلمان رہتا ہے؛ لیکن فی الحقیقت عموماً وہ منکر الٰہیات AGNOSTIC ہوتا ہے، اور اس کے اور الازہر کے ایک عالم کے درمیان اتنی ہی بڑی خلیج حائل ہوتی ہے جتنی کہ ایک عالم اور یورپی کے درمیان“۔

لارڈ کرومر کہتے ہیں:۔

”سچ تو یہ ہے کہ یورپ کی تعلیمی چکی سے گزر کر نوجوان اپنی اسلامیت یا کم از کم اس کا بہترین حصہ کھو ہی بیٹھتا ہے، وہ اپنے مذہبی عقائد کھو بیٹھتا ہے،

اس کو یہ یقین نہیں رہتا کہ میں ہمہ وقت اپنے خالق کے سامنے ہوں، جس کے سامنے کبھی نہ کبھی مجھے اپنے اعمال کا جوابدہ ہونا پڑے گا"۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: (Modern Egypt The Earl of Cromer, London, 1911.

اس تعلیم کے اثرات مصر کے ان ادبا اور اہل قلم کی تحریروں میں ظاہر ہوئے جنہوں نے مغربی تہذیب کو پورے طور پر قبول کر لینے، اور اس تہذیب و تمدن کو اپنے لیے ایک اعلیٰ اور مثالی نمونہ (آئیڈیل) تصور کرنے کی علانیہ دعوت دی، مصر پر مختلف اسباب کی بنا پر مغربی تہذیب کا رنگ روز بروز گہرا ہوتا جا رہا تھا، وہ برابر مغرب کی طرف بڑھ رہا تھا، قریب تھا کہ اس کا تعلیم یافتہ اور مرفہ الحال طبقہ مغربی معاشرہ اور تہذیب کی ہو بہو تصویر بن جائے، ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اس مغربی نظام زندگی کے اثرات اور اپنے ملک کی عجیب وغریب تصویر پیش کی ہے، وہ اپنی مشہور و مقبول کتاب "مستقبل الثقافة في مصر" میں کہتے ہیں۔

"ہماری مادی زندگی سوسائٹی کے اونچے طبقوں اور خاندانوں میں خالص مغربی ہے، دوسرے طبقوں میں (افراد اور جماعتوں کے معیار زندگی اور وسائل کے بقدر) وہ مغربی زندگی سے متاثر ہے، جن کا معیار زندگی بلند ہے اور ان کے پاس وسائل زیادہ ہیں وہ مغربی زندگی سے زیادہ متاثر و قریب ہیں، اور جن کے پاس اس کی کمی ہے وہ (مجبوراً) اس سے دور ہیں، اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک مصری کی دنیاوی اور مادی زندگی کے لیے اعلیٰ نمونہ (آئیڈیل) وہی ہے جو ایک مغربی کی مادی زندگی کا ہے"۔

"ہماری معنوی زندگی اپنے مظاہر کے اختلاف کے ساتھ خالص مغربی ہے، ہمارا نظام حکومت خالص مغربی ہے، ہم نے اس کو یورپ سے بغیر کسی تردد اور خلش کے جوں کا توں منتقل کیا ہے، اگر ہم اپنے کو اس معاملہ میں کچھ ملامت کر سکتے ہیں تو صرف یہ کہ ہم نے اہل یورپ سے ان نظاموں اور سیاسی زندگی کی شکلوں کو منتقل کرنے میں سستی اور تاخیر سے کام لیا"۔

"تعلیم کو دیکھیے تقریباً ایک صدی سے اس کا نظام کیا ہے اور وہ کس بنیاد

پر قائم ہے، خالص مغربی طرز پر، اس میں کسی شبہ اور اختلاف کی گنجائش نہیں، ہم اپنے پرائمری وسکنڈری اور اعلیٰ تعلیم کے مرحلوں میں اپنے بچوں کو خالص مغربی سانچے میں ڈھالتے ہیں، جس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہیں ہوتی''۔

ان سب باتوں کے اخیر میں وہ حسب ذیل نتیجہ اخذ کرتے ہیں:۔

''یہ سب باتیں اس بات کی علامت ہیں کہ ہم عصر حاضر میں یورپ سے ایسا قرب اور رابطہ چاہتے ہیں جو روز بروز بڑھتا رہے، یہاں تک ہم لفظ اور معنی، حقیقت اور شکل ہر اعتبار سے اس کا ایک حصہ بن جائیں''۔

''اس سے بڑھ کر بے عقلی اور سطحیت کی بات کوئی نہ ہوگی کہ مصر کو مشرق کا ایک حصہ اور مصری فکر کو ہندوستان یا چین کی طرح مشرقی فکر سمجھا جائے''۔

اس بنیاد پر ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصریوں کو مغربی تہذیب کو اپنانے اور اہل مغرب کے ساتھ ان کے نظامہائے زندگی، ان کی قدروں اور ذوق اور طریقہ فکر میں شریک ہونے اور حصہ لینے کی دعوت دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں:۔

''ہمیں اہل یورپ کے طریقہ پر چلنا چاہیئے اور ان کی سیرت وعادات اختیار کرنا چاہیے تاکہ ہم ان کے برابر ہوسکیں اور تہذیب کے خیر وشر، تلخ وشیریں، پسندیدہ وناپسندیدہ ہر چیز میں ان کے رفیق کار اور شریک حال ہوسکیں''۔

''ہم ایک یورپین کو باور کرادیں کہ اشیاء کو ہم اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے ایک یورپین دیکھتا ہے، ان کی وہی قدر وقیمت ہماری نظر میں ہے جو اس کی نظر میں ہے، ان کے متعلق وہی رائے قائم کرتے ہیں جو ایک مغربی کرتا ہے''۔ (مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص: ۱۴۰-۱۵۶)

مغربی سامراج نے مسلم ملکوں میں ایسا نظام تعلیم وتربیت جاری کیا جس کے تعلیم یافتہ افراد کا ذہن مسخ ہوجاتا ہے، دلوں میں مغرب کی مرعوبیت بیٹھ جاتی ہے، بلکہ مغربی تہذیب وتمدن کی تعظیم وتقدیس اور محبت رگ وریشہ میں سرایت کرجاتی ہے،

دوسری طرف اسلامی فکر، اسلامی تہذیب وتمدن سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے، سامراج نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے عالم اسلام میں تعلیمی مراکز قائم کیے اور عصری اور مادی تعلیم کی ہمت افزائی کی، دینی درسگاہوں اور دینی تعلیم کا مذاق اڑایا، علما اور دین داروں کا استہزاء کیا گیا، اور ان کو زندگی کے دھارے سے کاٹ دیا گیا، حتی کہ دینی درسگاہوں کو جہالت اور دہشت گردی کا اڈہ قرار دے دیا گیا، ضمیر فروش اور دین بیزار اہل قلم اور تجدد پسندوں نے دینی تعلیم اور دینی اداروں کے خلاف زبردست مہم چلائی، یہ نتیجہ ہے مغرب زدگی کا، مغربی نظام تعلیم کو اختیار کرنے کا، اس کا مقصد مسلمانوں کے اندر سے اپنے دین سے لگاؤ و تعلق کو کھرچ کر مغربی تہذیب کی بالادستی کو قائم کرنا تا کہ مسلمانوں میں دینی روح اور اسلامی اسپرٹ ختم ہو جائے، طٰہٰ حسین کے افکار ودعوت سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مغربی تہذیب کی پیروی کے نتائج

تجدد اور مغرب زدگی کی تحریک کا نتیجہ ہے کہ مسلم اقوام کی طاقتیں، صلاحیتیں، توانائیاں اور ترقی کے امکانات آپسی ٹکراؤ میں ضائع ہو رہے ہیں، جو اگر اچھی طرح استعمال کیے جاتے اور ان سے صحیح طور پر فائدہ اٹھایا جاتا اور قائدین نظری سے زیادہ حقیقت پسند ہوتے تو عجیب کارناموں کا ظہور ہوتا، اور آج عالم اسلام ایک فیصلہ کن بلاک ہوتا، اس کا بنیادی سبب قائدین وحکام کی کوتاہ نظری، مغرب کی اندھی تقلید اور اپنے ملک میں اس کو جوں کا توں نافذ کرنے کا عزم ہے، اور یہ نتیجہ ہے اس غیر ملکی ثقافت اور کلچر کا جس کو انہوں نے اپنے ملک سے باہر رہ کر حاصل کیا ہے یا خود اپنے ہی ملک میں اس کو اچھی طرح ہضم کیا ہے، اور اس کے سامنے سر تسلیم بالکل خم کر دیا ہے۔

اجتماع ومعاشرت اور سماجی زندگی میں مغربی طریقوں کی پیروی اور ان کے اصول زندگی اور طرز معاشرت کو قبول کر لینا اسلامی معاشرہ میں بڑے دوررس نتائج رکھتا ہے، اس وقت مغربی دنیا میں جو اخلاقی برائیاں اور امراض پائے جاتے ہیں، ان کا سبب جنسی

بے راہ روی اور اخلاقی انارکی ہے، جو بہیمیت اور حیوانیت کے حدود کو پار کر چکی ہے، مغربی تہذیب کی اندھی تقلید اور اس کی پر جوش نقل کی وجہ سے اسلامی ملکوں میں بھی یہی امراض پائے جاتے ہیں، آزادیٔ نسواں، بے پردگی، مخلوط تعلیم اور مرد وزن کے غیر محدود اختلاط کے نتیجہ میں اخلاقی انتشار، جنسی انارکی، سول میرج اور تمام اخلاقی و دینی حدود و اصول سے بغاوت پیدا ہوگئی ہے، دینی و اسلامی قدروں کا احترام رخصت ہوگیا ہے، اور اخلاقیات کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے، دوسری طرف مادہ پرستی اور اقتدار کی ہوس میں حکام اور عوام میں ٹکراؤ ہو رہا ہے اور انسانی حقوق پامال کیے جا رہے ہیں۔

تجدد اور مغرب زدگی کے اسباب میں کلیدی سبب مغرب کا نظام تعلیم ہے جو مذہب بیزاری، اخلاقی اقدار و روایات سے بغاوت، الحاد، نفس پرستی، زر پرستی، زن پرستی، قوم پرستی، سود، شراب، قمار، حبِّ جاہ اور جنسی تعلقات میں آزادی و بے قیدی کو معیوب نہ سمجھ کر نظر انداز کرنے کی تعلیم دیتا ہے، اسلامی ملکوں کے جتنے سربراہ اور رہنما ہیں وہ سب اسی مغربی نظام تعلیم کی پیداوار ہیں، ان میں سے متعدد اشخاص نے ملٹری کالجوں میں تعلیم پائی جہاں مغربی طرز کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام ہوتا ہے، اس بنا پر آج عالم اسلام میں دو ذہنوں، دو فلسفوں، دو معیاروں اور دو رخوں کے درمیان جو کشمکش برپا ہے اور جو عام طور پر منتج ہوتی ہے زیادہ طاقتور، مسلح، صاحب اقتدار و اختیار گروہ کی کامیابی پر، وہ بالکل قدرتی ہے۔

تجدد اور مغربیت کے داعیوں نے حکومت، سیاست اور معیشت پر بہت زور دیا ہے کہ یہی زندگی کے اہم پہلو ہیں، اس لیے انسان صرف انہی پر توجہ دے اور دین و اخلاق تو ثانوی چیزیں ہیں، ان کو اپنانے کی کوئی ضرورت نہیں، یہی مادی اور دین بیزار فکر عالم اسلام میں سرایت کر گئی ہے، اور دشمن اس کو عام کرنے میں کامیاب ہے، تعلیم، حکومت، سیاست اور معیشت کے نظام کو مغربیانے کا مقصد اسلام کو زندگی کی قیادت سے دور کرنا اور اسلامی شریعت کو معطل کرنا ہے، حالانکہ پر امن زندگی اور

انسان کی سعادت وخوشحالی اسی شریعت میں پنہاں ہے، دشمن مغربیت کے ذریعہ اس سرچشمہ کو خشک کرنا چاہتا ہے، اس اعتبار سے مغربیت اور تجدد کی تحریک خطرناک اور ملت اسلامیہ کے لیے بے انتہا ضرر رساں ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ حصوننا مهددة/ ڈاکٹر محمد محمد حسین، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۲ء۔

۲۔ العالم الإسلامي والمكائد الدولية خلال القرن الرابع عشر الهجري/ فتحي یکن، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۳ء۔

۳۔ الاتجاهات الوطنية في الأدب المعاصر/ ڈاکٹر محمد محمد حسین، دار الإرشاد، بیروت، ۱۹۷۰ء۔

۴۔ الإسلام والحضارة الغربية/ ڈاکٹر محمد محمد حسین، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۲ء۔

۵۔ شبهات التغريب في غزو الفكر الإسلامي/ انور جندی، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۷۸ء۔

۶۔ يقظة الفكر العربي/ انور جندی، مطبعہ زہران، قاہرہ، ۱۹۷۲ء۔

۷۔ تحرير المرأة/ قاسم امین، روز الیوسف، ۱۹۴۱ء۔

۸۔ زعماء الإصلاح في العصر الحديث/ ڈاکٹر احمد امین، مکتبہ نهضہ مصریہ، ۱۹۴۸ء۔

۹۔ تاريخ الدعوة إلى العامية وآثارها في مصر/ ڈاکٹر نفوسہ زکریا، دار الثقافہ، اسکندریہ، مصر، ۱۹۶۴ء۔

۱۰۔ حاضر العالم الإسلامي/ لوتھروپ اسٹوڈرڈ، ترجمہ: عجاج نویہض، وتعلیق: شکیب ارسلان، مصر، ۱۹۲۵ء۔

الغارة على العالم الإسلامي/ ال شاتیلہ، ترجمہ: مساعد الیافی ومحب الدین الخطیب، مصر، ۱۳۵۰ھ۔

۱۲۔ مستقبل الثقافة في مصر/ طہ حسین، مصر، ۱۹۴۴ء۔

۱۳۔ اليوم والغد/ سلامہ موسی، مصر، ۱۹۲۷ء۔

۱۴۔ إلى أين يتجه الإسلام؟/ گب، لبنان، ۱۹۳۲ء۔

۱۵۔ الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب المعاصرة/ الندوۃ العالمیۃ للشباب الاسلامی، ریاض، طبع دوم، ۱۹۸۹ء۔

۱۶۔ التبشير والاستعمار في الدول العربية/ ڈاکٹر مصطفیٰ خالدی وڈاکٹر عمر فروخ، طبع پنجم، ۱۹۷۳ء

۱۶۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش/ مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی، طبع چہار، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، ۱۹۹۵ء۔

۱۷۔ الغزو الفكري والتيارات المعادية للإسلام/ ڈاکٹر علی عبد الحلیم، جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ۱۳۹۶ھ۔

مغربی سامراج

مغربی سامراج کے محرکات مذہبی، تجارتی، سیاسی، ثقافتی اور تاریخی اسباب پر مشتمل ہیں، ڈاکٹر علی عبدالحلیم نے لکھا ہے کہ مغربی سامراج کا مطلب مشرقی یا مسلم ممالک پر کنٹرول حاصل کر کے یہاں کے باشندوں اور معدنیات و ذخائر پر قبضہ کرنا اوران کو سامراجی طاقتوں کے مفاد و مقاصد کے لیے استعمال کرنا ہے۔

مغربی سامراج کی تاریخ قدیم ہے، اس کا سلسلہ بھی صلیبی جنگوں کے پہلے حملہ سے شروع ہوتا ہے، صلیبی جنگ کا آغاز ۴۸۹ھ مطابق ۱۰۹۵ء روم کے پوپ اربن دوم کی قیادت میں ہوا، اور یہ سلسلہ ۱۲۹۲ء تک چلا، حالانکہ اس کے بعد بھی مغربی ممالک اس کی آگ بھڑکاتے رہے ہیں، جیسا کہ ۱۹۱۷ء میں بیت المقدس پر قبضہ کرتے وقت برطانوی کمانڈر آرمونڈ ہنری اللنبی نے کہا تھا کہ آج صلیبی جنگوں کا سلسلہ ختم ہوا، اوراس کارنامہ پر اللنبی کو فیلڈ مارشل کا خطاب دیا گیا۔

مغربی سامراج صلیبی جنگوں کا امتداد ہے، اس لیے کہ مغربی سامراج صلیبی جنگوں کے مقاصد کو بروئے کار لا رہا ہے، اس کا اعتراف خود مغربی مورخین اور اہل قلم نے کیا ہے، ”رچٹر“ Richter کہتا ہے کہ صلیبیوں نے مسلمانوں سے ارض مقدس کو چھیننے کے لیے دو صدیوں تک کوشش کی، اس اعتبار سے صلیبی جنگوں کا عہد قرون وسطیٰ کا بہترین عہد تھا، لیکن یہ کوشش ناکام ہوگئی اور صلیبی حملہ کو مسلمانوں کی طاقت و جانبازی کے سامنے واپس جانا پڑا۔

گارڈنر Gairdner کہتا ہے کہ صلیبی بیت المقدس کو مسلمانوں سے واپس لے کر عالم اسلام کے قلب میں مسیحی اسٹیٹ قائم کرنے میں ناکام رہے، صلیبی جنگوں کا مقصد

قدس کی بازیابی نہیں تھا؛ بلکہ اسلام کو ملیامیٹ کرنا تھا۔(التبشیر والاستعمار فی الدول العربیۃ / ڈاکٹر مصطفیٰ خالدی وعمر فروخ، ص:۱۱۵)

مغربی سامراج کے مقصد کو اس وصیت نامہ سے سمجھا جاسکتا ہے۔جس کو سامراج کی دستاویز کہا جاتا ہے، یہ وصیت نامہ ۱۵ / مارچ ۲ ۱۶۷ء کو جرمن مفکر لیبنز leibniz (۱۶۴۶ء۔۱۷۱۶ء) نے لوئی چاردہم (louisXIV) کو روانہ کیا تھا، اس وقت فرانس طاقتور ملک تھا اور جرمنی سے اس کی کشمکش تھی، جرمن مفکر نے ۱۶۷۲ء میں پیرس جاکر لوئی چاردہم کو جرمنی کے بجائے مصر پر حملہ کے فوائد سمجھائے۔

عظیم صحافی اور اسلامی دانشور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے لکھا ہے کہ اس وصیت نامہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یورپ نے علمی، ثقافتی اور ذہنی تسخیر کے ساتھ ساتھ فوجی غلبہ کے تصور اور عالم اسلام پر عملی قبضہ کو کبھی نظرانداز نہیں کیا، بلکہ اس کو اپنے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ سمجھا، اس وصیت نامہ میں تحریر ہے:

"میں آپ کی توجہ ایک پلان کی طرف متوجہ کرانا چاہتا ہوں، یہ مصر پر حملہ اور قبضہ کا پلان ہے، مصر کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جس پر قبضہ کرنے سے پورے عالم پر قبضہ کیا جاسکتا ہو، اور ساری دنیا کی تجارت اپنے قبضہ میں آسکتی ہو، یہ کثیر آبادی اور زرخیز زمین والا ملک ہے، جس کی مثال ملنا مشکل ہے، یہ قدیم زمانہ میں علم وتمدن کا مرکز رہا ہے، اور خدا کی نعمتوں کا حامل، لیکن اب یہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، جو ہمارے دشمن ہیں، یہ کیوں مسیحیت سے محروم رہے؟ یہ ایشیا اور افریقہ کے درمیان پل کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے ذریعہ ہم ایشیا اور افریقہ پر قبضہ کرسکتے ہیں، یہ بحر احمر Red Sea اور بحر ابیض Mediterranean Sea کے درمیان حائل ہے، پورے مشرق تک پہنچنے کا راستہ ہے، آپ کے لیے مصر پر قبضہ آسان ہے۔ قسطنطنیہ پر ترکوں کا قبضہ ہے، لیکن اگر مصر پر ہنگامی حملہ کیا جائے تو خلافت عثمانیہ کے لیے اس کی مدد کرنا مشکل ہے، اس کے علاوہ مصر وسیع ریگستانی علاقوں سے گھرا ہوا ہے"۔ (تعمیر حیات، ص:۱۳، ۲۵/ستمبر ۲۰۰۶ء)

لیبنز ہی نے نہر سوئز کا خیال پیش کیا، جس کی تکمیل بعد میں ۱۸۵۹ء۔۱۸۶۹ء میں فرانسیسی ماہرین کے ذریعہ ہوئی۔

عالمی تنظم ایسیسکو (ISESCO) کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر عبدالعزیز بن عثمان تویجری نے لکھا ہے کہ یورپی سامراج نے عالم اسلام پر قبضہ کرنا سولہویں صدی عیسوی سے شروع کیا، ہالینڈ نے ۱۵۵۲ء میں انڈونیشائی جزیروں پر قبضہ کیا، ہالینڈ کے لوگ تاجر کی حیثیت سے انڈونیشیا میں داخل ہوئے، اور سترہویں صدی میں اس پر ان کا قبضہ ہوگیا، یہ قبضہ ۱۹۴۵ء تک ساڑھے تین سو (۳۵۰) سال جاری رہا، ۱۶۰۲ء میں روس نے تتارستان کے دارالسلطنت قازان پر قبضہ کیا، اس کے بعد ۱۷۵۷ء میں برطانیہ کی فوجیں اور بحری بیڑے برصغیر میں داخل ہوئے، اور انگلینڈ نے ہندوستان پر قبضہ کیا جہاں اس وقت اسلامی حکومت قائم تھی، ہندوستان کا ساحلی علاقہ سولہویں صدی میں پرتگال کے قبضہ میں آگیا تھا، ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سترہویں صدی سے شروع ہوگئی تھی، اور انہوں نے تجارت، صنعت اور زراعت میں حصہ لیا اور تعلیمی ادارے کھولے، مغل حکمرانوں سے بڑی مراعات حاصل کیں اور باقی علاقے ترقی دینے کے نام سے حاصل کیے، اور اپنی فوجی طاقت منظم کرتے رہے، آخر میں ۱۸۵۷ء میں پورے ملک پر ان کا قبضہ ہوگیا، ہندوستان میں برطانوی سامراج ایک سو نوے سال باقی رہا، اور ۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوگیا۔

فرانس نے نپولین بوناپارٹ کی قیادت میں مصر پر اٹھارویں صدی کے آخر میں (۱۷۹۸ء) قبضہ کیا، اور یہ قبضہ تین سال جاری رہا، فرانس کے قبضہ سے مصر اور مشرق وسطی یورپ کے زیر اثر آگیا، فوجی لحاظ سے نپولین کو مصر سے نکلنا پڑا، لیکن اس مختصر قبضہ کے دوران وہاں جو ذہنی تبدیلی آئی، اس کے اثرات باقی رہے، ۱۸۳۰ء میں فرانس نے الجزائر پر قبضہ کیا اور یہ قبضہ ۱۹۶۲ء تک ۱۳۲/سال باقی رہا، اس کے بعد ۱۸۸۲ء میں برطانیہ نے مصر پر قبضہ کرلیا جو ۱۹۲۳ء تک باقی رہا، مصری حکومت نے بعض داخلی مسائل کی وجہ سے برطانیہ سے مدد مانگی تھی، جس کے نتیجہ میں مصر پر برطانیہ کا عملی کنٹرول ہوگیا، اور مصر کا سیاسی اور

تعلیمی نظام برطانیہ کے قبضہ میں آگیا، اور دینی اور قومی تحریکوں کو کچلنے کا کام انجام پایا، ۱۸۸۱ء میں فرانس نے تونس پر قبضہ کیا اور اسی سال برطانیہ نے قبرص پر قبضہ کیا، ۱۸۲۹ء میں برطانیہ نے جنوبی یمن پر قبضہ کیا جو ۱۹۶۷ء تک باقی رہا، ۱۸۵۷ء میں فرانس نے سینیگال پر قبضہ کیا اور ۱۹۶۰ء تک قابض رہا، ۱۹۰۳ء میں برطانیہ نے نائجیریا پر قبضہ کیا۔

۱۸۸۴ء میں اسپین نے مغرب اقصی کے جنوبی صحرا پر قبضہ کیا، اور اس کا نام اسپینی صحرا رکھا، ۱۹۷۶ء تک یہ قبضہ باقی رہا، ۱۹۱۲ء میں فرانس اور پھر اسی سال کے آخر میں اسپین نے مراکش پر قبضہ کرلیا، ۱۹۱۱ء میں برطانوی فوجوں نے لیبیا (بنغازی اور طرابلس) پر حملہ کردیا جس کے نتیجہ میں اٹلی اور عثمانیوں کے درمیان دو سال (۱۹۱۱ء-۱۹۱۲ء) تک جنگ جاری رہی، اس لیے کہ لیبیا اس وقت سلطنت عثمانیہ کا ایک حصہ تھا، دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء-۱۹۴۵ء) کے درمیان فرانس نے لیبیا کے فزان علاقہ پر قبضہ کرلیا اور انگلینڈ نے بنغازی اور طرابلس پر قبضہ کرلیا، اور فرانس اور انگلینڈ کا یہ قبضہ ۱۹۵۲ء تک جاری رہا۔

خلافت عثمانیہ کے آخر عہد میں اکثر علاقے برطانیہ اور فرانس کے قبضہ میں آگئے، ان کے وہاں علمی اور تجارتی مراکز اس قبضہ سے پہلے ہی قائم ہو چکے تھے، جنہوں نے مغربی سامراج کے لیے راستہ ہموار کیا اور مسلمانوں کی فکر وخیال اور طریقہ زندگی میں تبدیلی پیدا کردی اور اسلامی معاشرت مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگ گئی۔

انیسویں صدی عیسوی کے نصف سے یورپ نے سلطنت عثمانیہ پر قبضہ کرنے کا پلان بنایا، اس منصوبہ کی پلاننگ اور تنفیذ میں فرانس اور برطانیہ سب سے پیش پیش تھے، اس لیے کہ اس وقت یہی دونوں ملک سپر پاور تھے، پھر روس، جرمنی اور آخر میں امریکہ بھی اس سامراجی منصوبہ میں شریک ہوگئے، اس وقت ترکی کو "مرد بیمار" کہا جاتا تھا، لہذا اس منصوبہ کے مطابق یورپی ممالک نے روس کو پڑوسی اسلامی ممالک پر قبضہ کرنے کے لیے اکسایا اور روس نے قرم کے علاقہ پر حملہ کردیا، اور شمالی قفقاز پر قبضہ کرنے کے لیے طویل لڑائی لڑی، انیسویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں روس نے ایشیائے وسطی پر اپنا اثر ورسوخ مضبوط

کرلیا، چنانچہ اس نے ۱۸۲۸ء میں آذربائیجان پر قبضہ کرلیا تھا۔

انیسویں صدی کے اواخر میں عالم اسلام اور مغرب میں راست ٹکراؤ ایک بار پھر شروع ہوگیا، اور یورپی ممالک کی مدد سے روس نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف (۱۸۷۷ء- ۱۸۷۸ء) جنگ چھیڑ دی، پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء) کے درمیان سلطنت عثمانیہ کو شکست ہوئی اور اسے مئی ر ۱۹۱۶ء میں کیے گئے سائیکس پیکو معاہدہ (Sykes- Picot Agreement) کے تحت چھوٹے چھوٹے علاقوں میں تقسیم کردیا گیا، جو تھوڑے ہی دنوں میں مستقل ملک بن گئے، اس کے بعد فرانس اور برطانیہ نے سلطنت عثمانیہ کی تابع عربی ریاستوں: شام، لبنان، حیفا، اردن اور عراق پر قبضہ کرلیا، جو ۱۹۴۳ء تک جاری رہا، ۱۰ر جنوری ۱۹۲۰ء کو برطانیہ کے طاقتور حلیفوں کے اتفاق رائے سے فلسطین کو برطانوی مینڈیٹ (انتظام) میں دیدیا گیا اور پھر ستمبر ۱۹۲۲ء میں اقوام متحدہ نے بھی اس فیصلہ کی توثیق کردی، ۱۹۲۱ء میں شرق اردن کی امارت کی بنیاد پڑی جس کو مملکت اردنیہ ہاشمیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

فلسطین میں برطانیہ ۱۹۴۸ء تک قابض رہا اور ۱۵ر مئی ۱۹۴۸ء کو برطانیہ نے ۲ر۱۱ر۱۹۱۷ء کو کیے گئے معاہدہ بالفور Balfour کے مطابق فلسطین میں مملکت اسرائیل قائم کرادی اور وہاں کے اصل باشندوں کو ملک بدر کردیا گیا اور ان کی جائداد اور زمینوں پر قبضہ کرلیا گیا، حالانکہ اسرائیل کا قیام بین الاقوامی قانون کی صریح خلاف ورزی تھی اور آج بھی اسرائیل علانیہ بین الاقوامی قوانین کی دھجیاں اڑا رہا ہے اور پورے خطہ میں بدامنی اور انتشار کا سبب ہے۔ (بحوالہ: العالم الاسلامی والغرب، التحدیات والمستقبل، از: ڈاکٹر عبدالعزیز بن عثمان تویجری، ص: ۱۲-۱۴، دار الرشید لکھنؤ)

اس طرح پورا عالم اسلام بیسویں صدی عیسوی میں مغربی سامراج کے نرغہ میں آگیا، اس وقت سامراج کی قیادت امریکا کررہا ہے، جس نے ۲۰۰۱ء میں افغانستان پر سامراجی حملہ کیا، اور پھر ۲۰ر مارچ ۲۰۰۳ء کو اپنے اتحادیوں کی مدد سے عراق پر فوجی حملہ کیا اور دونوں ملکوں میں اپنے من پسند حکمراں مسلط کردیے اور دیگر ملکوں میں انقلابات اور

بغاوتوں کے ذریعہ موجودہ نظام کو بدل کر مغربی مفادات واغراض کی حفاظت وخدمت کرنے والے نظام کے قیام کی کوشش کررہا ہے جیسا کہ ۲۰۱۱ء میں تونس میں ہوا، ۲۰۱۲ء میں مصر اور لیبیا میں ہوا، اور ۲۰۱۲ء سے شام میں اس کی کوششیں جاری ہیں، اور عراق پر تیسری بار حملہ کرنے کا منصوبہ تیار کرلیا گیا ہے، اور داعش کے بہانے پٹرول والے علاقوں پر قبضہ کرنے کے لیے فضائی بمباری (ستمبر ۲۰۱۴ء) شروع کردی گئی۔

موجودہ دور میں سامراجیوں کی پوری توجہ عالم اسلام پر مرکوز ہے، اور دینی، تعلیمی، اقتصادی اور سیاسی مقاصد کی تکمیل کی راہ ہموار کی جارہی ہے اور اس علاقہ کو دوسرے علاقوں پر کنٹرول کا ذریعہ بنایا جارہا ہے، اس کا نام گلوبلائزیشن ہو، یا دہشت گردی کی بیخ کنی، یا اسلامی دہشت گردی ہو، یا جمہوریت کی بحالی، سب کے پیچھے مغربی سامراج کے توسیع پسندانہ عزائم کارفرما ہیں۔

مغربی سامراج نے مسلم ملکوں میں آخری درجہ کی تباہی مچائی ہے، اور اس کے لیے متعدد وسائل اور طریقے اختیار کیے، اس کے اہم وسائل میں عیسائی مشنریاں اور مستشرقین ہیں، جو سامراج کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

ڈاکٹر علی عبدالحلیم نے اپنی کتاب "الغزو الفكري والتيارات المعادية للإسلام" میں لکھا ہے کہ مغربی سامراج نے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے مشنریوں کی حفاظت کی اور ان کی تخریبی کارروائیوں پر پردہ ڈال دیا، مسلمانوں کی بڑی تعداد کو مسیحیت اختیار کرنے پر مجبور کیا، اسلام مخالف سرگرمیوں کو مدد فراہم کی اور کررہا ہے، عیسائی مشنریز اسلام، تاریخ اسلام، نبی اسلام، اسلامی عقائد، اسلامی شعائر اور دینی مقدسات کی جو توہین کرتے ہیں سامراج اس کی پشت پناہی کرتا ہے، سامراج نے اسلامی ملکوں میں انتشار، ٹکراؤ اور بدامنی اور عدم استحکام کے حالات پیدا کردیے، خاص طور پر جہاں ان کو یہ محسوس ہوا کہ مسلم طاقت ان کو چیلنج کرسکتی ہے، اور ان کا ہمنوا نظام کمزور پڑرہا ہے، وہاں بغاوت کرادی اور اسلام پسندوں کو کچل دیا، جیسا کہ ترکی، شام، عراق، ایران، یمن، انڈونیشیا،

تونس، الجزائر، سوڈان، صومالیہ اور مصر میں ہوا، مغربی سامراج نے کبھی بھی ان ملکوں میں سیاسی استحکام اور امن وامان قائم نہیں ہونے دیا، سامراج نے مسلمانوں کو اپنے ہی ملکوں میں بے بس کرادیا کہ وہ خود کو اجنبی محسوس کرتے ہیں اور غیر ملکیوں کو مختلف مراعات دلوا کر غالب کرادیا، جیسا کہ سوڈان اور انڈونیشیا میں ہوا، جب بھی مسلم ملکوں میں اسلامی بیداری آئی یا آزادی کی تحریک چلی اس کو اپنے ہی بھائیوں سے کچلوادیا، سامراج نے مسلمانوں کی زندگی اور معاشرت کو مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگ دیا، اور ان کو اپنا ہمنوا بنالیا، سامراج نے عالم عربی واسلامی میں قومیت، فرعونیت، وطنیت، فینیقیت، بربریت، بابلیت، جیسی تخریبی اور اسلام مخالف تحریکوں اور تنظیموں کی زبردست مدد کی، اسلام مخالف نظریات (جمہوریت، کمیونزم، اشتراکیت) اور تخریبی افکار ونظریات (وجودیت، انارکزم، قادیانیت، بہائیت، ماسونیت، روٹری) کو فروغ دیا، مغربی سامراج نے عالم اسلام میں ایسا نظام تعلیم نافذ کیا جس نے اس کے مقاصد کی تکمیل اور حفاظت کرنے والے افراد تیار کیے اور کر رہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مغربی سامراج مغرب کی فکری اور تہذیبی یلغار کا ایک موثر اور اہم ذریعہ ہے، جس نے صہیونیت، مشنری اور استشراق کے تعاون سے مسلمانوں کو زبردست نقصان پہنچایا ہے، اور پورے عالم عربی واسلامی کو اپنے زیر اثر کرلیا ہے، کہ یہاں کے حکام اپنے سامراجی آقاؤں کے اشاروں پر کام کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب کہیں بیداری کی لہر اٹھتی ہے یا اسلام پسند اقتدار میں آتے ہیں، تو انہیں فوراً بے دخل کر دیا جاتا ہے اور اسلامی اور دینی عنصر کو کچل دیا جاتا ہے، موجودہ عہد میں افغانستان، عراق، تونس، مصر، شام، الجزائر، ترکی اور لیبیا کے حالات وواقعات اس کی مثال ہیں۔

ڈاکٹر علی عبدالحلیم نے لکھا ہے کہ استشراق نے مشنری کے لیے راہ ہموار کی اور اس کا بیج مسلمانوں کی سرزمین میں بویا، عیسائی مشنری نے سامراج کے لیے راستہ ہموار کیا، اور استشراق کے ڈالے ہوئے بیج کی آبیاری کی، پودے کو سینچا اور پاسبانی کی، اور جب فصل تیار ہوگئی اور پھل پک گئے تو سامراج فصل کاٹنے اور پھل توڑنے کے لیے نکلا، اور

جس نے بھی مزاحمت کی اس کو ملیامیٹ کردیا، فصل کاٹنے کے بعد سامراج نے اپنے حلیفوں اور دوستوں کو تقسیم کردیا، اس لیے سامراج نے استشراق اور مشنری کی بھرپور مدد کی، ان کے لیے ہر ممکن وسائل اور آلات فراہم کیے، مسلم ملکوں میں تعلیمی وعلمی ادارے قائم کیے، کانفرنسیں منعقد کیں، رفاہی ادارے اور انسانی حقوق کی تنظیمیں قائم کیں، تاکہ اصل مقصد سے لوگوں کو غافل رکھا جاسکے، سامراج نے مسلم ملکوں کا استحصال ہی نہیں کیا؛ بلکہ ان کو تاراج کردیا، ان کے معدنیات اور قدرتی ذخائر لوٹ لیے اور ان کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ یا تو خانہ جنگیوں سے نڈھال ہیں، یا مغربی سامراج کے دست نگر بنے ہوئے ہیں، اور سامراج نے جو مسائل پیدا کردیے ہیں ان ہی میں الجھے ہوئے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ حصوننا مهددة/ڈاکٹر محمد محمد حسین، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۲ء۔

۲۔شبهات التغريب في غزو الفكر الإسلامي/انور جندی، المکتب الإسلامي، بیروت، ۱۹۷۸ء۔

الثقافہ، اسکندریہ، مصر، ۱۹۶۴ء۔

۳۔حاضر العالم الإسلامي/لوتھروپ اسٹوڈرڈ، ترجمہ: عجاج نویہض، وتعلیق: شکیب ارسلان، مصر، ۱۹۲۵ء۔

۴۔الغارة على العالم الإسلامي/ال شاتیلہ، ترجمہ: مساعد الیافی ومحب الدین الخطیب، مصر، ۱۳۵۰ھ۔

۵۔ التبشير والاستعمار في الدول العربية/ڈاکٹر مصطفیٰ خالدی وڈاکٹر عمر فروخ، طبع پنجم، ۱۹۷۳ء۔

۶۔ الغزو الفكري والتيارات المعادية للإسلام/ڈاکٹر علی عبد الحلیم، جامعہ الإمام محمد بن سعود الاسلامیہ، ۱۳۹۶ھ۔

۷۔العالم الاسلامی والغرب: التحديات والمستقبل/ڈاکٹر عبد العزیز بن عثمان تویجری، دار الرشید، لکھنؤ، طبع اول ۲۰۰۸ء۔

۸۔مسئلہ فلسطین سامراج اور عالم اسلام/مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، دار الرشید لکھنؤ، طبع دوم، ۲۰۱۲ء۔

۹۔الفكر الاسلامی الحديث وصلته بالاستعمار/محمد البہی، دار الفکر، بیروعت، ۱۹۷۳ء۔

۱۰۔التبشير والاستعمار/محمد عزت اسماعیل طہطاوی، مطابع امیریہ، قاہرہ، ۱۹۷۷ء۔

مغرب کا گمراہ کن پروپیگنڈہ

موجودہ دور میں اسلام اور مسلمان جس مرحلہ سے گزر رہے ہیں، پوری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، اسوقت اسلام اور مسلمانوں پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں، اسلام دشمن طاقتیں خصوصاً مغربی طاقتیں اپنے پورے لاؤلشکر کے ساتھ اسلام کو بیخ بن سے اکھاڑنے کے درپے ہیں، ایک ''مخصوص ٹولہ'' اسلام اور مسلمانوں کو امن عالم کے لیے خطرہ بنا کر پیش کر رہا ہے اور مسلمانوں کو خود اپنے دینِ اسلام سے برگشتہ و دور کرنے اور اس سے متنفر کرنے کی منصوبہ بند کوششیں جاری ہیں، مختلف مغربی و یورپی ملکوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ خاکے شائع کرنا اور اسلامی شعائر و مسلمات کا تمسخر واستہزاء اس کا واضح ثبوت ہے، مغربی ذرائع ابلاغ نے پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں سے خوف ونفرت عام کردی ہے۔ متشدد عیسائی قائدین اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مصر ہیں، ڈنمارک، ہالینڈ، آسٹریا اور دیگر مغربی ملکوں میں اہانت آمیز کارٹونوں کی بار بار اشاعت اور اہانت آمیز فلموں کی اشاعت اور نام نہاد دہشت گردی کے خاتمہ کے نام پر اسلامی ملکوں پر حملے اس بات کا صاف اور واضح اشارہ ہے کہ مغرب اسلام کو ختم کرنا چاہتا ہے، اور مغربی سامراج کلیسا کی مدد سے اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے پیش قدمی کر رہا ہے۔

ممتاز اور معروف صحافی اور کالم نگار جناب خشونت سنگھ نے کلکتہ کے انگریزی اخبار ''ٹیلی گراف'' میں ۱۶ فروری (۲۰۰۸ء) کے شمارہ میں ''مسیحائے عصر'' (A Messia for our time) کے عنوان سے لکھا ہے کہ عیسائی دنیا میں اسلام کے خلاف تعصب کا زہر اس وقت سے پھیلایا جانے لگا جب سے مشرق وسطی، شمالی افریقہ اور اسپین میں اسلام غالب

ہو گیا، عیسائی صلیب بردار جب اپنے ممالک میں اسلام کو کچلنے کے مشن میں ناکام ہو گئے تو اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ (علمی وثقافتی یلغار اور صحافتی پروپیگنڈہ) کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور کردارکشی کی مہم شروع کردی اور پھر (صہیونی لابی) کی مدد سے پوری دنیا میں دانستہ طور پر ''اسلاموفوبیا'' کا صور پھونکا جانے لگا، اسلام کے خلاف شور مچایا جانے لگا کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے، اخلاق سے نہیں جیسا کہ مسلمان سمجھتے ہیں''۔(۱)

ویٹی کن کے پاپائے اعظم بینیڈیکٹ (Benedict) سولہویں نے اپنے ایک خطاب میں عیسائی اور یورپین لیڈران کو تاکید کی کہ ''ہم تیسرا ہزارہ بغیر اسلام کے دیکھنا چاہتے ہیں''۔(۲)

امریکی نائب صدر ڈک چینی نے ''میری لینڈ'' ریاست میں امریکی بحری اکیڈمی میں ایک اعلیٰ سطح کی میٹنگ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''گزشتہ صدی میں ہم کو تین خطرات کا سامنا تھا، کمیونزم، نازی ازم اور اسلامی بنیاد پرستی، نازی ازم اور کمیونزم کا خطرہ ختم ہو چکا ہے، اب صرف اسلام کا خطرہ باقی ہے''۔(۳)

عراق پر امریکی حملہ کے وقت امریکی صدر مسٹر بش نے کہا تھا کہ ''یہ نئی صلیبی جنگ کا آغاز ہے''۔

چنانچہ اس وقت مغربی سامراج اور عیسائی مشنریاں دونوں بیک وقت عالم اسلام پر حملہ آور ہیں، عیسائی مشنریاں عالم اسلام کے تعلیم یافتہ طبقہ پر بھرپور توجہ کر رہی ہیں، کیونکہ اگر یہ طبقہ عیسائیت اختیار کر لیتا ہے تو اسلام کو زیادہ نقصان پہونچتا ہے، اٹلی میں ایک مصری صحافی مجدی علام نے جب نصرانیت اختیار کی تو پاپائے اعظم بینڈکٹ نے خود اٹلی جا کر اس کو نصرانی بنایا اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک مہم پر اس کو بھیج دیا۔ اس طرح اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، جو عربی اخبارات ومجلات میں آتی رہتی ہیں کہ بے دین مسلمان تعلیم یافتہ طبقہ کو نصرانیت میں داخل کر کے اسلام کے خلاف زہر افشانی کرائی جا رہی ہے، عالم اسلام کے مختلف ملکوں میں سرگرم عمل عیسائی مشنریوں کا اگر ایک سرسری جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سامراج اور کلیسا دونوں مل کر اسلام کو ختم کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔

دوسری طرف بعض قدیم صلیبی فکر کے حامل دانشور و مفکر یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اسلامی تہذیب وتمدن قدیم یونانی ومغربی تہذیب وتمدن سے ماخوذ ہے، موجودہ عہد میں اس نظریہ کا خالق ومبلغ برنارڈ لوئس مستشرق ہے، جسے شرق اوسط سے متعلق امور ومعاملات کا ماہر کہا جاتا ہے، یورپین ومغربی ملکوں میں ''اسلاموفوبیا'' (اسلام سے خوف) کی صورت حال پیدا کرنے میں اس کا کلیدی رول ہے، اس کا مقالہ بعنوان ''جذور الغضب الاسلامی'' ''تہذیبوں کا ٹکراؤ'' کے نظریہ کی اصل بنیاد ہے جسے بعد میں ہنگٹن اور فوکایاما نے اختیار کیا اور فروغ دیا، برنارڈ لوئس کہتا ہے کہ ''عالم عربی کے مسائل کا حل صرف یہ ہے کہ اس پر سامراجی قبضہ کرلیا جائے اور اس کی ابتدا عراق سے ہو'' بالفاظ دیگر عراق پر امریکی یلغار کا محرک برنارڈ لوئس کا یہی نظریہ تھا۔ یہودی مستشرقین ایمانویل سیوان (ولادت ۱۹۳۷ء) Emmanuel Sivan، دانیال پائپس (ولادت ۱۹۴۹ء) Daniel Pipes اور ناداو سافران (۱۹۲۵ء-۲۰۰۳ء) Nadav Safran نے بھی اس کا پروپیگنڈہ کیا ہے اور اپنی زہریلی تحریروں کے ذریعہ اس گمراہ کن نظریے کو پیش کیا ہے اس سے پہلے ڈاکٹر فلپ ہٹی نے بھی اس نظریے کو پُر زور ادّعائی انداز میں پیش کیا ہے۔

غالباً ۲۰۰۸ء میں امریکی فضائی اکیڈمی نے ''کولوراڈو Colorado'' میں ایک کانفرنس منعقد کی جس میں شرکاء کانفرنس نے کرۂ ارض پر بسنے والے تمام مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی پرزور سفارش کی اور اس کے لئے مختلف وممکنہ وسائل اختیار کرنے کی تاکید کی اور یہ رائے ان لوگوں نے پیش کی جو نئے نئے عیسائی ہوئے ہیں، ان میں قابل ذکر ولید شوبیاط، کمال سلیم اور زکریا عنانی ہیں، یہ تینوں مرتدین ان امریکی اداروں میں کام کر رہے ہیں جو صہیونی لابی کے زیر کنٹرول ہیں۔

چنانچہ مذکورہ بالا تجاویز وفیصلوں کے تناظر میں عیسائی مشنریاں عالم اسلام میں پھیل گئی ہیں۔

الجزائر میں تین سو کلیسا قائم ہو چکے ہیں اور عیسائی مبلغین نے تقریباً دس ہزار

جزائری باشندوں کو نصرانیت میں داخل کرلیا، بعض اعداد و شمار کے مطابق یومیہ ۶ نوجوان عیسائیت اختیار کر لیتے ہیں اور بعض علاقوں میں نصرانیوں کی اکثریت ہوگئی ہے، یہ عیسائی مشنریاں غریبوں اور آفت زدہ لوگوں کی امداد کے نام پر کام کر رہی ہیں اور ہر اس شخص کو ۷۰۰ امریکی ڈالر پیش کرتی ہیں جو ایک جزائری کو عیسائیت میں داخل کر لیتا ہے، اسی طرح مراکش میں عیسائی مشنریاں سرگرم عمل ہیں اور مختلف وسائل سے مسلمانوں کو دین اسلام سے بے دخل کر رہی ہیں، تازہ اعداد و شمار کے مطابق مراکش میں ۸۰۰ عیسائی مبلغین ہیں، ۵۰ کلیسا ہیں اور انٹرنیٹ پر ۶۳۰ ویب سائٹ ہیں، عیسائی مشنریاں نصرانیت کی تبلیغ کے ساتھ صہیونی لابی کے لئے جاسوسی کا بھی کام کرتی ہیں۔ (۴)

مصر میں عیسائی مشنریاں خاصی سرگرم ہیں اور دھیرے دھیرے ان کا دائرۂ کار وسیع ہوتا جا رہا ہے، ڈاکٹر زغلول نجار اور ابو السلام احمد عبداللہ نے اپنے انٹرویوز میں حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں کہ عیسائی مبلغین ملک کے اطراف میں تیزی سے قدم جما رہے ہیں اور نصرانیت کی تبلیغ واشاعت کر رہے ہیں اور آٹھ عیسائی مشنریاں مصر میں زیادہ سرگرم عمل ہیں۔

ویٹی کن نے تیونس میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے پچاس ملین ڈالر مختص کئے ہیں، کیتھولک چرچ کے ماتحت ۸ کلیسا، ۱۶ اسکول اور متعدد سنٹر اور پبلک لائبریریاں ہیں، جو عیسائیت کو فروغ دینے کا کام کر رہی ہیں، حالیہ سالوں میں تقریباً ۵۰۰ مسلمانوں نے عیسائیت اختیار کرلی، اسی طرح اردن میں امریکا و برطانیہ کی متعدد (کیتھولک و پرٹسٹنٹ) عیسائی مشنریاں نصرانیت کی تبلیغ کر رہی ہیں۔

عراق میں مصر سے زائد عیسائی مشنریاں سرگرم عمل ہیں اور امریکی سامراج ان کو مکمل اور بھرپور حمایت وتعاون بہم پہونچا رہا ہے، یہ ساری مشنریاں ایک مرکزی مشنری IRCO کے ماتحت ہیں، مسلم علاقوں میں کثرت سے انجیل تقسیم کی جا رہی ہے اور مختلف وسائل سے مسلمانوں کو پھسلا کر عیسائیت میں داخل کیا جا رہا ہے، عیسائی پوپ اور پادریوں

نے امریکی حکام بلکہ مغربی قائدین کے ذہن میں بٹھادیا ہے کہ عراق عالم اسلام کو عیسائی بنانے کا نقطہ آغاز ہے، اسی وجہ سے بڑی تعداد میں عیسائی پوپ، پادری، کاہن اور متشدد مذہبی عیسائی عراق میں گشت کررہے ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں امریکہ میں عیسائی وصہیونی رجحان کا مبلغ فرینکلن گراہم (ولادت ۱۹۵۲ء) Franklin Graham نے کہا تھا کہ "اگر کسی خطۂ ارض کو مقدس عیسائی سرزمین میں داخل کرنا ممکن ہے تو وہ عراق کی سرزمین ہے، اس کے لئے ہم کو اپنی عبادتوں اور دعاؤں میں اس کی دعا کرنی چاہئے" گویا تقریباً ۲۳ رسال بعد اس کی بات صحیح ثابت ہورہی ہے۔

فرینکلن گراہم جیسے بڑے بڑے پادری عراق میں عیسائی مشنریوں کی کامیابی کے لیے بڑے پیمانے پر چندہ جمع کررہے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہرافشانی کرکے عیسائیوں کے جذبات بھڑکاتے ہیں، فرینکلن گراہم نے کہاہے کہ "اسلام ایک شیطانی مذہب ہے اس کو ختم کرنا ضروری ہے"، اس سے پہلے جیری وینس (ولادت: ۱۹۳۷ء) Jerry Vines نے کہا تھا کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بڑے خونخوار اور خون کے پیاسے تھے" ان جیسے سیکڑوں زہریلے بیانات کے ذریعہ عیسائی پادری اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت وعداوت پیدا کررہے ہیں اور یورپ کی بڑی بڑی عیسائی تنظیمیں ساری توجہ عراق پر مرکوز کررہی ہیں۔

چنانچہ عراق پر امریکی وصہیونی قبضہ (۲۰ مارچ ۲۰۰۳ء) کے نوسال ہوچکے ہیں، اس سامراجی قبضہ کے دوران دس لاکھ عراقی شہید ہوئے، ساٹھ لاکھ عراقی بچے یتیم ہوئے ہیں جب کہ ساٹھ لاکھ عراقیوں کو مستقل اپاہج کردیا گیا ہے، مسلم علماء ودانشوروں کا (اسرائیلی خفیہ تنظیم موساد اور امریکی خفیہ تنظیم سی آئی اے کی مدد سے) صفایا کردیا گیا، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ اور دیگر عیسائی فرقے عراق میں مسلمانوں کو خوراک کے بدلے مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کررہے ہیں، مغربی سامراج نے عراق کو عالم اسلام کے خلاف عیسائی پیغام پہونچانے کے لئے ایک اڈے کے طور پر کام لینا شروع کردیا ہے، عراق میں بائبل پچاس

سینٹ (پچاس امریکی پیسے) کی ملتی ہے، جب کہ قرآن کریم کا نسخہ لینے جائیں تو اس کا ہدیہ چالیس ڈالر ہے، امریکی پروٹسٹنٹ کلیسا سے تعلق رکھنے والے ایک پادری کا کہنا ہے کہ ’’ہمیں معلوم ہے کہ عراقی بچے بھوک سے مر رہے ہیں، مگر اب بھی خوراک سے زیادہ ان کے لئے یسوع کا پیغام سننا زیادہ ضروری ہے‘‘ اسی طرح ایک اور عیسائی مشنری تنظیم ڈیوائن کا کہنا ہے کہ ’’انجیلی عیسائیت کی تحریک کو سب سے زیادہ کام کرنے کا موقع عراق میں ملا ہے، اس لئے یہ جنگ عیسائیت کی تبلیغ کے لئے کسی نعمت سے کم نہیں‘‘۔ (۵)

نصرانیت اور مغربی تمدن کا اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوگا کہ انسان کی محرومی، فقر وفاقہ، محتاجی اور مجبوری کو مخصوص تہذیب اور مخصوص مذہب کی تبلیغ کے لئے نعمت اور خوشگوار موقع سمجھا جائے !!!!

تصویر کا ایک رخ تو یہ ہے جو انتہائی ہولناک اور خطرناک ہے، لیکن تصویر کا دوسرا رخ بڑا خوش آئندہ اور ہمت افزا ہے، وہ خود یورپ میں عیسائیت کا گرتا ہوا گراف ہے اور اسلام کی بڑھتی ہوئی حیرت انگیز مقبولیت، امریکی رپورٹوں کے مطابق بڑی تعداد میں کلیسا ویران ہو گئے ہیں، اور فروخت کیے جا رہے ہیں کیونکہ ایک عیسائی بھی ان کا رخ نہیں کرتا، حتی کہ بعض دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والے دس بیس برسوں میں بعض علاقے خالص مسلمانوں کے علاقے ہو جائیں گے، کیونکہ نائن الیون کے بعد یورپ میں اسلام بہت تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے۔

ویٹی کن کے اخبار ’’اوسر واتوری رومانو‘‘ نے ویٹی کن کی سالانہ رپورٹ کے حوالہ سے انکشاف کیا ہے کہ کیتھولک عیسائیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، مانسنیو رویٹور یو وور مینٹی (ویٹی کن میں شعبۂ اشاعت کے ذمہ دار) نے ۲۰۰۸ء کے اعداد وشمار پر مشتمل ایک کتاب شائع کی ہے، جس میں انہوں نے انکشاف کیا ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کا تناسب ۱۹.۲ فیصد ہے جب کہ کیتھولک عیسائیوں کا تناسب ۱۷.۴ فیصد ہی ہے، مذکورہ بالا سروے کے مطابق دنیا کی آبادی میں نصرانیوں کی آبادی ۳۳ فیصد یعنی دو کروڑ ہے،

اور موجودہ وقت میں کیتھولک عیسائیوں کی تعداد (۱۰۱۳) ارب اور مسلمانوں کی آبادی تقریباً دو ارب ہے، دوسری طرف کیتھولک عیسائیوں کی آبادی میں نمو نہیں ہو رہا، جب کہ مسلمانوں کی آبادی روز افزوں ہے کیونکہ مسلمانوں میں انجاب و تولید کی صلاحیت زیادہ ہے۔(۶)

بلجیم میں مسلمانوں کی تعداد روز افزوں ہے، تازہ سروے کے مطابق آئندہ بیس سالوں میں بلجیم کی راجدھانی بروسلز میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی، کیونکہ عرب مہاجرین میں بلجیم کے اصلی باشندوں کے مقابلہ میں انجاب کی صلاحیت کئی گنا زیادہ ہے، دوسری دلیل یہ ہے کہ ۲۰۰۱ء کے بعد سے بروسلز میں بچوں کے ناموں میں ''محمد'' نام سب سے زیادہ پایا جاتا ہے، بلجیم کی مجموعی آبادی دس ملین ہے، اس میں مسلمانوں کی تعداد ۴۵۰ ہزار ہے۔(۷)

برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد ۵.۱ ملین سے ۸ء ۱ ملین کے درمیان ہے، ہالینڈ میں مسلمانوں کی تعدا ایک ملین کے قریب پہونچ گئی ہے۔

امریکی اخبار کرسچین سائنس مانیٹر Christian Science Monitor نے ایک رپورٹ شائع کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تقریباً نصف امریکی اپنے اصل مذہب عیسائیت کو چھوڑ کر دوسرے مذاہب اختیار کر رہے ہیں، ان میں اکثر کیتھولک چرچ کے ماننے والے ہیں، پروٹسٹنٹ عیسائی جو کہ امریکا کی شناخت ہیں، اقلیت میں آگئے ہیں۔(۸)

الفونسو بیرتھ آجونی Alfonso Berth Ajoni کی جائزہ رپورٹ کے مطابق جو قطر کے اخبار ''الرایۃ'' میں شائع ہوئی ہے اسپین کے نوجوانوں کی نصف تعداد ملحد ہے، ان کو کلیسا سے کوئی دلچسپی نہیں، اس کا صاف مطلب ہے کہ کیتھولک چرچ سے عیسائی دور ہو رہے ہیں، مذہبی رسومات پر عمل کرنے والوں کی تعداد صرف ۳۹ فیصد ہے۔(۹)

ڈنمارک میں کلیسا انتظامیہ نے دس کلیسا فروخت کر دیے ہیں کیونکہ ڈنمارک میں کلیسا آنے والوں کی تعداد ۸ فیصد ہے۔(۱۰)

یورپین ملکوں میں اسلام کی مقبولیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور جگہ جگہ پر اسلامک سنٹر اور مساجد قائم ہو رہی ہیں، بعض عالمی رپورٹیں یہاں تک پیشین گوئی کر رہی ہیں کہ آنے

والے چند برسوں میں بہت سے یورپین علاقے اور شہر مسلم آبادی میں منتقل ہو جائیں گے۔

فرانسیسی سروے کے مطابق فرانس میں ہر سال ۳۶۰۰ فرانسیسی اسلام قبول کرتے ہیں اور مسلمان سب سے زیادہ ملک کے قوانین کا لحاظ و پابندی کرتے ہیں اور مسلم حلقوں میں جرائم کا تناسب کم ہے اور مسلم نوجوان دیندار، سنجیدہ اور مہذب ہیں، فرانس میں اسلام کی مقبولیت میں نومسلموں کا اسلامی طرز عمل بڑا ممد و معاون ثابت ہو رہا ہے۔ (۱۱)

برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد ۲۰۰۸ء تک دوملین ہو چکی ہے، جب کہ برطانوی وزیر داخلہ جا کی سمتھ کی رپورٹ کے مطابق ۲۰۰۱ء میں مسلمانوں کی تعداد ۱.۶ ملین تھی، گویا کہ ۷ سال میں مسلمانوں کی تعداد میں چار لاکھ کا اضافہ ہوا، برطانوی اخبار گارجین کے مطابق برطانیہ میں عیسائیت کے بعد دوسرا نمبر اسلام کا ہے، برطانیہ کی مجموعی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب ۳ء۳ فیصد ہے۔ برطانیہ میں اسلام تیزی سے پھیلنے والا پہلا مذہب ہے۔ برطانوی اخبار ٹیلی گراف میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق ۲۰۲۰ء تک برطانیہ میں مساجد کلیساؤں کے مقابلہ میں زیادہ آباد ہونگی کیونکہ برطانیہ میں اسلام بہت تیزی سے پھیل رہا ہے۔ (۱۲)

ہالینڈ کی دو یونیورسٹیوں نے مسلم طلبہ کے نماز پڑھنے کے لیے جگہ خاص کر دی ہے اور نماز جمعہ کے لیے ایک گھنٹہ کا وقت دیا ہے۔ کناڈا کے ''اوتاوا سٹیزن'' اخبار کے مطابق کنیڈا کی سیکولر یونیورسٹی میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق معلومات چاہنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھتے ہوئے اسلامیات کا شعبہ قائم کیا گیا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کنیڈا میں اسلام کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے، کناڈا کی مجموعی آبادی ۳۲ء۸ ملین ہے، اس میں مسلمانوں کی تعداد ۵۰۷ ہزار ہے (۱۳)۔

اور روس کے شمالی صوبہ میں پہلی مسجد قائم ہو گئی ہے، اسی طرح جرمنی کی ایک عدالت نے ایک اسکول کو پابند کیا ہے کہ مسلم طلبہ کو اسکول میں نماز پنجگانہ ادا کرنے کا موقع فراہم کرے، اسی طرح جنوبی کوریا اور پیرس میں مسلمانوں نے دینی و اسلامی مدارس قائم

کرنے کی اجازت حاصل کرلی ہے۔ جنوبی کوریا میں مسلمانوں کی تعداد ۱۵۰ ہزار ہے، جب کہ مجموعی تعداد ۴۹ ملین ہے، اور فرانس میں اسلام دوسرا مذہب شمار کیا جاتا ہے۔ (۱۴)

شاید یورپی ملکوں میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت ہی یورپ کی بوکھلاہٹ، خوف وعداوت اور اسلام دشمنی کا سبب ہے، جس کی وجہ سے یورپ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر سطح پر محاذ آرائی پر تلا ہوا ہے۔

ہالینڈ میں متشدد عیسائی گیراٹ وائلڈرس Geerat wilders کی فلم ''فتنہ'' کا چونکا دینے والا ایک ردعمل یہ ہوا کہ ہالینڈ کی راجدھانی ایمسٹرڈم کے مکتبوں پر ہالینڈ کے شہریوں کی بھیڑ لگ گئی جو ہالینڈی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ، سی ڈی اور الکٹرانک کیسٹ کے طلب گار تھے، فلم کی اشاعت کے دو ہی دن بعد ہالینڈ کے تجارتی اداروں سے قرآن کریم کے نسخے ہاتھوں ہاتھ خرید لئے گئے اور اسٹاک ختم ہوگیا، ہالینڈ کے اخبارات نے ملک میں آباد مسلمانوں کے مثبت طرز عمل اپنانے پر خصوصی ستائشی مضامین شائع کیے اور تہنیتی پیغامات پیش کئے، ہالینڈ کے ایک اخبار ''ٹیلی گراف'' نے اپنے صفحات اس فلم پر رد عمل کے لئے پیش کئے جس کے باعث ہالینڈ کی مسجدوں سے قرآن کریم کے متعلق سوال جواب چھپنے لگے اور اسلام کے بارے میں معلومات ہونے لگیں، فلم کی اشاعت کے بعد ایک ہفتہ میں کئی ڈچ باشندوں نے اسلام قبول کیا، حالانکہ فلم فتنہ کا آخری پیغام ہے کہ یورپ میں لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکا جائے۔ ہالینڈ کے ''میر'' نامی علاقہ میں ڈچ نوجوانوں نے فلم ''فتنہ'' کے مشتملات کا جائزہ لینے کے لئے ایک ورکشاپ کا اہتمام کیا جس میں ایک نوجوان نے دورانِ پروگرام ہی اسلام قبول کرلیا۔ (۱۵)

امریکی چینل C.N.N کے مطابق دنیا میں سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب اسلام ہے، ایک دوسرے امریکی چینل N.B.C کی رپورٹ کے مطابق بیس ہزار امریکی سالانہ اسلام قبول کررہے ہیں، C.N.S نیوز چینل کے مطابق چند برسوں میں اسلام یورپ میں غالب آجائے گا، اور ۲۰۴۶ء تک جرمنی میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد دیگر مذاہب

سے بڑھ جائے گی، اسی طرح فرانس میں کلیسا کے مقابلہ میں مساجد کی تعمیر روزافزوں ہے، یہی صورت حال جرمنی کی ہے جہاں ۲۰۱۲ء میں چار ہزار جرمن باشندوں نے اسلام قبول کیا، برطانوی اخبار دی ہیرالڈ The Herald کے مطابق برطانوی شہر گلاسگو Glasgow میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے، اور یورپ میں ہزاروں افراد اسلام قبول کررہے ہیں، انڈیپنڈنٹ اخبار (۴/۱/۲۰۱۱ء) کی رپوٹ کے مطابق برطانیہ میں سالانہ اسلام قبول کرنے والوں کا تناسب پانچ ہزار ہے، اسی اخبار کی رپورٹ کی مطابق گزشتہ دس برسوں میں ایک لاکھ لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے، مساجد کی تعداد ۱۵۰۰ سو ہے، یورپ کے قلب پیرس، روم اور لندن میں مساجد کی تعداد کلیسا کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ہوگئی ہے، اور یورپ میں کتاب مقدس (انجیل) کے مقابلہ میں قرآن کریم کی مانگ روزافزوں ہے، اور مطالعۂ قرآن کی طرف رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے کہ مارکیٹوں میں قرآن کے نسخے دستیاب نہیں ہو پارہے ہیں، امریکہ میں سالانہ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد بیس ہزار ہے اور مساجد کی تعداد ۱۲۰۰ سو ہے، دوسری طرف مسلمانوں کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے جبکہ عیسائیوں کی آبادی گھٹ رہی ہے، برطانوی مجلّہ اکنامسٹ کی رپورٹ کے مطابق مغرب میں اسلام قبول کرنے والوں کا سالانہ تناسب ۵۲۰۰ ہے اور اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ایک لاکھ ہے۔

ویٹی کن کے حالیہ (۲۰۱۴ء) بیان کے مطابق پوری دنیا میں سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب اسلام ہے، اسلام مخالف مہم کے باوجود ایک سال میں مسلمانوں کی تعداد عیسائیوں کے مقابلہ میں تین ملین بڑھی ہے، ویٹی کن کے بیان کے مطابق دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب، تین ملین، بائیس ہزار سے زیادہ ہے جو عیسائیوں کے مقابلہ میں تین ملین زیادہ ہے، اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب انیس فیصد ہے جبکہ عیسائیوں کی آبادی سترہ فیصد ہے، اسلام قبول کرنے والوں میں زیادہ تر مغرب کے عیسائی، یہودی اور دیگر مذاہب کے ماننے والے ہیں۔ (۱۶)

اب مسلمان علماء، داعیوں، دانشوروں اور قلم کاروں کی ذمہ داری ہے کہ یورپی

ملکوں کی زبان واسلوب میں اسلامی تعلیمات ودین اسلام کی صحیح شکل پیش کر کے عملی طور پر نمونہ پیش کریں، ملاقات، مذاکرات، گفتگو، ڈائیلاگ اور ورکشاپ کے ذریعہ لوگوں کے ذہنوں سے اسلام کی غلط شبیہ کو دور کریں، جو ذرائع ابلاغ نے ان کے ذہنوں میں راسخ کردی ہے، کیونکہ یورپی باشندے بالکل سادہ ذہن ہوتے ہیں، جو سمجھایا جاتا ہے وہ اسے تسلیم کرلیتے ہیں، یہی وجہ ہے مغربی قائدین اور کلیسا اپنے اپنے مفادات کی خاطر یورپی اقوام کو بیوقوف بناتے رہتے ہیں۔

حوالہ جات:

(۱) راشٹریہ سہارا، لکھنؤ، ۱۶؍مارچ ۲۰۰۸ء۔

(۲)۔ مجلۃ ''المجتمع'' کویت، عدد: ۱۷۹۵۔

(۳)۔ مجلۃ ''المجتمع'' کویت، عدد: ۱۷۹۵۔

(۴)۔ مجلۃ ''المجتمع'' کویت، شمارہ نمبر ۱۷۸۸

(۵)۔ مجلۃ ''المجتمع'' کویت، شمارہ نمبر: ۱۷۹۵، ودعوت اخبار، دہلی، یکم مئی ۲۰۰۸ء۔

(۶)۔ مجلۃ ''المجتمع'' کویت، شمارہ نمبر: ۱۷۹۶۔

(۷)۔ مجلۃ ''المجتمع'' کویت، شمارہ نمبر: ۱۷۹۵۔

(۸) مجلۃ ''المجتمع'' کویت، شمارہ نمبر: ۱۷۹۲۔

(۹)۔ مجلۃ ''المجتمع'' کویت، شمارہ نمبر: ۱۷۹۵۔

(۱۰)۔ مجلۃ ''المجتمع'' کویت، شمارہ نمبر: ۱۷۹۶

(۱۱) مجلۃ ''المجتمع'' کویت، شمارہ نمبر: ۱۷۹۸۔

(۱۲)۔ مجلۃ ''المجتمع'' کویت، شمارہ نمبر: ۱۷۹۵۶ اوشمارہ ۱۷۹۸۔

(۱۳)۔ مجلۃ ''المجتمع'' کویت، شمارہ نمبر: ۱۷۹۲۔

(۱۴)۔ مجلۃ ''المجتمع'' کویت، شمارہ نمبر: ۱۷۹۴۔

(۱۵)۔ مجلۃ ''المجتمع'' کویت، شمارہ نمبر: ۱۷۹۶۔

(۱۶)۔ مجلۃ المجتمع، کویت، اپریل ۲۰۱۴ء۔

عالم اسلام پر مغربی تہذیب کے
اثرات و مضمرات

تہذیب جدید اور اس کے اثرات

اس عالم رنگ و بو میں انسان کی فکری یا مادی ترقی کو تہذیب (Civilization) کہا جاتا ہے، اس لحاظ سے تہذیب کا دائرہ ادبی، نظریاتی، عقلی، فلسفیانہ اور سائنسی تحقیقات سے لیکر ان تمام وسائل و ایجادات، برق و بخارات اور صنعتی ترقیوں تک پھیلا ہوا ہے جن کی مدد سے انسانی معاشرہ نے زندگی میں ترقی، مادی تنظیم اور اجتماعی خوشحالی کے نئے نئے آفاق و گوشے تلاش کر لیے ہیں، تہذیب کے اس وسیع مفہوم میں وہ نظریات و افکار اور نظامہائے زندگی بھی شامل ہیں جن سے سماج کے ڈھانچے کو مضبوط کیا جاتا ہے اور اس کے مقاصد کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔

تہذیب کا مقصد انسانی زندگی کے فکری، عقلی، مادی، عملی، معاشی، ذہنی، اخلاقی، انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں کو بہتری اور بلندی کی طرف لے جانا ہے، بہترین اور تعمیری تہذیب وہ ہے جو ان تمام پہلوؤں کو ایک تناسب کے ساتھ صحیح سمت پر لگائے اور سب کو بہتری اور خوبی عطا کرے۔

تہذیب اور ترقی کا پیمانہ مادی مصنوعات، مختلف علوم، سائنسی اکتشافات واختراعات، برقی تجلیات و ایجادات اور صنعتی انقلاب نہیں ہے، بلکہ تہذیب کا پیمانہ انسان کی بہتری اور ابتری ہے کہ وہ اس سے کتنا متاثر ہوا ہے، اس نے اس کو اخلاق و کردار کی آبیاری اور بہتر تشکیل میں استعمال کیا ہے یا فساد و بگاڑ میں، اس نے اپنی ان اعلیٰ انسانی خصوصیات کو جو اسے حیوان سے ممتاز کرتی ہیں، کہاں تک پروان چڑھا سکا ہے، اور انسان کی قدر و قیمت نئے نئے ترقی یافتہ وسائل کے حصول میں نہیں ہے؛ بلکہ اس کی قدر و قیمت یہ ہے کہ وہ ان

ترقی یافتہ وسائل سے اپنے احساسات وجذبات اور اپنے عقل وشعور کو صحیح خطوط پر تعمیر کرنے میں کہاں تک فائدہ اٹھاسکا ہے۔(۱)

کسی بھی انسانی معاشرہ کی صحیح خطوط پر تشکیل وتعمیر میں "قدریں" (Values) اہم رول ادا کرتی ہیں، معاشرہ اپنے ارتقائی منازل میں ضروری قدروں کو اپناتا اور غیر ضروری قدروں کو ترک کرتا جاتا ہے؛ لیکن کچھ بنیادی اور مشترک قدریں ایسی ہوتی ہیں جو ابتدائے آفرینش سے ہر معاشرہ میں اپنائی جاتی رہی ہیں اور ان کو اختیار کر کے ہی معاشرہ حقیقی ترقی کرتا ہے، اسی سے معاشرہ میں نظم واستحکام برقرار رہتا ہے اور یہی افراد کی فلاح و بہبود کا ضامن ہوتی ہیں۔

لیکن گزشتہ چند صدیوں سے مغربی تہذیب وتمدن کے غلبہ کی وجہ سے بنیادی اور اخلاقی قدریں یکسر بدل گئی ہیں؛ جس کے نتیجہ میں انسانی معاشرہ میں انتشار وانانیت، جنسی انارکی اور اخلاقی بے راہ روی پھیل گئی، اخلاقی قدروں کی ناقدری اور ان سے غفلت و بے توجہی برتتے ہوئے صرف جنس، پیٹ، مادی خوشحالی اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا، مادی دنیا سے بلند ہوکر دوسری دنیا کے بارے میں سوچنے اور جسمانی تقاضوں سے ہٹ کر روح کی ضروریات کا احساس وادراک ہی سلب ہوگیا، حق وصداقت، علم وفضل، بلند انسانی اقدار، انسان کی قدر وقیمت اور شرافت وغیرہ کا معیار سب کچھ تبدیل ہوگیا، دولت واقتدار ہی انسان کا پیمانہ بن گیا، حیوانیت ودرندگی کے مناظر عام ہوگئے، عریانیت وفحاشی، حرص وہوس، قتل وغارتگری، مکاری وخیانت، بے وفائی وبے ایمانی، رشوت خوری وسود خوری، لذت کوشی، شراب نوشی، کمسنی کے حمل، رشتہ ازدواج سے باہر ولادتیں اور جرائم وتشدد کا دور دورہ ہوگیا، سماج سے شرم وحیاء، عفت وپاکدامنی، امن وسلامتی، امانت داری ووفاداری اور رشتۂ ازدواج کا تقدس جیسی بنیادی اخلاقی قدریں عنقا ہوگئیں، انسان کی ساری سرگرمیوں اور صلاحیتوں کا مرکز ومحور ہی دنیا اور سامان دنیا بن گیا اور سامانِ دنیا سے محرومی کو اتنی بڑی محرومی سمجھا جانے لگا کہ اس کی وجہ سے انسانی معاشرہ میں ڈپریشن، مایوسی، زندگی سے بیزاری اور خودکشی کے رجحانات غالب ہوگئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جدید تہذیب وتمدن نے قافلہ انسانیت کو معاشی واجتماعی

ترقی کی راہ پر رواں دواں کر کے حیرت انگیز مرحلہ میں پہونچا دیا ہے، آج کا انسان صنعتی انقلاب کے دور میں داخل ہو چکا ہے، وہ عظیم علمی، سائنسی اور جدید ٹیکنالوجی قوتوں سے آراستہ ہو چکا ہے، ہر روز اپنے آفتابِ فکر کی شعاعوں سے مشکلات وضروریات زندگی کی تاریکیوں کو دور کر رہا ہے، کل کا انسان اپنی ناتوانی و بے مائیگی کی وجہ سے جن مشکلات سے دوچار تھا، صنعتی انقلاب وعلمی ترقی نے ان کا زیادہ تر حصہ ختم کر دیا ہے، کیونکہ علم ودانش کی ترقی نے انسان کی مشقت کا زیادہ تر بوجھ صنعتی مشینوں کے کندھے پر ڈال دیا ہے اور خود انسان ہلکا پھلکا ہو کر لذاتِ زندگی سے نفع اٹھا رہا ہے، اسی طرح عظیم وفوق العادۃ اکتشافات اور برق وبخارات کی ایجاد سے پہلے کشتیوں کا دارومدار ہواؤں کے رحم وکرم پر تھا، لیکن آج برق وبخار سے چلنے والی مشینوں کے فضل سے بحر اوقیانوس انسان کے زیر تصرف ہے، آج نقل وحمل، مواصلات اور سفر کے لیے چوپایوں کی ضرورت نہیں؛ بلکہ، بڑی بڑی بسیں، کاریں، تیز رفتار ٹرینیں اور کوہ پیکر ہوائی جہازوں نے اس مشکل کو آسان کر دیا ہے، دور دراز کا سفر گھنٹوں اور منٹوں میں انجام پانے لگا ہے، آج فکرِ بشر وسیع وعریض زمین ہی تک محدود نہیں رہی ہے؛ بلکہ آفاقِ زمین سے گزر کر تسخیر کرات میں مشغول ہے، آسمانوں کی بلندی اور دریاؤں کی گہرائی، فکرِ بشر کی جولان گاہ بن گئی ہے، اور جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی، سیٹلائٹ سسٹم اور جدید ترقی یافتہ ذرائع مواصلات کے طفیل میں حدود وثغور کے فاصلے مٹ گئے ہیں اور مسافتیں سمیٹ کر پوری دنیا ایک گاؤں میں سمٹ آئی ہے، اور گھر بیٹھے ساری ضروریات پوری ہو رہی ہیں، مختصر یہ کہ ترقی یافتہ مغربی دنیا نے انسانوں کو جن ایجادات ومصنوعات سے روشناس کرایا ہے، وہ چشم پوشی کے قابل نہیں ہیں، ان کا بہر حال اعتراف کرنا پڑے گا اور کوئی بھی شخص ان چیزوں کی اہمیت کا انکار نہیں کر سکتا۔

لیکن مغربی تہذیب وتمدن جہاں انسان کے لیے قیمتی تحائف لے کر آیا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ ایک ایسا مہلک و بے مہار نظام بھی لایا ہے، جو اپنے دامن میں ہزاروں ہولناک جرائم ومفاسد لیے ہوئے ہے، بے لگام خواہشاتِ نفس نے روح کے تار وپود بکھیر دیے ہیں، انسانوں سے آسائش فکری وروحانی اور اطمینان قلب چھین لیا ہے، مغربی

تہذیب وتمدن میں علم نے حیاتِ معنوی کے محیط میں کوئی چراغ روشن کرنے کے بجائے اس کی تیرگی وتاریکی کوکئی گناہ بڑھادیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب نے تہذیب وتمدن کا جو تصور دیا ہے اس کی بنیاد مادیت اور لادینیت ہے، جس میں روحانی واخلاقی قدروں کو یکسر فراموش کردیا گیا ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو؟ جو قوم ''فیضان سماوی'' سے محروم ہواس کے کمالات کی حد برق و بخارات تک ہی محدود رہتی ہے:۔

وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

اس تہذیب کے ابتدائی خدوخال کو دیکھ کر ہی شاعر مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے یہ پیشین گوئی کردی تھی کہ:۔

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

آج یہ پیشین گوئی حرف بحرف سچ ثابت ہورہی ہے، کہ مذہب بیزار اور ملحدانہ مادی تہذیب وتمدن نے مغرب بلکہ پوری دنیائے انسانیت کو بربادی اور بربریت کے مہیب غار میں دھکیل دیا ہے۔ ڈاکٹر الکسس کیرل (Alexis Carrel) نے لکھا ہے:۔

''تہذیب جدید (مغربی تہذیب وتمدن) نے انسانوں کو مذہبی اصولوں اور پاکی کی عائدکردہ تنظیمات سے آزاد کردیا ہے، اور یہ انہیں ہرممکنہ طریقہ سے حصول زر کی ترغیب دیتی ہے، موجودہ طرز زندگی، انسانوں کو اکثر وبیشتر جنسی خواہشات میں مبتلا کرتی ہے اور جنسی بھوک کی آسان تسکین فراہم کرتی ہے، یہ مسلسل کوشش، تنظیم، جدوجہد اور ہر اس چیز سے نجات دلاتی ہے جس میں مشکلات اور محنت ہو''۔ (۲)

تہذیب جدید کے عناصر

تہذیب جدید کی تشکیل میں جن فلاسفروں، دانشوروں اور ماہرین نفسیات نے

کام کیا ہے، ان میں ایسے تو ہزاروں ماہرین شامل ہیں، لیکن بالخصوص ڈارون Darwin (۱۸۰۹ء-۱۸۸۲ء) میکڈوگل William Mcdougall (۱۸۷۱ء-۱۹۳۸ء)، فرائڈ freud (۱۸۵۶ء-۱۹۳۹ء)، ایڈلر Alfred Adler (۱۸۷۰ء-۱۹۳۷ء) اور کارل مارکس Karl Marx (۱۸۱۸ء-۱۸۸۳ء) جیسے ماہرین کی تحقیقات فکر کو بنیادی عمل دخل حاصل ہے۔

ڈارون نے انسان کو "حیوان مطلق" بتایا ہے اس کے "نظریہ ارتقا" کے مطابق۔

> زندگی کی ابتدا سے مسلسل ارتقا ہوتی رہتی ہے، جس سے مختلف اجسام کے حیوانات وجود میں آتے ہیں، اور اسی ارتقا کے نتیجہ میں زمین پر انسان کا ظہور ہوا ہے، ڈارون کا خیال ہے کہ ہر جاندار کی نسل کے افراد کی جسمانی بناوٹ اور شکل وشباہت میں کسی نہ کسی وجہ سے معمولی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، اور حیوانات کا ارتقا کسی مقصد اور مدعا کے بغیر حالات زندگی کے تقاضے سے محض اتفاقی طور پر خود بخود ہوتا رہتا ہے۔

اس نظریہ ارتقا کے نتائج یہ ہیں کہ کائنات میں کہیں بھی کوئی سوچی سمجھی ہوئی تجویز کام نہیں کر رہی ہے، قدرت کی طاقتیں اندھادھند اپنا کام کیے جارہی ہیں، اور ان کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ دنیا کدھر جاتی ہے، اور اس کا کیا بنتا ہے، خود انسان کا وجود بھی اس کی عقل، ضمیر اور محبت سمیت محض ایک اتفاق ہے، مذہب، اخلاق، علم، فلسفہ، سیاست اور ہنر سب حیوانی خواہشات کے عمل اور ردعمل کا نتیجہ ہیں اور کائنات کی تخلیق میں کسی قادر مطلق ہستی کو کوئی عمل دخل حاصل نہیں۔

اس نظریہ نے انسان کے حیوان کی ترقی یافتہ صورت ہونے کے سلسلہ میں اہل مغرب کے ذہن ومزاج کی تشکیل میں جو کردار ادا کیا وہ فیصلہ کن کردار ہے، حیوان کی ارتقا یافتہ صورت ہونے کا جو نقشہ ذہنوں میں بیٹھ چکا ہے، جدید تحقیق اس کے اثرات کو زائل کرنے میں بری طرح ناکام ہے۔

دوسرا نظریہ جس نے اہل مغرب کی گمراہی اور ان کی تہذیب کو حیوانی تہذیب کی صورت دینے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے، وہ میکڈوگل کا نظریہ "جبلیت" ہے۔ جو مغرب

کی ساری یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا ہے، بلکہ عالم اسلام کی یونیورسٹیوں میں شامل نصاب ہے، میکڈوگل نے اپنا نظریہ اپنی کتاب ''سوشل سائیکالوجی'' میں پیش کیا ہے۔

میکڈوگل کہتا ہے کہ:۔

انسان ایک حیوان ہے، جس کا کوئی فعل ایسا نہیں، جو اس کی کسی نہ کسی جبلت کے تقاضا سے سرزد نہ ہوتا ہو، جب تک انسان کو کوئی جبلت نہ اکسائے وہ نہ کوئی کام کرتا ہے اور نہ کسی کام کے متعلق سوچ ہی سکتا ہے، اور جبلت کیا ہے؟۔ کسی خاص سمت میں عمل کرنے کے ایک فطری دباؤ کا نام ہے، یہ دباؤ قدرت نے جسم اور دماغ کی مادی ساخت میں رکھا ہے اور انسان کے اندر وہی جبلتیں کام کرتی ہیں جو حیوانات کے اندر موجود ہیں، بھوک، غصہ، جنسیت، فرار حیوانی انسانی جبلتوں کی مثالیں ہیں۔ ہر جبلی خواہش کے عمل میں ایک خاص جذباتی کیفیت موجود رہتی ہے، ہر جبلت ایک اندرونی یا بیرونی ترغیب کے تحت عمل کرتی ہے، پھر جبلی خواہش کی تکمیل اور تشفی انسان کے لیے ایک خاص قسم کی خوشی اور لذت کا موجب ہوتی ہے۔

تیسرا نظریہ جس نے مغرب کو بری طرح متاثر کیا ہے، اور اس کی تہذیب کو مادی ودجالی تہذیب کی شکل دینے میں کامیابی حاصل کی ہے، وہ فرائڈ کا نظریہ ''جنسیت'' ہے، مغرب کی ساری دنیا اس نظریہ کی صحت کو تسلیم کر کے بے لاگ جنسی آزادی اور جانوروں کی طرح جنسی ملاپ کی راہ پر گامزن ہے، اور وہ ساری دنیا کو جنس پرستی کے رنگ میں رنگنا چاہتی ہے۔

فرائڈ کہتا ہے:۔

انسانی نفس صرف وہی نہیں، جسے ہم شعور کہتے ہیں، اور جس کی مدد سے سوچتے، جانتے اور محسوس کرتے اور گردوپیش کے حالات میں تغیر کے قابل سمجھتے ہیں، بلکہ انسانی نفس کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جو ہمارے شعور کی سطح کے نیچے موجود ہے۔

یہ حصہ جسے فرائڈ ''تحت الشعور'' یا ''لاشعور'' کا نام دیتا ہے، اس کے

خیال میں شخصیتِ انسانی کا بہت بڑا حصہ؛ بلکہ انسان کی ساری شخصیت یہ ''لاشعور'' ہی ہے، اور شعور اسی کا ایک جزء ہے جو بیرونی دنیا کا جائزہ لینے کے لیے اوپر ابھر آیا ہے، شعور کو لاشعور سے وہی تعلق ہے جو سمندر کی جھاگ کو سمندر سے ہے، کیونکہ شعور کے تمام جذبات، محسوسات اور خیالات لاشعور ہی سے آتے ہیں۔

''لاشعور'' میں ایک طوفانِ تمنا ہر وقت برپا رہتا ہے، اور یہ تمنا ایک زبردست جنسی خواہش ہے جسے ہر عورت اور مرد کا لاشعور آخری حد تک مطمئن کرنا چاہتا ہے، لیکن لاشعور اپنی جنسی خواہشات کو شعور کے ذریعہ سے پورا کر سکتا ہے، لہٰذا وہ شعور کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ان کی تسکین کا انتظام کرے، اگرچہ شعور جو لاشعور ہی کا ایک حصہ اور اسی کی پیداوار ہے، لاشعور کی خواہشات کو پورا کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے، تاہم اکثر اوقات انہیں پورا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے، جو اسے خواہشات کی تکمیل سے روکتا ہے۔

فرائڈ کہتا ہے کہ:۔

''انسان اپنی پیدائش کے وقت سے اپنا لاشعور اپنے ساتھ لے کر آتا ہے، اس لیے اس کی جنسی خواہشات کا عمل بچپن ہی سے شروع ہو جاتا ہے، جب کہ عام خیال یہ ہے کہ جنسی خواہشات جوانی میں پیدا ہوتی ہیں، اس اعتراض کو رفع کرنے کے لیے فرائڈ کہتا ہے کہ بچے کا انگوٹھا چوسنا یا ماں کے سرپستان کا چوسنا یا بول و براز خارج کرنا، بچے کے جنسی افعال ہیں، جن سے اس کو جنسی لذت حاصل ہوتی ہے۔

فرائڈ کے نزدیک انسان ایک مغلوب الشہوات حیوان ہے، جسے قدرت نے ذیل کے تین طریقوں میں سے ایک طریقہ کے اختیار کرنے پر مجبور کر رکھا ہے:۔

ا۔ وہ اپنے ''لاشعور'' کی حد درجہ شرمناک جنسی خواہشات کو پوری آزادی اور بے حیائی سے مطمئن کرے، چاہے اسے کتنا ہی برا سمجھے، لیکن اسے کوشش کرنی چاہئے کہ وہ سماج

کی پروانہ کرے۔

۲۔ وہ سماج کے خوف سے اپنی طاقت ور جنسی خواہشات کو ہمت سے دبادے اور پھر تشویش، ہسٹریا، جنون، خوف اور پریشانی وغیرہ دماغی امراض میں مبتلا ہو جائے۔

۳۔ وہ اپنی جنسی خواہشات کے بجائے مذہب، اخلاق، علم اور ہنر جیسی سرگرمیوں سے اپنے آپ کو دھوکہ دیتا رہے اور اسے یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ چیزیں وہم سے زیادہ حیثیت کی حامل نہیں، اور ان کی اپنی کوئی قدر و قیمت نہیں، سوائے اس کہ وہ اس کے دکھے ہوئے دل کو فریب میں مبتلا کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔

چوتھا نظریہ جس نے مغرب کو ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے اور ''طاقت کا حصول ہی زندگی کا نصب العین ہے'' کی راہ پر لگایا ہے، وہ ایڈلر کا نظریہ "احساس برتری" ہے۔ ایڈلر، فرائڈ کا شاگرد ہے، لیکن جذبہ لاشعور کی نوعیت کے بارے میں فرائڈ سے اختلاف کیا ہے۔ ایڈلر کا خیال ہے کہ:۔

> انسان کے لاشعور کے اندر ہر وقت جس خواہش کا طوفان برپا ہے، وہ جنسی جذبہ نہیں، بلکہ دوسروں پر برتری حاصل کرنے کا طوفان ہے، تاہم وہ فرائڈ کی طرح مذہب، اخلاق، فلسفہ، علم، ہنر اور انسان کی دوسری اعلی سرگرمیوں کو واہمہ سمجھتا ہے، اور ان کو سماج کی اختراعات قرار دیتا ہے، اور ان کی اہمیت اور قدر و قیمت کو فرضی سمجھتا ہے، اس کے نزدیک انسان کی زندگی کی ساری تگ ودو کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں پر غالب کرے۔

پانچواں نظریہ جس نے مغربی دنیا کو الحاد و لادینیت کے دلدل میں پھینک دیا، وہ کارل مارکس کا نظریہ اشتراکیت ہے، اس نظریہ نے انسان کو مادہ اور اقتصادی عوامل کے سامنے سرنگوں کر دیا، مارکس کا اصول معاشی تقدیر و تنظیم ہے، یہ اصول بتلاتا ہے کہ:۔

> انسان کا معاشی نظام ہمیشہ ان کی مالی ضروریات پر مبنی ہوتا ہے، اور یہی نظام ان کے ادب، اخلاقیات، مذہب، نیز نظام حکومت کا خالق ہوتا ہے، آج جو نظریہ زندگی اس زمانہ پر مستولی اور غالب ہے، وہ یہی اقتصادی

نظریہ اور ہر معاملہ کو پیٹ اور جیب کے نقطہ نظر دیکھنا اور جانچنا ہے۔ کارل مارکس کہتا ہے کہ دین قوموں کا نشہ اور "افیم" ہے، اور یہ کہ مذہب نام ہے چند من گھڑت قصوں اور کہانیوں کا جنھیں زمین داروں اور سرمایہ داروں نے کسانوں کو بہلانے کے لیے گڑھ لیا، تا کہ آخرت کی نعمتوں اور راحتوں کا جھانسہ دے کرانہیں دنیا کی مشقتوں سے غافل رکھیں۔ مارکس کہتا ہے کہ اخلاق بدلتی اقتصادی حالت کا عکس ہے، یہ کوئی پائدار اور مستقل قدر نہیں ہے۔ اسی طرح مارکس کہتا ہے کہ عورت کو چاہیے کہ وہ باہر نکلے اور مردوں کے شانہ بہ شانہ کام کرے۔

یہ وہ نظریات ہیں جو تہذیب جدید کی روح میں شامل ہیں، اور جس سے اس تہذیب کا خمیر تیار ہوا ہے، اسی مادہ پرست تہذیب کو فوجی، سائنسی اور ٹیکنالوجی طاقت وترقی کے ذریعہ پوری انسانیت پر مسلط کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ (۳)

جدید مغربی تہذیب پر یونانی اور رومی فکر کے اثرات

جدید مغربی تہذیب کی قدروں پر قدیم یونانی فلسفہ، رومی فکر اور تلمودی فکر وتصور کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں، اور یہ نتیجہ ہے یہودی فکر کا رومی اور یونانی فکر سے امتزاج کا، جو انسانیت کو حیوانیت، درندگی اور نفس پرستی کے گہرے اور بھیانک سمندر میں غرق کر دینا چاہتی ہے، یہیں سے موجودہ مغربی تہذیب وتمدن کی بنیاد عیسائیت کے بجائے دین دشمن بت پرست یونانی اور رومی تہذیب کی بنیادوں پر قائم ہے، اس کا نسبی تعلق یونانی اور رومی تہذیب سے ہے، ان دونوں تہذیبوں نے اپنے ترکہ میں جو سیاسی نظام، اجتماعی فلسفہ اور عقلی اور علمی سرمایہ چھوڑا تھا، اس کے حصہ میں آیا، اس کے سارے رجحانات اور خصوصیات اس کو نسلاً بعد نسل منتقل ہوئے، صرف اس کے ظاہری لیبل سے دھوکہ ہوتا ہے کہ اس کی نشوونما عیسائیت سے ہوئی ہے؛ لیکن دراصل اس کا تانا بانا یونانیوں اور رومیوں کے ہاتھوں کا بنا ہوا ہے، اس لیے کہ جدید مغرب کے ہر پہلو پر جیسا کہ محمد اسد (لیوپولڈ وائس) (Leopold Weiss) نے اپنی

کتاب ''اسلام دوراہے پر'' میں لکھا ہے، مادی منفعت اور توسیع پسندی کا تصور غالب ہے، اہل مغرب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ زندگی کے خزانے دریافت کیے جائیں، اور انہیں کام میں لایا جائے، مگر وہ زندگی میں کسی اخلاقی قدر کے اضافے کے لیے تیار نہیں ہیں، زندگی کے معنی اور اس کے مقاصد ایک مغربی کی نظر میں عرصہ دراز سے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ مذہب ہمیشہ یہ بات ذہن نشین کراتا ہے کہ ایک ایسا ہمہ گیر اور مکمل ضابطہ حیات واخلاق موجود ہے، جس کے تقاضے پورے کرنے پر انسان مجبور ہے، مگر جدید مغربی تمدن معاشی، اجتماعی اور قومی تقاضوں کے سوا کسی اور تقاضے کو تسلیم نہیں کرتا، آج کی مغربی زندگی کا معبود روحانی نہیں ہے؛ بلکہ تعیش پسندی ہے، اور آج کا فلسفہ فلسفۂ طاقت وقوت ہے، اور یہ دونوں باتیں قدیم یونانی اور رومی تمدن کی میراث ہیں''۔(۴)

یونانی تہذیب

خود مغربی دانشور اور ماہرین، یونانی تہذیب کے تحلیل وتجزیہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کی خصوصیات میں: غیر محسوسات کی بے وقعتی اور ان میں اشتباہ، خشوع وخضوع اور روحانیت میں کمی، دنیاوی زندگی کی پرستش اور دنیاوی فوائد ولذائذ کا اہتمام شدید اور حب وطن میں افراط وغلو ہے، بالفاظ دیگر رومی تہذیب کا مابہ الامتیاز شعار ''مادیت'' ہے، یونانیوں کا علم، فلسفہ، شاعری، حتی کہ دین، سب ان کی مادی روح کی غمازی کرتے ہیں، اور انہوں نے یونانی تہذیب میں مادیت کے غلبہ کو تسلیم کیا ہے ''تاریخ اخلاق یورپ'' The History of Erupean Morals کے مصنف ''لیکی'' نے اس کا کھل کر اعتراف کیا ہے۔(۵)

اسی مادی فکر کا اثر ہے کہ جدید تہذیب میں دنیوی زندگی کے انتہائی شوق ومحبت، اس کی قدر وقیمت میں افراط وغلو، مجسموں اور تصاویر کے شغف، سرود وموسیقی میں انہماک، فنون لطیفہ کی قدر دانی اور غیر محدود شخصی آزادی پر مبالغہ آمیز زور دیا جاتا ہے، خواہشات نفس کی پیروی، زندگی سے زیادہ سے زیادہ تمتع ولطف اندوزی اور ابوالہوسی، روشن خیالی اور آزادی کا نشان سمجھا جاتا ہے۔(۶)

ڈاکٹر ہاس کہتا ہے:۔

''موجودہ تمدن کا مرکز قدیم یونانی تمدن تھا، اس کا اصل الاصول انسان کی تمام قوتوں کا ہم آہنگ نشو ونما اور سب سے بڑا معیار خوبصورت اور سڈول جسم سمجھا جاتا تھا، ظاہر ہے کہ اس میں زیادہ زور محسوسات پر ہے، جسمانی تربیت، ورزشی کھیلوں اور رقص وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل تھی، ذہنی تعلیم جو شاعری، موسیقی، ڈراما، فلسفہ، سائنس وغیرہ پر مشتمل تھی، ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھنے پائی تھی، تاکہ ذہن کی ترقی سے جسم کو نقصان نہ پہنچنے پائے، یونان کے مذہب میں نہ روحانیت کا عنصر ہے، نہ باطنیت کا، نہ علم دین ہے، نہ پیشوایان دین کا طبقہ''۔(۷)

رومی تہذیب

رومی تہذیب، یونانی تہذیب کا چربہ ہے، رومیوں کا بڑا امتیاز وخصوصیت ان کی شہنشاہیت پسندی، استعماری روح اور زندگی کا خالص مادہ پرستانہ نقطۂ نگاہ ہے، یہی وہ ترکہ ہے جو موجودہ یورپ کو اپنے رومی مورثوں سے ملا ہے، محمد اسد نے اپنی کتاب میں بڑی خوبی سے اس کا تذکرہ کیا ہے، وہ کہتے ہیں:۔

''رومی شہنشاہی پر جو خاص خیال حاوی تھا، وہ محض ملک گیری کا خیال اور مادر وطن کے لیے دوسری قوموں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اور لوٹ کھسوٹ کرنا تھا، رومی رؤساء، امراء اور اونچے طبقہ کے لوگ اپنے لیے فارغ البالی اور امارت کی زندگی کا سامان حاصل کرنے کے لیے کسی ظلم و بے دردی کو عیب نہیں سمجھتے تھے، باقی وہ رومی انصاف جس کا بڑا شہرہ ہے وہ محض رومیوں کے لیے تھا، مخصوص سیرت اور کیریکٹر، زندگی اور تمدن کے محض مادی تصور ہی پر قائم ہو سکتا تھا، اگرچہ ان کی مادیت میں کچھ آراستگی اور لطافت ذوق پیدا ہو گئی تھی، لیکن تمام روحانی قدروں سے وہ بالکل بیگانہ تھی، رومیوں نے کبھی بھی سنجیدگی اور واقعیت کے ساتھ دینداری اختیار نہیں کی، ان کے

تقلیدی دیوتا محض یونانی حکایات وخرافات کی پھیکی نقل تھے، انہوں نے محض اپنی اجتماعی شیرازہ بندی اور قومی وحدت کے خیال سے ان ارواح کو تسلیم کرلیا تھا، وہ ان دیوتاؤں کو اپنی عملی زندگی میں دخل دینے کی اجازت نہیں دیتے تھے، ان کا کام صرف اتنا تھا کہ جب ان سے فرمائش کی جائے تو اپنے مجاوروں کی زبانی پیشین گوئیاں کردیں، لیکن ان کو انہوں نے یہ حق نہیں دیا تھا کہ وہ لوگوں پر اخلاقی قوانین نافذ کریں"۔(۸)

ڈاکٹر ڈریپر اپنی مشہور کتاب "معرکۂ مذہب وسائنس" میں لکھتا ہے:۔

"جب جنگی قوت اور سیاسی اثر سے سلطنت روما منتہائے ترقی پر فائز ہوگئی تو مذہبی اور عمرانی پہلو سے اس کی اخلاقی حالت فساد کے درجۂ اخیر کو پہنچ چکی تھی۔ اہل روما کی عیش پرستی وعشرت پسندی کی کوئی انتہا نہ تھی، حسینان روما ان کی مستی انگیز صحبتوں کا لطف دوبالا کرنے کے لیے محو ناز رہتی تھیں، عالی شان حماموں، دل کشا تماشہ گاہوں اور جوش آفریں دنگلوں سے جن میں پہلوان کبھی ایک دوسرے سے اور کبھی وحشی درندوں سے اس وقت تک مصروف زور آزمائی رہتے تھے جب تک کہ حریفوں میں سے ایک ہمیشہ کے لیے خاک وخون میں سو نہ جائے، اہل روما کے سامان تعیش پر مزید اضافہ ہوتا تھا، دنیا کے ان فاتحوں کو تجربہ کے بعد یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ عبادت اور پرستش کے لائق اگر کوئی شے ہے، تو وہ قوت ہے، اس لیے کہ اسی قوت کی بدولت تمام اس سرمایہ کا حاصل کرنا ممکن ہے، جو محنت اور تجارت کی مسلسل جانکاہیوں اور عرق ریزیوں سے پیدا ہوا ہے، مال اور املاک کی ضبطی، صوبہ جات کے محاصل کی تشخیص زور بازو کی بدولت جنگ میں کامیاب ہونے کا نتیجہ ہے، اور فرمانروائے دولت روما اس زور وقوت کا نشان یا علامت ہے، غرض روما کے نظامِ تمدن میں جاہ وجلال کی ایک جھلک تو نظر آتی تھی؛ لیکن یہ جھلک نمائشی ملمع کی چمک کے مشابہ تھی، جو یونان عہد قدیم کی تہذیب پر

چڑھ گیا تھا''۔(۹)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اس دور کے رومی معاشرہ کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''اخلاق اور معاشرت کے بند جب اتنے ڈھیلے ہو گئے تو روم میں شہوانیت اور عریانیت کے مظاہرے ہونے لگے، ننگی اور نہایت فحش تصویریں ہر گھر کی زینت کے لیے ضروری ہو گئیں، قحبہ گری کے کاروبار کو وہ فروغ حاصل ہوا کہ قیصر ٹائبریس (۱۴ء-۳۷ء) کے عہد میں معزز خاندان کی عورتوں کو پیشہ ور طوائف بننے سے روکنے کے لیے ایک قانون نافذ کرنے کی ضرورت پیش آئی، فلورا (Flora) نامی کھیل رومیوں میں نہایت مقبول ہوا کیونکہ اس میں برہنہ عورتوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی، عورتوں اور مردوں کو برسر عام یکجا غسل کرنے کا رواج بھی اس دور میں عام ہوا، رومی لٹریچر میں فحش اور عریاں مضامین بے تکلف بیان کیے جاتے تھے اور عوام وخواص میں وہی ادب مقبول ہوتا تھا جس میں استعارہ اور کنایہ تک کا پردہ نہ رکھا گیا ہو''۔(۱۰)

مغربی تہذیب پر رہبانیت کا اثر

مغرب کی مادہ پرست اور لادینی تہذیب وتمدن میں بت پرست روما کی حیوانیت کے ساتھ عیسائیت کی مردم آزار اور آدم بیزار دشمنِ فطرت ''رہبانیت'' کا بھی بہت کچھ دخل ہے، رہبانیت میں اتنا غلو اور افراط پیدا ہو گیا تھا کہ اس زمانہ میں اس کا قیاس کرنا بھی مشکل ہے، لیکی کی ''تاریخ اخلاق یورپ'' سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اور اس سے مسیحی دنیا کے اخلاقی انحطاط کی تصویر بھی سامنے آجاتی ہے۔ اخلاق وتمدن پر عیسائی رہبانیت کے اثرات بیان کرتے ہوئے لیکی کہتا ہے:۔

''اخلاق میں رکاکت وپستی حد درجہ سرایت کر گئی تھی، دربار کی عیش پرستیاں، ارکان دربار کی غلام طینتی اور ملبوسات وزیورات کی تزئین وآرائش

اپنے شباب پر تھی، دنیا اس وقت انتہائی رہبانیت اور انتہائی بدکاری کے تھپیڑوں کے درمیان جھونکے کھارہی تھی، بلکہ بعض شہر جن میں سب سے زیادہ کثیر التعداد زہاد ور اہبین پیدا ہوئے تھے، وہ وہی تھے، جن میں عیش پرستی اور بدچلنی کی سب سے زیادہ گرم بازاری تھی، غرض بدکاری اور توہم پرستی کا ایسا اجتماع ہو گیا تھا جو انسان کی شرافت وعظمت کا قطعی دشمن ہے، رائے جمہور اس قدر کمزور ہو گئی تھی کہ لوگوں کو بدنامی اور رسوائی کا مطلق خوف نہیں باقی رہا تھا، البتہ ضمیر کو مذہب کا دھڑ کا ہوسکتا تھا؛ لیکن اسے بھی اس اعتقاد نے مٹادیا تھا کہ دعاؤں وغیرہ کے ذریعہ سے سارے گناہ معاف ہوسکتے ہیں، مکاری، دغابازی، دروغ گوئی کی وہ گرم بازاری تھی جو قیاصرہ کے زمانہ میں بھی نہ تھی، البتہ ظلم وتشدد، شقاوت و بے حیائی اتنی نہ تھی؛ لیکن اس کے ساتھ حریت فکر، آزاد خیالی وجوش قومیت میں بھی کمی نہ تھی"۔(۱۰)

کلیسا کا اثر

یورپ کے تمدن پر ارباب کلیسا کی عیش پرستی، دنیاداری اور ہوس رانی کا بھی گہرا اثر پڑا ہے، سینٹ جروم نے لکھا ہے کہ:۔

اہل کلیسا کے تعیش کے سامنے امراء اور دولتمندوں کی عیش وعشرت بھی شرماتی ہے، خود پوپ اخلاقی انحطاط میں مبتلا تھے، اور دولت کی ہوس اور مال کا عشق توان پر اتنا غالب تھا کہ منصب اور عہدے معمولی سامان تجارت کی طرح بکتے تھے، اور کبھی کبھی ان کا نیلام ہوتا تھا، جنت کے قبالے جائداد کی معمولی دستاویزوں کی طرح، مغفرت کے پروانے، نقض قانون کے اجازت نامے اور نجات کے سرٹیفکٹ بے تکلف بکتے تھے، مذہبی عہدے دار سخت راشی وسود خوار تھے۔

تلمودی اور صہیونی تہذیب

تلمودی اور صہیونی تہذیب کی بنیاد نسل پرستی، زرپرستی، جنس پرستی، دولت واقتدار

کی حرص وہوس، تشدد ودہشت گردی، ظلم وسفاکی، دجل وفریب اور تخریب کاری وفتنہ پردازی پر ہے، تلمود میں صاف صاف ذکر ہے کہ ''غیر یہودی گدھے ہیں، جنھیں اللہ نے اپنی پسندیدہ چہیتی قوم (یہود) کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے''۔ تلمود کی خفیہ تعلیمات کہتی ہیں: ''اے یہودیو! ان گدھوں پر سوار ہونے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دو''۔ ''بنی اسرائیل ہی تنہا آدم کی اولاد ہیں''۔ ''غیر یہودی، یہودی کا بھائی ہو ہی نہیں سکتا، لہٰذا وہ کسی شفقت اور محبت کا مستحق نہیں''۔ ''غیر یہودیوں کا مال ومتاع اس زمین کی طرح ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو، اور اس پر جو پہلے قبضہ کرلے اسی کی ملک ہوجاتی ہے، اسی طرح غیر یہودیوں کا مال ہے''۔ ''غیر یہودی کا مال واپس کردینا جرم ہے''۔ ''جب کوئی یہودی کسی غیر یہودی کو قتل کردے تو قاتل کو کوئی سزا نہیں دی جاسکتی، اور اگر کوئی یہودی کو قتل کردے تو قاتل کو سخت سزا دی جائے گی''۔ (۱۱)

حسن حسن سلیمان نے لکھا ہے کہ:

اباحیت مطلقہ، اخلاقی فساد اور قدروں کی پامالی کی شاخیں تلمودی درخت سے نکلی ہیں، تلمود میں مذکور ہے کہ ''یہودی دوشیزہ کی بکارت کی قیمت دوسوزور (قدیم عبرانی سکہ) ہے، یہ قیمت بھاؤ تاؤ کرکے پیشگی دی جاسکتی ہے، اگر کوئی بیاہی عورت اپنے شوہر کی اجازت سے اپنا مال دیکر کسی یہودی سے جنسی تعلق قائم کرلے تو یہ عمل قابل مذمت نہیں، اور اگر غیر یہودی سے یہ عمل کرے تو قابل مذمت ہے، اگر دو صلبی بھائی بہن اپنی رضامندی سے آپس میں جنسی تعلق قائم کرلیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں، اور اگر بہن راضی نہ ہو تو یہ عمل انجام پانے کے بعد دوبارہ بھائی کو فہمائش کی جائے گی، اگر کوئی لڑکا باپ کے انتقال کے بعد اپنی نوجوان ماں سے باہمی رضامندی سے جنسی تعلق قائم کرے تو اس میں کوئی برائی نہیں، اور اگر لڑکا شادی کرنا چاہے لیکن ماں معترض ہو تو شادی کے بعد بھی بیوی اور ماں دونوں سے جنسی شہوت پوری کرتا رہے یہاں تک ماں شادی کرلے''۔ (۱۲)

تلمود، پانچ ہزار سال پہلے علماءِ یہود کی مرتب کردہ کتاب ہے جس میں انہوں نے توریت کی ہدایات، تعلیمات اور وصیتوں کی گمراہ کن سلبی تشریح وتوضیح پیش کی ہے، تلمود اپنے ماننے والوں کو تلقین کرتی ہے کہ غیر یہودیوں کے ساتھ نفاق، مکروفریب، مکاری ودغابازی اور ریاکاری کا معاملہ کریں، چونکہ تلمود، اباحیت مطلقہ، تخریبی افکار وخیالات اور گمراہ کن ہدایات پر مبنی ہے، اس لیے یورپ کے شہنشاہوں اور پوپوں نے تیرہویں صدی عیسوی سے تاحال کئی بار اس کو جلانے کی کارروائی کی ہے۔

صہیونی منصوبہ

صہیونی تلمودی لابی، انسانی علوم وفنون کے ذریعہ مغرب کی دینی اور ثقافتی فکر کو اپنی گرفت میں لے کر تمام انسانی فکر پر قبضہ کرنا چاہتی ہے، ''صہیونی دانشوروں کی دستاویزات'' اس کا بین ثبوت ہیں، ان میں ادب، لٹریچر، قصہ، ڈرامہ، شاعری، ''امیل دورکائیم'' (۱۸۵۸ء-۱۹۱۷ء E'mile Durkheim) کے فلسفۂ اجتماع، علم النفس، علم الاخلاق اور دیگر تخریبی نظریات کے ذریعہ مشرق ومغرب دونوں کو عالمی صہیونیت کا تابع بنانے کی تدابیر پیش کی گئی ہیں۔

''صہیونی دانشوروں کی دستاویزات'' میں صہیونی پالیسی کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ:۔

> ''مشرق ومغرب کے درمیان عداوت ودشمنی پیدا کرنے کے لیے، ہم اپنا مال خرچ کریں، اسی کے ساتھ یہودیوں کے حق میں دنیا کی ہمدردی اور مدد کو یقینی بنائیں، عربوں کے مفادات کو نقصان پہنچا کر اسرائیل کو مالی، اقتصادی، علمی اور انسانی ہر ممکن مدد بہم پہنچاتے رہیں، عربوں کو داخلی انتشار اور خانہ جنگی میں مشغول رکھیں، تاکہ وہ ہمارے منصوبہ سے بے خبر رہیں اور اسرائیل میں ہماری سرگرمیوں سے نابلد، ہم اسرائیل کو تیسری عالمی جنگ سے دور رکھیں یہاں تک کہ جنگ کے اختتام کے بعد وہ روم میں عالمی

حکومت قائم کرنے پر قادر ہو جائے، اور اسرائیل کی بقا کے لیے ہم امریکہ اور روس دونوں سے تعلق استوار رکھیں۔ (۱۳)

''اخلاقی قدروں کے تار پود بکھیر دیں، اس سے ہمارے غلبہ کی راہ آسان ہو جائے گی، فرائڈ ہمارا ہے، یہ جنسی تعلقات کو اتنے زور وقوت سے پیش کرتا ہے، کہ نوجوانوں کی نظر میں کوئی چیز مقدس باقی نہیں رہتی، اور ان کا مطمح نظر صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ کسی بھی طریقہ سے اپنی جنسی خواہشات پوری کریں، اور پھر اس کے اخلاق کا دیوالیہ نکل جاتا ہے، ڈارونیت، مارکسیت اور نطشائیت کی کامیابی کی راہ ہم نے ہموار کر دی ہے؛ اس طور پر کہ ان افکار و نظریات کی تعلیم و ترویج کے ذریعہ غیر یہود کے نوجوان طبقہ کو ورغلا کر اخلاقی طور پر کنگال اور ذہنی طور پر گندہ کر چکے ہیں، جب ہماری بادشاہت قائم ہو جائے گی تو ہمیں اپنے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب کا وجود نا قابل قبول ہوگا''۔ (۱۴)

صہیونی پروٹوکول کی پہلی دستاویز میں کہا گیا کہ:

''سیاسیات اور اخلاقیات کے مابین کوئی قدر مشترک نہیں ہے، جو حکمراں اخلاقی قدروں کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا، کبھی بھی پرکار سیاستداں نہیں بن سکتا، اور اس وجہ سے اس کا راج سنگھاسن ہمیشہ ڈولتا رہتا ہے، جو حکومت کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عیار اور مکار ہو، اعلیٰ اخلاقی صفات مثلاً بے باکی، جرأت اور ایمانداری، میدان سیاست میں گناہ ہیں، یہ خوبیاں غیر یہودی حکمرانوں میں ہونا احسن ہیں؛ لیکن ہمیں ان سے سبق لینا چاہیے''۔

''غیر یہودی افراد شراب کے نشہ میں اپنے حواس کھو بیٹھے ہیں، ان کے نوجوان فسق و فجور اور بدکرداری کی وجہ سے غبی اور کند ذہن ہو چکے ہیں، ہم نے اپنے مخصوص گماشتوں کے ذریعہ انہیں راہ پر لگایا ہے، یہ کام مدرسین

کے ذریعہ، اپنے کاسہ لیسوں کے ذریعہ، امراء کے گھروں میں کام کرنے والی خادماؤں کے ذریعہ، مذہبی رہنماؤں کے ذریعہ، اور اپنی لڑکیوں کو عیاشی کے ان اڈوں میں داخل کر کے جہاں غیر یہودیوں کی عام طور پر آمدورفت ہے، کروایا گیا ہے، مؤخر الذکر گروہ میں وہ خواتین بھی شامل ہیں، جنہیں سبھا کی پریاں (Society Ladies) کہا جاتا ہے، یہ خواتین بدکاری اور عیاشی میں دوسروں کی رضا کارانہ تقلید کرتی ہیں''۔

''ہمارا مقصد صرف اور صرف طاغوتی ذرائع کو استعمال کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے، لہٰذا ہمیں اپنا نصب العین حاصل کرنے کے لیے حسب ضرورت رشوت، دھوکہ دہی اور دغابازی سے قطعی گریز نہیں کرنا چاہیے''۔

چوتھی دستاویز میں کہا گیا ہے کہ ''ہمارے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ ہم تمام مذاہب کو شبہ اور تذبذب کا شکار کر دیں، اور غیر یہود کے دماغ سے خدا اور روح کا تصور نوچ کر پھینک دیں، اور اس کے بدلے ان کے دماغوں میں حساب کی جمع تفریق اور مادی ضروریات کی خواہش بھر دیں''۔

''غیر یہود کو سوچنے سمجھنے کا وقت نہ دینے کے لیے ان کے ذہنوں کا رخ صنعت اور تجارت کی طرف موڑ دینا چاہیے، اس طرح ساری قومیں مالی منفعت کی دوڑ میں مصروف ہو جائیں گی اور اس تگ ودو میں لگ کر وہ اپنے مشترکہ دشمن کو نظر انداز کر دیں گی''۔

صہیونی پروٹوکول تلمود کا نیا اور منقح ایڈیشن ہے، اس سے یہودیوں کا تسخیر عالم کا خاکہ اور منصوبہ سامنے آتا ہے، اور اس خاکہ میں رنگ صہیونی خفیہ، سیاسی، دینی، فنی انجمنوں، ہیلتھ کلبوں، فری میسن لاجوں اور علمی اکیڈمیوں کے ذریعہ مختلف ملکوں میں انتشار اور بغاوت کرا کے بھرا جا رہا ہے، اسی کے ساتھ ذرائع نشرواشاعت، میڈیا، صحافت، اسکولوں، کالجوں، سینما گھروں اور فلمی کمپنیوں کو استعمال کیا جا رہا ہے، عالمی معیشت کی بنیاد سونے پر رکھ کر اس پر قبضہ کر لیا گیا ہے، اور عالمی پیمانہ پر مسلسل معاشی بحران پیدا کر کے پوری دنیا کو مجبور کر دیا گیا ہے

کہ وہ انہی سے مدد طلب کرے اور پھر چار و ناچار ان کے اقتدار کو قبول کر لے۔ (۱۵)

موجودہ دور میں انسانوں کے دل و دماغ پر جو افکار و نظریات مستولی ہیں، ان سب کے پیچھے صہیونی فکر کارفرما نظر آتی ہے، فرائڈ کا نظریہ تحلیل نفسی (جنس و شہوت)، دورکائم کا نظریہ اجتماع، کارل مارکس کا نظریہ اشتراکیت و معیشت، ڈارون کا نظریہ ارتقا، ان سب کا عالمی صہیونیت سے گہرا تعلق ہے، یہودیوں نے ڈارون کے نظریہ کا زبردست استحصال کیا ہے، ڈارون اگرچہ یہودی نہیں ہے، لیکن یہودیوں نے فرائڈ، دورکائم اور کارل مارکس کے ذریعہ ڈارون کے افکار کی خوب تشہیر کی اور فائدہ اٹھایا ہے، عالمی تنظیموں میں سب سے زیادہ خطرناک تنظیم فری میسن لاج ہے، اس لیے کہ یہ پس پردہ کام کرتی ہے، مختلف ادبی، ثقافتی اور تفریحی اداروں کے ذریعہ انسانوں کو گمراہ کرتی ہے، اور اس کا بڑا ذریعہ عورت ہے، یہ تنظیم بھی یہودیوں کے قبضہ میں ہے؛ بلکہ انہی کے اشاروں اور حکموں پر کام کرتی ہے، اسی طرح کمیونزم اور صہیونیت دونوں جڑواں ہیں؛ دونوں کا منبع ایک، مقصد ایک، اور دونوں کا جوہر بھی ایک ہے، کمیونزم کے بانی کارل مارکس، لینن اور اسٹالن ہیں اور آخر الذکر دونوں یہودی الاصل ہیں، اور کارل مارکس تو انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے، اور سرمایہ داری بھی یہودی ایجاد ہے، اس میں مذہب و اخلاقیات کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ (۱۶)

موجودہ حالات کے تناظر میں اگر جدید مغربی تہذیب و تمدن، سیاست و صحافت، تعلیم و تربیت، فکر و فن، تجارت و صنعت، معیشت و حرفت اور ادب و آرٹ کا جائزہ لیا جائے تو ان سب پر تلمودی اور صہیونی فکر کے اثرات نمایاں نظر آئیں گے جو خالص مادہ پرستی اور زر پرستی پر مبنی ہے۔

موجودہ تہذیب

الغرض مذکورہ بالا اثرات کی بنا پر مغربی تہذیب و تمدن کا رخ ایک مکمل اور وسیع مادیت کی طرح ہو گیا، خیالات، نقطۂ نظر، نفسیات و ذہنیت، اخلاق و اجتماع، علم و ادب، حکومت و سیاست، غرض زندگی کے تمام شعبوں میں مادیت غالب آتی چلی گئی، اور پھر عمل

وردِ عمل کے نتیجہ میں معاصی اور جرائم کو خوش نما اور دلفریب بنا کر پیش کیا جانے لگا، طبیعتوں کو ہر قید و بند، فرد کو ہر ذمہ داری و جواب دہی سے آزاد ہونے کی اور مطلق آزادی و بے قیدی کی کھلی تبلیغ کی جانے لگی، زندگی سے پورے پورے تمتع، مطالبات نفس کی پوری تکمیل اور لذت پرستی کی علانیہ دعوت دی جانے لگی اور اس زندگی کی قیمت میں بڑے غلو اور مبالغہ سے کام لیا جانے لگا، نقد لذت اور ظاہر و محسوس مادی نفع کے سوا ہر چیز کی نفی و تحقیر کی جانے لگی، یہاں تک کہ انیسویں اور بیسویں صدی کی مغربی زندگی بت پرست یونان اور روما کی جاہلی زندگی کا مرقع بن گئی، تہذیب جدید گویا اس کا نیا ایڈیشن ہے جس کو انیسویں صدی عیسوی میں نئے اہتمام و انتظام کے ساتھ تیار کیا گیا ہے، آج کی مغربی قومیں انہی یونانی، رومی اور مغربی اقوام کی جائز وارث اور خلف الرشید ہیں، موجودہ مغربی تہذیب اور قدیم یونانی اور رومی تہذیب میں قریبی مماثلت پائی جاتی ہے، یورپ کی موجودہ مذہبی زندگی بھی روحانیت اور باطنی کیفیت سے اسی طرح عاری ہے جیسے یونانیوں اور رومیوں کی مذہبیت تھی، اسی طرح زندگی کی ہوس، لذت طلبی، ذواقی اور دنیا میں شوق گل چینی کی بھی بعینہ وہی کیفیت ہے جو سقراط نے اپنے زمانہ کے جمہوری نوجوان کی بیان کی ہے۔(۱۷)

اہل مغرب نے رومیوں اور یونانیوں سے یہ نظریہ بھی لیا کہ یہی صرف تہذیب یافتہ اور متمدن ہیں، اور باقی دوسرے سب غیر متمدن اور ان کے لیے اجنبی ہیں، خاص طور پر وہ لوگ جو بحر متوسط کے مشرق میں بستے ہیں، وہ اہل مغرب کی نظر میں بالکل غیر مہذب ہیں، اور رومی و یونانی فکر کے اثر سے اہل یورپ میں یہ خیال راسخ ہو گیا ہے کہ انہیں تمام انسانوں پر نسلی تفوق اور برتری حاصل ہے اور غیر یورپین سے نفرت اور حقارت مغربی تہذیب کی پہچان بن گئی ہے۔

مادہ پرستی

حقیقت یہ ہے کہ یورپ کا موجودہ مذہب و تمدن جس کی دلوں اور ذہنوں پر حکومت ہے، وہ عیسائیت نہیں؛ بلکہ مادہ پرستی ہے، مغربی نفسیات اور مغربی زندگی سے اس

کی قدم قدم پر تصدیق ہوتی ہے۔ محمد اسد نے لکھا ہے کہ:

''یورپ کا عام اور متوسط آدمی: وہ جمہوری ہو یا فاشستی، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی، ہاتھ سے کام کرنے والا ہو یا دماغی محنت کرنے والا، وہ ایک ہی مذہب جانتا ہے، وہ کیا؟ مادی ترقی کی پرستش اور یہ عقیدہ کہ اس دنیاوی زندگی کی غرض وغایت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ آسان اور پر راحت اور آزاد اور بے مہار بنا دیا جائے''۔

زر پرستی

پروفیسر جوڈ نے اپنی کتاب ''PHILOSOPHY FOR OUR TIMES میں لکھا ہے کہ:

''صدیوں سے انگلستان کے تخیل پر زر پرستی و دولت اندوزی کا اصول غالب ہے، اور تمام ذرائع سے یہی تعلیم دی جا رہی ہے کہ مہذب قوم وہی ہے جس میں جذبہ حصول انتہائی طور پر ترقی کر چکا ہو، واقعہ یہ ہے کہ ہم ہٹلر کے پکے مقلد ہیں، ہم دولت کے دلدادہ ہیں، ہم لذت اندوزی کے رسیا ہیں، اور ہم میکاویلی کے نظریۂ لذتیت اور مارکس کے اصول ''معیشت'' پر سختی سے کاربند ہیں'' (۱۸)

ڈاکٹر الیکسس کیرل (Alexis carrel 1873-1944) نے اپنی کتاب ''انسان نامعلوم'' (Man The Unknown) میں لکھا ہے:۔

''موجودہ زندگی انسان کو ترغیب دیتی ہے کہ وہ دولت کو ہر ممکن ذریعہ سے حاصل کرے؛ لیکن یہ ذرائع انسان کو دولت کے مقصد تک نہیں پہنچاتے، یہ انسان میں ایک دائمی ہیجان اور جنسی خواہشات کی تسکین کا ایک سطحی جذبہ پیدا کرتے ہیں، ان کے اثر سے انسان صبر وضبط سے خالی ہو جاتا ہے، اور ہر ایسے کام سے گریز کرنے لگتا ہے جو ذرا دشوار اور صبر آزما ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب جدید ایسے انسان پیدا ہی نہیں کر سکتی جن

میں فنی تخلیق، ذکاوت اور جرأت ہو، ہر ملک کے صاحب اقتدار طبقہ میں جس کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہے، ذہنی اور اخلاقی قابلیت میں نمایاں انحطاط نظر آتا ہے، ہم محسوس کر رہے ہیں کہ تہذیب جدید نے ان بڑی بڑی امیدوں کو پورا نہیں کیا جو انسانیت نے اس سے وابستہ کی تھیں اور وہ ان لوگوں کو پیدا کرنے میں ناکام رہی جو ذہانت اور جرأت کے مالک ہوں اور تہذیب کو اس دشوار گزار راستہ پر سلامتی کے ساتھ لے جاسکیں جس پر آج وہ ٹھوکریں کھا رہی ہے"۔(۱۹)

اس مادہ پرست تہذیب کے نتیجہ میں خدافراموشی وخودفراموشی اور روحانیت میں مادیت عام ہوگئی، مذہبی حاسہ ختم ہوگیا، ذوق خداطلبی معدوم ہوگیا، خداطلبی کے بجائے دنیاطلبی کا غلبہ ہوگیا، اخلاقیات کا جنازہ نکل گیا اور پست ہمتی اور تن آسانی، رعونت اور غرور وتکبر عام ہوگیا۔

مذہب بیزار تہذیب

تہذیب جدید میں اخلاق کا پیمانہ یکسر بدل گیا، اس لیے کہ اخلاق کا سرچشمہ مذہب ہے، اور مغربی تہذیب وتمدن میں مذہب کا کوئی گزر نہیں، اس میں اخلاق کا پیمانہ مفاد پرستی ہے، جب تک مفاد وابستہ رہتا ہے اخلاق برتا جاتا ہے، اور جیسے ہی مفاد پورا ہوا برتاؤ بدل جاتا ہے، پندرہویں صدی عیسوی میں میکاویلی نے اپنا نظریہ پیش کیا کہ "مقاصد ذرائع کو جائز بنادیتے ہیں" شروع میں یہ نظریہ سیاست کے میدان میں اختیار کیا گیا اور پھر اہل مغرب کی زندگی کے تمام شعبوں میں چھا گیا۔

اس کے بعد سرمایہ دارانہ نظام نے رہی سہی کسر پوری کردی، سرمایہ داروں کی سیاست یہ ہے کہ انسانی معاشرہ میں اخلاقی زوال، عیش پرستی، فیشن پرستی اور نت نئے تکلفات کو رواج دیا جائے تاکہ جنسی عیاشی کے مختلف ساز وسامان، آسائشیں اور لذتیں رواج پاسکیں اور ان پر کوئی مذہبی اور اخلاقی قید باقی نہ رہے۔ عریاں فلمیں، ہیجان انگیز رقص گاہیں، بے حیائی سے پُر صحافت، شراب اور نشہ آور ادویہ، سامان عیش وزینت، معاشرہ کی عریانی، کلب اور

انجمنیں......غرض بے حیائی اور عیاشی کے وہ تمام مظاہر جن پر موجودہ دور کی سینکڑوں صنعتیں قائم ہیں، سب کی سب سرمایہ داری کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں، ان تمام صنعتوں کی تائید اور حمایت کے لیے سرمایہ داری مختلف فلسفوں اور نظریات کا سہارا لیتی ہے، اور اساتذہ، ادباء، فنکاروں، قانون دانوں اور حکومتی نظاموں کو ان کی تائید وتوثیق پر لگادیتی ہے۔اس طرح معیشت بھی مذہب سے جدا ہوگئی، جس طرح اخلاق مذہب سے پہلے ہی جدا ہوگیا تھا۔اس کے بعد مغربی فلاسفہ کے نظریات کے اثر سے جنسی عفت وپاکیزگی کا تصور بھی عنقا ہوگیا اور اور عورت دل بستگی اور جنسی خواہشات کی تکمیل کا ایک سامان بن کر رہ گئی۔(۲۰)

امریکی فلسفی ول ڈیورانٹ (Will Durant) کہتا ہے کہ:

''مغرب میں شادی (نکاح) کی کوئی معنویت نہیں، اس لیے کہ اہل مغرب کے نزدیک شادی محض ایک جسمانی تعلق کا نام ہے، اس کا ماں اور باپ کے رشتہ سے کوئی تعلق نہیں''۔(۲۱)

اسی لئے مغربی معاشرہ میں شوہر اور بیوی کے درمیان جذباتی اور وجدانی تعلق مفقود ہے، اور گھر ایک ہوٹل کے مانند ہے، جس میں ایک مرد اور عورت زوجیت کا پیشہ انجام دیتے ہیں، جس طرح ایک ملازم جوش کے ساتھ اپنا کام انجام دیتا ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح کے گھروں میں بچے والدین کی محبت وشفقت سے محروم ہوجاتے ہیں۔

اباحیت مطلقہ

انیسویں صدی میں ڈارون، فرائڈ اور مارکس نے اپنی تمام تر توجہات اس امر پر مرکوز کردیں کہ انسان کی تحقیر کی جائے، چنانچہ ڈارون نے انسان کو حیوان مطلق بتایا، فرائڈ نے اسے جنس کی گندگیوں میں دھکیلا اور کارل مارکس نے انسان کو مادہ اور اقتصادی عوامل کے سامنے سرنگوں کردیا۔ان نظریات نے نہ صرف تصور انسان پر اثر ڈالا؛ بلکہ عورت اور صنفی تعلقات کے بارے میں صحیح تعلقات کو بھی ملیامیٹ کردیا، اخلاق کی بنیادیں متزلزل کردیں، اور مرد وزن کو شہوت رانی اور لذت پرستی کے دلدل میں ڈالدیا۔

مغرب میں اباحیت اور جنسی بے راہ روی کے اسباب میں جنسی اور غیر اخلاقی جذبات بھڑکانے والے ذرائع، اقتصادی حالات جن کی وجہ سے عورت دفاتر، کالج، اسکول اور بازاروں میں کام کرنے پر مجبور ہے، شادی میں تاخیر، ہیجان انگیز صحافت اور دیگر ذرائع ابلاغ، قانونی اور غیر قانونی عیاشی اور فحاشی کے اڈے، مانع حمل ادویہ کی ایجاد اور ان کا فروغ، منشیات، فحش لٹریچر، عریاں فلمیں، تصاویر، اشتہارات اور عریاں کلب اور اخلاق سوز نظریات ہیں۔

سید قطب شہیدؒ نے اپنی کتاب "الإسلام و مشكلات الحضارة الغربية" میں ایک امریکی رسالہ کے حوالہ سے ان اسباب کو جن کی وجہ سے امریکہ اور یورپ میں بداخلاقی کی غیر معمولی اشاعت ہو رہی ہے، اس طرح بیان کیا ہے:۔

> "تین شیطانی قوتیں ہیں، جن کی تثلیث آج ہماری دنیا پر چھا گئی ہے، اور یہ تینوں قوتیں جو ایک جہنم تیار کرنے میں مشغول ہیں، فحش ہیں (۱) فحش لٹریچر جو جنگ عظیم کے بعد سے حیرت انگیز رفتار کے ساتھ اپنی بے شرمی اور کثرت اشاعت میں بڑھتا چلا جا رہا ہے (۲) متحرک تصویریں (سنیما) جو شہوانی محبت کے جذبات کو نہ صرف بھڑکاتی ہیں؛ بلکہ عملی سبق بھی دیتی ہیں (۳) عورتوں کا گرا ہوا اخلاقی معیار جو ان کے لباس اور بسا اوقات ان کی برہنگی اور سگریٹ کے روز افزوں استعمال اور مردوں کے ساتھ ان کے ہر قید و امتیاز سے نا آشنا اختلاط کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ تین چیزیں ہمارے ہاں بڑھتی چلی جا رہی ہیں اور ان کا نتیجہ مسیحی تہذیب اور معاشرت کا زوال اور آخر کار تباہی ہے، اگر ان کو نہ روکا گیا تو ہماری تاریخ بھی روم اور دوسری قوموں کے مماثل ہو گی جن کو یہی نفس پرستی اور شہوانیت ان کی شراب اور عورتوں اور ناچ رنگ سمیت فنا کے گھاٹ اتار چکی ہے"۔

اور اب موجودہ دور میں انٹرنیٹ، موبائیل، سوشل میڈیا اور دیگر جدید ذرائع ابلاغ نے اس مصیبت میں اور اضافہ کر دیا ہے۔

موسیٰ صبری نے سویڈش یونیورسٹی کے ایک استاد کے حوالہ سے مصری اخبار ''اخبار الیوم'' میں لکھا ہے کہ:

''ہم (سویڈش) اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو کم عمری ہی میں جب وہ ثانوی اسکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہوتے ہیں، انہیں واضح طور پر جنسی تعلیم دیتے ہیں، اس لیے ہمارے یہاں کوئی جنسی مشکل نہیں، لذتِ جنس بھی لذت طعام اور لذت خوش پوشی کی طرح ایک لذت ہے، مرد وزن میں شادی سے قبل ہی جنسی تعلق قائم ہو جانا ایک عادی اور طبعی امر ہے، اور جو شے لڑکے لیے جائز ہو سکتی ہے وہ نوجوان لڑکیوں کے لیے بھی جائز ہو سکتی ہے''۔ (الاسلام ومشکلات الحضارۃ الغربیۃ، از: سید قطب شہید)

جنسی تعلیم کی آزادی نے اخلاقی قدروں کو ملیامیٹ کر دیا ہے، خود ہندوستان میں اس کے بھیانک نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔

تہذیب جدید میں انسان کی تحقیر

خالقین تہذیب جدید کو انسان کی تکریم سے کوئی دلچسپی نہیں؛ کیونکہ اس قسم کا کوئی اقدام ان سے انسان کو وہ مقام دلاتا ہے جو اسے مذہب نے دیا ہے اور یورپ میں سب کچھ درست ہو سکتا ہے؛ مگر یہ درست نہیں ہو سکتا کہ مذہب کا کسی مقام پر تذکرہ آئے، یا انسان کی تمدنی حالت، یا اجتماعی اور معاشی نظام یا اس کے عملی تعلقات وروابط اور فنی طریقوں سے مذہب کا کوئی ربط ہو، بلکہ ان کو اس بات کا انتہائی شوق ہے کہ انسانیت کی تحقیر کریں، اسے گندگیوں میں ملوث کریں، اسے حیوان اور جنس کی نجاست میں لتھڑا ہوا بتائیں، اور اسے مادہ کے جبری قوانین اور معاشیات کی قوت قاہرہ کے سامنے مغلوب ظاہر کریں۔

مغربی سائنسداں الیکسس کارل کہتا ہے:۔

''وحشیانہ مادیت نہ صرف یہ کہ عقلی ارتقا کی راہ میں رکاوٹ ہے، بلکہ نرم خو، شریف، کمزور اور تنہا شخص کو کچل کر رکھ دیتی ہے، اور ایسے لوگوں کو ختم

کر دیتی ہے، جو ذوق جمال رکھتے ہیں اور جنہیں دولت کے علاوہ کچھ اور اشیاء کی بھی ضرورت ہوتی ہے''۔

''تہذیب جدید نے اپنے سفر کا آغاز بڑی خوش کن امیدوں کے ساتھ کیا تھا، مگر یہ تہذیب ایسے انسان پیدا کرنے سے قاصر ہو چکی ہے، جن میں کسی قدر عقل و جرأت ہو اور اس تہذیب کی اس ڈوبتی نیا کو پار لگا سکیں، کیوں کہ انسان نے اس قدر تیز ترقی نہیں کی ہے، جس قدر تیز تہذیب جدید کے ساختہ عقلی نظاموں نے کی ہے؛ چنانچہ دور جدید کی قومیں جس خطرے سے دوچار ہیں اور جس سے ان کے سیاسی قائدین فکر مند ہیں، وہ ان قوموں کا اخلاقی اور عقلی زوال ہے''۔(۲۲)

اس سے معلوم ہوا کہ تہذیب جدید انسان کے لیے نامناسب ہے، کیونکہ یہ انسان کی طبیعت سے ناواقف ہے، اور اس تہذیب میں انسانی خصوصیات کی کوئی رعایت اور انسان پر نازل ہونے والی مصیبتوں کا کوئی تدارک موجود نہیں ہے۔

موجودہ صورت حال

مادی اور مذہب بیزار تہذیب کے اثر سے آج اخلاقی زوال اور انسان کی ناقدری اور انسانیت کی تحقیر میں دنیا کی وہی حالت ہے جو اسلام کی آمد سے قبل انسانی معاشرہ کی تھی، طرح طرح کی مشکلات تھیں، ایک انسان دوسرے انسان کا دشمن اور اس کے خون کا پیاسا بنا ہوا تھا، کسی کا مال و متاع اور عزت و آبرو محفوظ نہ تھی، طاقتور باہم دست و گریباں تھے، معصوم جانیں ظالموں اور باغیوں کی بھڑکائی ہوئی آگ کا ایندھن بن رہی تھیں۔

Civilization Past and Present کے مصنفین نے بازنطینی سوسائٹی کے اخلاقی فساد، تفریح طبع اور پر تعیش زندگی کے عشق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:۔

''بازنطینیوں کی سماجی زندگی میں زبردست تضاد پایا جاتا تھا، ایک طرف مذہبی کٹرپن ان کے ذہنوں میں گہرے طور پر پیوست ہو چکا تھا جس کی وجہ

سے ترک دنیا اور رہبانیت، سلطنت کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی تھی اور معمولی درجہ کا شہری بھی مذہبی بحثوں میں گہری دلچسپی لیتا تھا، دوسری طرف لوگوں کی روزمرہ کی زندگی میں کھیل تماشوں سے غیر معمولی دلچسپی پائی جاتی تھی، کھیلوں کے ایسے میدان تھے جن میں ۸۰ ہزار تماش بینوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی جہاں انسان انسان کے بیچ اور درندوں کے درمیان مقابلہ ہوتا تھا عوام کو ''نیلے'' اور ''ہرے'' دو گروہوں میں بانٹ دیا جاتا تھا، بازنطینیوں میں حسن پرستی بھی عام تھی اور ظلم وشقاوت کا غلبہ تھا، ان کے کھیل تماشے اکثر خونریز اور اذیت رساں ہوتے تھے، وہ سخت سزائیں دیتے تھے اور ان کے خواص کی زندگی عیش وطرب، سازش، تکلفات، اور برائیوں سے مرکب تھی''۔

ایرانی شہنشاہیت کی تصویر کشی جو مزدکیت کے عروج اور تسلط واقتدار کے زمانہ سے متعلق ہے اس طرح کی گئی ہے:

> ''ناموس ادب کا پردہ اٹھ گیا، ایسے لوگ پیدا ہو گئے جن میں نہ شرافت تھی نہ عمل، نہ ان کے پاس موروثی جاگیر تھی اور نہ انہیں خاندان اور قوم کا غم تھا، نہ ان میں صنعت تھی نہ حرفت، نہ انہیں کسی قسم کی فکر دامن گیر تھی اور نہ ان کا کوئی پیشہ تھا، چغلی اور شرارت میں مستعد اور دروغ بیانی اور تہمت میں مشاق تھے، یہی ان کا ذریعہ معاش تھا اور اسی کو وہ تحصیل مال وجاہ کا وسیلہ بناتے'' (بحوالہ نبی رحمت ص: ۴۸)

دنیا کی موجودہ صورت حال کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ تہذیب وتمدن کے وسائل اور عروج وارتقا کے اسباب کی فراہمی کے باوجود اس کی حالت زمانۂ جاہلیت سے مختلف نہیں، اگر اس کی فکر نہ کی گئی تو انسانیت اسی عمیق خندق میں جا گرے گی جس سے اسلام نے اسے بچایا تھا، اور یہ معاشرہ ایک جنگلی معاشرہ کی شکل اختیار کر جائے گا، موجودہ صورت حال انسانیت کے مستقبل کے لئے خطرناک ہی نہیں؛ بلکہ خودکشی کے مرادف ہے۔

مغرب کی موت

یورپی معاشرہ اخلاقی اقدار وروایات، دینی اصول واحکامات کے نہ ہونے کی وجہ سے فساد وبگاڑ، اخلاقی انارکی وابتری کی انتہا کو پہونچ گیا ہے، اس کے نظام حیات کا شیرازہ پورے طور سے بکھر چکا ہے، وہاں کے اہل فکر ودانش جو انسانوں کا دل اور احساس رکھتے ہیں اس کا شدت کے ساتھ احساس کرنے لگے ہیں، بطریرک ج بوکنان (Patrick-JBuchanan) نے اپنی کتاب ''مغرب کی موت'' (The Death of the west.) میں یہ پیشین گوئی کی ہے کہ یورپ میں بہت جلد معاشرہ کا تصور ہی ختم ہوجائے گا، بوکنان کہتا ہے:۔

''یورپ میں تہذیب وتمدن کے ارتقا کی تمام راہیں مسدود ہوچکی ہیں، یہ کوئی قابل تعجب انکشاف نہیں، ہر ایک اس سے واقف ہے، اس لیے کہ یورپ میں قتل وغارت گری، ظلم وزیادتی، عزت وآبرو کی پامالی، خودکشی کے واقعات اور مختلف قسم کے جرائم کا گراف دن بدن بڑھتا جارہا ہے، یہ صورت حال محض ان پسماندہ شہروں کی نہیں جہاں تہذیب وتمدن اور علم کی شعاعیں نہیں پہونچیں؛ بلکہ متمدن اور ترقی یافتہ شہروں کی مثلاً ماسکو، نیویارک، واشنگٹن، لندن، برلن، پیرس، اٹلی اور اسپین ویونان کے اکثر متمدن شہروں کا کم وبیش یہی حال ہے، بعض شہروں میں چوروں اور ڈاکوؤں کے ڈر سے سورج ڈھلتے ہی گھر کے دروازے بند کرلئے جاتے ہیں، مسافروں اور راہگیروں کو ہمہ وقت اپنی جان ومال کا خطرہ دامن گیر رہتا ہے، ان متمدن ملکوں کی نقل کرنے کی وجہ سے مشرق کے کمزور وپسماندہ ممالک کی حالت اور زیادہ سنگین وقابل تشویش ہوتی جارہی ہے''۔

برطانوی فلسفی برٹرینڈ ارتھر ولیم راسل (Bertrand Arthur William Russell) نے لکھا ہے کہ:

''سفید فام کی بالادستی کا زمانہ ختم ہورہا ہے، اس لیے کہ یہ اندر سے

بالکل کھوکھلا ہو چکا ہے، علمی اور مادی ترقیات کے باوجود اس کے پاس نہ تو زندگی کا کوئی صحیح تصور اور عقیدہ موجود ہے اور نہ روحانی واخلاقی قدریں۔"

(المستقبل لھذا الدین، از: سید قطب، ص:۵۶، بیروت، دار الشروق، چھٹا ایڈیشن، ۱۹۸۳ء۔)

جرمنی کا اوسوالڈ آرنلڈ اسپنگر (Oswald Arnold Spengler) کہتا ہے کہ:

نوع انسانی فنا اور ہلاکت کے دہانے پر کھڑی ہے، اور اگر دنیا میں ایک نئی تہذیب برپا نہیں ہوئی تو مغربی تہذیب کے زوال اور فنا کے ساتھ انسانی تہذیب بھی ختم ہو جائے گی"۔ (تدھور الحضارۃ الغربیۃ از: اسپنگر، عربی ترجمہ: احمد شیبانی، ص:۱۷، بیروت، مکتبۃ الحیاۃ ۱۹۶۴ء)۔

الیکسس کارل کہتا ہے کہ:

"تہذیب جدید انسانیت کے نامناسب اور بڑے مشکل مرحلہ میں ہے، اس تہذیب کا ہماری حقیقی معرفت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کی پیدائش میں کچھ علمی دریافتیں، لوگوں کی خواہشات واوہام اور بعض نظریات وافکار کا حصہ ہے باوجود یہ کہ یہ ہماری ہی کوششوں کا نتیجہ ہے، مگر یہ انسانیت کے حجم اور شکل پر بالکل منطبق نہیں ہوتی"۔

(المستقبل لھذا الدین، ص:۶۰۔)

مزید کہتا ہے:۔

"ہر شے کا پیمانہ خود انسان کو ہونا چاہئے، مگر صورت حال اس کے برعکس ہے، انسان بے چارہ خود اپنی پیدا کردہ دنیا میں اجنبی ہے، وہ اپنی دنیا کو از خود منظم نہیں کر سکتا؛ کیوں کہ اسے اپنی طبیعت کی عملی معرفت نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ علوم حیات کے بالمقابل علوم جمادات میں انسان کی بے اندازہ ترقی خود اس کے لیے مصیبت بن گئی ہے، اب جو ماحول خود ہماری عقل اور ایجادات کا پیدا کردہ ہے وہ ہمارے ڈھانچہ اور ہمارے مزاج کے لیے نامناسب ہے، ہم بڑے بدنصیب ہیں، کیوں کہ ہم عقلی اور

اخلاقی دیوالیہ پن سے دوچار ہیں''۔

''جو قومیں آج صنعتی ترقی میں بام عروج کو پہنچ چکی ہیں، یہی کمزور ہوتی جارہی ہیں، اور یہی قومیں سب سے پہلے بربریت اور درندگی کی جانب لوٹیں گی، مگر اس کا کوئی تدارک نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ سائنس نے اس تہذیب کے گرد جس قسم کے بدترین حالات پیدا کردیے ہیں، ان سے بچانے والا کوئی نہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے تمدن نے بھی گزشتہ تمام تمدنوں کی طرح زندگی کے ایسے معین حالات پیدا کردیے ہیں جو بذات خود زندگی کے وجود کو محال بنادیتے ہیں اور اس حقیقت کے اسباب کا ابھی تک علم نہیں ہوسکا ہے، اور موجودہ دور کا انسان جن مصائب سے دوچار ہے وہ اس کے سیاسی، اقتصادی اور سماجی نظام کی پیداوار ہیں'' (۲۳)

امریکا کے سابق وزیر خارجہ جان فاسٹر ڈلاس (Jhon Foster Dulles) نے اپنی کتاب ''حرب أم سلام'' میں ''ہماری روحانی ضروریات'' عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

''ہم نے مادی ترقی خوب کرلی ہے، اب ہمیں مادی ساز وسامان کے لحاظ سے کوئی خطرہ نہیں ہے، لیکن ایک چیز ہمارے معاشرہ کو گھن کی طرح کھائے جارہی ہے اور وہ ہے روحانیت اور صحیح ایمان واعتقاد کا فقدان، یہ ایسا بحران ہے جس کا تدارک نہ تو سائنسداں ہی کرسکتے ہیں اور نہ ماہرین اقتصادیات، پالیسی ساز اور قانون داں ہی، یہ صورت حال بڑی قابل رحم ہے، ہم نے مذہب کو زندگی سے الگ کرکے بڑی غلطی کی ہے، اس لیے کہ مذہب کے بغیر فرد اور جماعت دونوں میں روحانیت پیدا نہیں ہوسکتی'' (۲۴)

کولن ولسن (Colin Wilson) کہتا ہے کہ:

''تہذیب جدید میں تمام عقلی پیمانوں کا زوال ہوچکا ہے، اور موجودہ مذہب بیزار تہذیب نے انسان میں طرح طرح کے امراض پیدا کردیے ہیں، اس لیے کہ ہماری مادی تہذیب میں روحانی پہلو کو بالکل نظرانداز

کردیا گیا ہے اور مادیت الحاد اور لادینیت کی طرف لے جاتی ہے، اور الحاد انسان کی فطرت اور کائنات میں اس کے کردار کا ناقص اور محدود تصور ہے، اس میں اخلاقی اور روحانی قدروں کا کوئی اعتبار نہیں، اس میں انسان کے شعور کو اس کی عقلی اختراعات وترقیات اور خالص مادیت میں قید کردیا جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں وجدانی اور روحانی جذبہ کو کچلنا پڑتا ہے اور لادینی اس سے خلاصی کے لیے سرگرداں رہتا ہے، ہر تہذیب کا ایک انجام مقرر ہے اور وہ اس کو پہنچ کر رہتی ہے، اور میں پورے وثوق ویقین کیساتھ کہتا ہوں کہ مغربی تہذیب اب اپنے انجام کو پہنچ رہی ہے اور وہ ہے تباہی اور ہلاکت" (۲۵)

کولن ولسن اپنی دوسری کتاب "سقوط الحضارة" میں لکھتا ہے کہ:

اس کتاب کا مقصدِ تالیف اس بات کو بیان کرنا ہے کہ زمانہ (مغربی دنیا) کو اب ایک نئے مذہب کی ضرورت ہے، اس لیے کہ کلیسا انسان کی مذہبی امور میں رہنمائی کی صلاحیت کھو چکا ہے، اور انسان بغیر مذہب کے نامکمل ہے"۔ (۲۶)

مشہور مورخ آرنلڈ ٹائن بی (Arnold J Toynbee) کہتا ہے کہ:

مغربی تہذیب کو مذہب ہی بچا سکتا ہے، اس لیے کہ مغربی تہذیب روحانی افلاس کا شکار ہے، جس نے انسان کے وجود کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے، اسے حیوان بنا دیا ہے، اور انسان اپنی انسانی خصوصیات اور اعلی اخلاقی قدروں سے محروم ہو گیا ہے، وہ صرف مادی ڈھانچہ میں محصور ہے، جس کے نتیجہ میں مختلف امراض، مایوسی، ڈپریشن، بے چینی اور بے مقصدیت کا شکار ہے، انسانی معاشرہ جانوروں کے ریوڑ کی طرح ہو گیا ہے جس کا کوئی مقصد نہیں ہوتا اور ادھر ادھر سرگرداں رہتا ہے"۔ (۲۷)

روسی اہل قلم کانسونانٹ جیوروجیو (Consonant Jevrejeva) اپنے ایک ناول "الساعة الخامسة والعشرون" میں لکھتا ہے کہ:

ہم ایک چکر (لٹو کی طرح) ہیں جو جلد ہی ہمارے جسم کو چاک کر دے گا، ہماری ایک ایک ہڈی کو ریزہ ریزہ کر دے گا، ہمیں اس کا پورا پورا احساس ہے، اب ہمیں دنیا میں کسی بھی جگہ پناہ نہ مل سکے گی، فضا مکدر ہو گئی ہے، ماحول متعفن ہو گیا ہے، دم گھٹنے لگا ہے، اور انسان کا جینا دوبھر ہو گیا ہے، بیوروکریسی، فوج، حکومت، قانون اور انتظامیہ سب ہی ماحول کو گندہ اور زہریلا کرنے پر تلے ہوئے ہیں، تا کہ انسان کا دم گھٹ جائے''۔

یہ رومی ادیب تہذیب جدید کا وصف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

تہذیب جدید میں انسان قتل وغارت گری کا خوگر اور خون کا پیاسا ہے؛ سرکش شیطان بن گیا ہے، اس کا چہرہ تو انسانی ہے لیکن وہ انسان نہیں، یہ ایک مشین ہے، ایک شیطان ہے، سب کے سب خون کے پیاسے ہیں، بھوت اور درندے بن گئے ہیں، یہ انسان نہیں ہیں، ایک بھی ایسا فرد نہیں جسے انسان کہا جا سکے، موجودہ تہذیب اس قید خانہ کی طرح ہے جس میں انسان زندگی اور موت کے درمیان رہتا ہے، چاروں طرف سے سیسہ پلائی گونگی دیواریں ہوتی ہیں، آسمان اور افق نظر نہیں آتا، یہاں انسان سرگرداں اور حیران ہے، اسے انجام معلوم نہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا، زندگی کے آثار نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں، اس لیے کہ آسمان سے اس کا رشتہ منقطع ہو گیا ہے، اور تمام راستے مسدود ہو گئے ہیں، انسان کا درد و کرب سنو، سمجھو، اس کی تکلیف کو دیکھو، بے چارہ افلاس اور غربت میں ہے۔ (۲۸)

تہذیب جدید کی قیادت دو کیمپ کر رہے ہیں، سرمایہ دارانہ نظام جس کے علمبردار مغربی یورپ اور امریکہ ہیں، دوسرا کیمپ کمیونزم ہے جس کے علمبردار مشرقی یورپ اور روس ہیں، دونوں ہی کیمپ تہذیب کی بنیاد ''مادیت اور لادینیت'' ''خدا کا انکار'' اور ''دینی وروحانی قدروں کے خون'' پر متفق ہیں، اور دونوں میں ظاہراً جو اختلاف ہے وہ صرف اقتصادی عمارت کے باہری نقشہ اور خارجہ پالیسی میں ہے اور دھیرے دھیرے یہ اختلاف بھی ختم ہو رہا

ہے، لہٰذا صرف مفادات کا اختلاف اور ٹکراؤ ہے، اور یہ اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا، تہذیب کے دائرہ اور اس کے بنیادی اصول میں دونوں ہی برابر ہیں۔

موجودہ تمدن کا خطرناک رجحان

دنیا کی موجودہ صورت حال کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ تہذیب وتمدن کے وسائل اور عروج وارتقا کے اسباب کی فراہمی کے باوجود اس کی حالت زمانۂ جاہلیت سے مختلف نہیں، آج اخلاقی وروحانی قدروں کی بات کرنے والوں اور انسانی زندگی کو صالح اقدار کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرنے والوں کے خلاف جو مہم جاری ہے اس کے اثرات خود انسانیت کے حق میں ضرر رساں ثابت ہوں گے، اس لیے کہ معاشرہ میں خیر پسند عناصر اور اعلی انسانی واخلاقی قدروں کی گرفت اگر کمزور ہوئی تو انسانیت اسی عمیق خندق میں جاگرے گی جس سے اسلام نے اسے بچایا تھا، اور یہ معاشرہ ایک جنگلی معاشرہ کی شکل اختیار کر جائے گا، اس وقت اور خاص طور سے اسلام کے خلاف جو تحریک یورپ سے سرگرمی سے جاری ہے اور اخلاقی قدروں سے بغاوت اور خیر وشر کے درمیان تمیز کی مخالفت جس قوت سے کی جارہی ہے، وہ انسانیت کے مستقبل کے لئے خطرناک ہی نہیں؛ بلکہ خودکشی کے مرادف ہے۔

تہذیب وتمدن محض علوم وفنون اور چند مخصوص افکار ونظریات کا نام نہیں، تہذیب وتمدن کا اطلاق ایک مربوط نظامِ حیات اور جامع وہمہ گیر فلسفۂ زندگی پر ہوتا ہے جن کی بنیاد چند اصولوں پر ہوتی ہے، مہذب اور غیر مہذب کے درمیان فرق صرف یہی ہے کہ مہذب شخص کے پاس زندگی بسر کرنے کے اصول وضوابط اور ایک خاص ضابطۂ حیات ہوتا ہے، جس کی روشنی میں وہ اپنے مراحلِ زندگی طے کرتا ہے، رہا غیر مہذب تو وہ اس دستورِ حیات سے عاری اور ان اصول وقوانین سے محروم ہوتا ہے، وہ خواہشات نفس کا غلام ہوتا ہے، موجودہ تمدن کا رجحان دین واخلاق سے آزاد ہونے کی دعوت پر قائم ہے، اس سے انسان کے اندر نفسانی خواہشات، آوارگی اور بے حیائی کے جذبات ابھر رہے ہیں اور ان میں مزید شدت پیدا ہوسکتی ہے۔ اس طرح موجودہ تمدن حیوانی زندگی کی شکل اختیار کرلے گا، اس

تمدن کے قبول کرنے والے اور اس سے متاثر ہونے والوں کی زندگی، درندوں، بھیڑیوں اور جنگلی جانوروں سے ذرا بھی مختلف نہیں ہوگی، بلکہ خود مغرب کے بعض تجزیہ نگاروں کے مطابق انسان خوبصورت لباس میں بھیڑیے کی مانند ہو جائے گا۔

یورپ میں انسان دوستی، حسن سلوک اور شریفانہ جذبات واخلاق کا نام ونشان نہیں، جیسا کہ مغربی مفکرین کارل الیکس اور بوکنان نے اشارہ کیا ہے، وہ نہایت قوت اور شدومد کے ساتھ موجودہ دنیا کا نقشہ تبدیل کرنے پر اپنی تمام تر توجہات اور اسباب ووسائل صرف کر رہا ہے۔ اس کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ دین واخلاق کا تصور ہی ذہنوں سے نکل جائے، اس کے لیے کانفرنسیں اور سیمینار منعقد کیے جا رہے ہیں اور اس کی تربیت کا نظام قائم کیا جا رہا ہے۔

اسلام ایک مکمل اور ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے

سطور بالا سے یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ تہذیب جدید بلکہ مغرب کی مادی اور صنعتی تہذیب انسانیت کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے اور وہ خود روبہ زوال ہے، اس تہذیب نے جو کچھ انسانیت کو دیا ہے، وہ ہے اعصابی جنون، نفسیاتی امراض، شندوذ، جرائم، ضعف عقل، ضعف جسمانی، اعصابی اور نفسیاتی قوت برداشت کی کمی، انانیت وسرکشی، غرور وگھمنڈ، زر پرستی، زن پرستی، مادہ پرستی، جنسی انارکی، اخلاقی بے راہ روی، روحانی اور انسانی اقدار وروایات کا خون، مقدس رشتوں کی پامالی، خاندانی وگھریلو انتشار وتشدد، ملکی بدامنی وخلفشار اور انتہا پسندی۔

مغرب کی مادہ پرست تہذیب کی لائی ہوئی تباہی وبربادی اور خرابی کا علاج صرف اور صرف اسلامی نظامِ حیات اور اسلامی تمدن میں ہے، اس لیے کہ اسلام محض ایک عقیدہ کا نام نہیں ہے، اور نہ وہ محض چند مذہبی اعمال اور رسموں کا نام ہے، بلکہ انسان کی پوری زندگی کا مکمل ضابطۂ حیات کا نام ہے، اس میں عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات، سیاسیات اور عملی زندگی کے اصول وقواعد الگ الگ نہیں ہیں، بلکہ سب مل کر ایک ناقابل تقسیم مجموعہ

بناتے ہیں، جس کے اجزاء کا باہمی ربط بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ زندہ جسم کے اعضاء میں ہوتا ہے۔ اسلام میں ہر زمان ومکان کے ساتھ چلنے اور ہر دور میں قافلۂ انسانی کی رہبری کی بھرپور صلاحیت موجود ہے، اور اس میں عقیدہ اور تہذیب کی عالمی وحدت کا عنصر غالب ہے۔

ہملٹن گب (Hamilton A.R. Gibb) لکھتا ہے:

''اسلام ایک تصور ہے جو ایک مربوط لیکن مختلف سیاسی، معاشرتی اور مذہبی اجتماعیت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے، اور اس نے مختلف خطوں اور ادوار میں، مقامی، جغرافیائی، سماجی اور سیاسی قوتوں سے اثر پذیر ہو کر مختلف خصوصیات کا اظہار کیا ہے، مثال کے طور پر شمال مغربی افریقہ اور عہد وسطی کے اسپین کا مغربی ایشیا میں اسلام کے مرکز سے گہرا تعلق تھا، ان کی تہذیب اسی مرکزی تہذیب کی ایک شاخ تھی، لیکن انہوں نے کئی امتیازی خصوصیات پیدا کیں جنہوں نے مغربی ایشیا پر بھی اثر ڈالا، دوسرے بڑے اور خود کفیل خطوں، مثلاً تحتی براعظم ہند، انڈونیشیا اور جنوبی روس کے صحرائی علاقوں سے لے کر چین کی سرحدوں تک متوازی عوامل نے اسی طرح امتیازی خصوصیات پیدا کیں، لیکن ان سب نے اور ان میں سے ہر ایک نے آسانی سے قابل شناخت اسلامی رنگ برقرار رکھا'' (۲۹)۔

ولفریڈ کانٹویل اسمتھ (Wilfred Cantwell Smith) لکھتا ہے:

''مسلمانوں کی کامیابی ان کے مذہب کی داخلی کامیابی ہے، وہ صرف میدان جنگ میں فاتح نہیں ہوئے اور انہوں نے زندگی کے مختلف شعبوں پر ہی اثر نہیں ڈالا؛ بلکہ مقابلۃً مختصر عرصہ میں انہوں نے زندگی کو ایک ایسی مجموعی شکل دینے میں کامیابی حاصل کی جسے تمدن کہتے ہیں، اسلامی تہذیب کی تشکیل میں مختلف عوامل جیسے عرب، یونان، شرق اوسط کی سامی تہذیب، ساسانی ایران اور ہندوستانی عناصر نے حصہ لیا، مسلمانوں کا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے ان سب عناصر کو ہم جنس طریقۂ زندگی میں متحد کر دیا اور اسے

مزید ترقی دی، یہ اسلام تھا جس نے اس کی تکمیل کی اور اسے باقی رکھنے کی قوت فراہم کی، زندگی کے ہر رخ کو اس نے اسلامی شکل دی خواہ اس کے ترکیبی عناصر کی ماہیت کچھ بھی رہی ہو۔

اسلامی طرز زندگی نے معاشرہ کو وحدت وقوت عطا کی، متحد رکھنے والی اس قوت میں مذہبی قانون کو مرکزی مقام حاصل تھا، اس نے اپنی طاقتور اور متعین دھارے کے ذریعہ رسوم وعبادات سے لے کر ملکیت تک ہر چیز کو منضبط کر دیا، شرعی قانون نے اسلامی معاشرہ کو قرطبہ سے ملتان تک وحدت عطا کی، اس نے مسلم افراد کو بھی وحدت عطا کی اور اس کی زندگی کے سبھی اعمال کو ملکوتی رنگ دے کر بامعنی بنا دیا، معاشرہ کو تسلسل دے کر اس نے زمانہ کو بھی وحدت بخشی، سلاطین کا سلسلہ آتا اور جاتا رہا لیکن ان کی حیثیت ربانی احکام کے مطابق کرۂ ارضی پر عمرانی زندگی کی تشکیل کی مسلسل کوشش میں محض ضمنی رہی"۔ (۳۰)

اسلام صرف روحانی نشاط کا نام نہیں، بلکہ اسلام تو ساری زندگی کو اپنی رزم گاہ بناتا ہے، وہ زندگی کی ہر صورت اور ہر رنگ میں جلوہ گر ہوتا ہے، اسلام زندگی کے حدود متعین کر دیتا ہے، جس میں وہ گردش کرتی ہے، اسلام کو اپنا محور بنائے رکھتی ہے، عقل وسائنس، صنعت وحرفت، اقتصاد وسیاست، نماز ودعا اور خدا سے ربط وضبط۔ غرض انسانی زندگی کے تمام پہلو اسی محور کے گرد اور انہی حدود کے پابند رہتے ہیں، اسلام مذہب کو ساری زندگی کا ضابطہ قرار دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ ضابطہ اللہ تعالی کا متعین کردہ ہے اور اللہ تعالی کی رضا وخوشنودی یہی ہے کہ اس قانون کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ (۳۱)

اسلام ہی وہ راستہ دکھاتا ہے کہ جس پر چل کر انسان کو نجات مل سکتی ہے، سویڈن کے پادری "ہانس لینڈ ہولم" نے کویت سے نکلنے والے عربی مجلہ "المجتمع" کے ساتھ اپنے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ:

دنیائے انسانیت میں امن وآشتی صرف آسمانی شریعت ہی پر عمل سے

قائم ہوسکتا ہے اور وہ ہے اسلامی شریعت'' (۳۲)

فرانسیسی اخبار (Lejournal Desfinances) کے ایڈیٹر رولان لاسکن نے لکھا ہے کہ:

معاشی بحران پر قابو پانے کے لیے اسلامی شریعت کے نفاذ کی ضرورت ہے، اس لیے کہ اسلام کا اقتصادی نظام ہی اس مشکل پر قابو پا سکتا ہے۔

اٹلی کی ریسرچ اسکالر لوریٹا بابلیونی کا کہنا ہے کہ:

اسلام کا اقتصادی نظام ہی دنیا میں سب سے زیادہ طاقت ور اور مفید ہے، اور اسلام کا بینکنگ نظام ہی یورپ کو اقتصادی دیوالیہ سے باہر نکال سکتا ہے، اور اسی کی رہنمائی میں دنیا میں پائے جانے والے معاشی بحران کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔

فرانس کے ماہر اقتصادیات نوبل اوارڈ یافتہ موریس آلی نے لکھا ہے کہ:

اسلام کا نظامِ زکوۃ و معاش ہی دنیا میں معاشی ناہمواری کو ختم کر سکتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور نظام یہ رول ادا نہیں کر سکتا۔

فرانسیسی اخبار (Challenges) نے لکھا کہ:

موجودہ بحران سے نکلنے کے لیے ہمیں انجیل کے بہ جائے قرآن کے مطالعہ کی زیادہ ضرورت ہے، تاکہ معاشی بحران کے حقیقی اسباب کو سمجھ سکیں، اگر ہمارے ماہرین اقتصادیات اور بینک قرآنی تعلیمات کو پڑھتے، سمجھتے اور برتتے تو ہم معاشی بحران اور دیگر انسانی سانحوں سے دوچار نہ ہوتے۔ (۳۳)

اسلامی تہذیب اور اس کی خصوصیات

اسلام صرف عقیدہ ہی کی دعوت نہیں دیتا، بلکہ وہ تہذیب و تمدن اور ایک نئے طرز حیات کا بانی ہے جو ربانی تہذیب کہلانے کی مستحق ہے، اس تہذیب کے کچھ مخصوص اصول

وارکان اور شعائر وعلامات ہیں جن کے ذریعہ وہ دوسری تہذیبوں اور جاہلی تمدنوں سے ممتاز ہوجاتی ہے، یہ امتیاز روح اور اصل واساس میں بھی نمایاں ہوتا ہے اور تفصیلات ومظاہر میں بھی۔

اس خدا پرست ربانی (اسلامی) تہذیب کے بانی وامام حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تھے، اس کی بنیادیں خدا کی توحید، اس پر ایمان اور اس کے ذکر، فطرت مستقیم اور قلب سلیم، اللہ تعالیٰ کے لحاظ وتقویٰ، نوع انسانی پر رحم اور ذوق سلیم پر رکھی گئی ہیں۔

ابراہیمی اخلاق وطرز حیات اس تہذیب کے رگ وپے میں سرایت کیے ہوئے ہیں، جس کے بارے میں کہا گیا ہے ﴿إن ابراهيم لحليم أواه منيب﴾ ابراہیم بڑے شریف وحلیم، نرم دل اور خدا سے رجوع کرنے والے تھے۔ (سورہ ہود: ۷۵) ﴿إن إبراهيم لأواه حليم﴾ ابراہیم یقیناً بڑے نرم دل اور بڑے شریف اور بردبار تھے۔ (سورہ توبہ: ۱۱۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک طرف اس تہذیب کے بانی ومؤسس تھے، اور دوسری طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ان کے نسلی وارث بھی تھے اس تہذیب کے مجدد اور مکمل تھے، جنہوں نے اس تہذیب میں ازسر نو جان ڈال دی، اور اس میں بقائے دوام کا رنگ پیدا کردیا ہے، اور اس کے اصول وارکان اس طرح مضبوط کیے کہ اسے ایک دائمی اور عالمگیر تہذیب کی شکل دے گئے۔

یہ ابراہیمی محمدی (اسلامی) تہذیب شرک وبت پرستی سے قطعاً ناآشنا ہے اور اسے کسی رنگ میں اور کسی مقام اور زمانے میں اپنانے کے لیے تیار نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک بڑی دعا اور ان کی آرزو یہ تھی کہ "وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ" [سورہ ابراہیم: ۳۵] اور اے خدا مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کو پوجنے لگیں اور ان کی خاص وصیت اور امتوں اور افراد کو یہ دعوت تھی کہ "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ، حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ" [سورہ حج: ۳۰-۳۱] گندگی یعنی بتوں سے بچتے رہو اور جھوٹ کہنے سے بچو، خدا کے لئے خالص ومخلص ہوکر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک کیے بغیر۔

یہ تہذیب حظ النفس اور خواہشات نفسانی پر ٹوٹ کر گرنے، دنیا کی حقیر و بے مایہ سامان پر ریجھنے اور مادہ کے مردار پر کتوں کی طرح غرانے اور جھگڑنے اور عہدوں اور حکومتوں کے لئے لڑنے مرنے کا نام نہیں جانتی، یہ تو وہ دعوت ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ ''تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ '' [سورہ قصص: ۸۳] یہ آخرت کا گھر ہے جسے ہم ان ہی کو دیتے ہیں جو زمین میں بڑا بننے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ فساد مچاتے ہیں اور انجام بخیر تو متقیوں کا ہی ہوتا ہے۔

یہ تہذیب انسان انسان میں فرق کرنا نہیں جانتی اور نہ رنگ و نسل اور قوم و وطن کا بھید بھاؤ پیدا کرتی ہے۔

فالناس كلهم من آدم و آدم من تراب لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي إلا بالتقوى " يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ" [سورہ الحجرات: ۱۳]

سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں؛ مگر تقوی کے لحاظ سے، اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور تمہیں گروہوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو، تم میں سے خدا کے نزدیک معزز تم میں کا متقی شخص ہے۔

اور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ليس منا من دعا إلى عصبية وليس منا من قاتل على عصية وليس منا من مات على عصبية" [ابوداؤد]

وہ ہم میں سے نہیں جس نے جاہلی جتھا بندی کی دعوت دی، اور جو جاہلی جتھابندی کے لئے لڑا اور جاہلی جتھابندی کے پیچھے مرا۔

اور انصار و مہاجرین کی دہائی دینے والوں کو سرزنش فرمائی۔

دعوها فإنها منتنة۔ (بخاری)

اس تہذیب کو ترک کر دو یہ گندگی اور مردار ہے۔

یہ وہ تہذیب ہے جس کا شعار اور طغرائے امتیاز عقائد کے دائرے میں توحید، معاشرت کے میدان میں مساوات انسانی اور احترام آدمیت، اخلاق کے بارے میں خدا کا خوف، اس سے حیا اور تواضع وانکساری ہے، میدان عمل میں آخرت کی جدوجہد اور اللہ کے راستہ میں جہاد، میدان جنگ میں رحم کا جذبہ اور حدود کی پابندی اس کی خصوصیت ہے، یہ تہذیب حکومت کے طور وطریق اور نظم ونسق میں مالی مفاد پر دینی مفاد کو، تحصیل ووصول اور اضافۂ آمدنی پر ہدایت کو، نفع اٹھانے سے زیادہ نفع پہنچانے، خدمت لینے سے زیادہ خدمت کرنے کے اصول کو ترجیح دیتی ہے، یہ تہذیب تاریخ میں اپنی مخلصانہ انسانی خدمت اور انسانیت کو جاہلیت کے چنگل اور سرکش اور گمراہ دعوتوں سے نجات دلانے اور صفحۂ عالم پر اپنی دلکشا یادگاروں اور اپنی پھیلائی ہوئی برکتوں کے لئے نیک نام اور زندۂ جاوید ہے۔

یہ تہذیب اللہ کے نام اور اس کے ذکر وفکر کے خمیر سے تیار ہوئی ہے، اور خدائی رنگ میں رنگی ہوئی ہے، اور ایمان کی بنیادوں پر تعمیر ہوئی ہے، اس لئے اسے اس کے دینی رنگ سے جدا کرنا کسی طرح ممکن نہیں اور نہ ربانی رنگ اور ایمانی آہنگ سے اس کی علاحدگی ممکن ہے۔ (۳۴)

اسلام کی ایک امتیازی خصوصیت تہذیبی وحدت ہے، جو بڑی حد تک احکام شرعیہ اور اخلاقی تعلیمات کی بنیاد پر (معیاروں اور ان پر عمل کی نوعیت کے اختلاف کے باوجود) قائم ہے، اس اختلاف سے مفر نہیں جو اسلام لانے والی قوموں، ملکوں، زمانوں اور حکومتوں کے اختلاف کا نتیجہ ہے، مگر اسلامی تہذیب اپنی ایک مخصوص چھاپ رکھتی ہے اور عقیدہ میں توحید، معاشرت میں احترام انسانیت اور مساوات، اخلاق اور طرز عمل کے معاملہ میں دوسری تہذیبوں کے مقابلہ میں خوف خدا، حیاء اور تواضع رکھتی ہے، اسی طرح عمل کے میدان میں سعی آخرت اور اللہ کے لئے جہاد، میدان جنگ میں (دوسری معاصر مادی تہذیبوں کے بالمقابل) رحمت ومروت اور انفرادی وخانگی زندگی میں "طہارت" کی ممتاز علامت رکھتی ہے، اور جو اس نظافت اور صفائی سے بلند تر اور الگ حقیقت ہے جو ترقی یافتہ اور صالح تہذیبوں میں مشترک ہے۔

اسلامی تہذیب کا ضمیر وخمیر

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی لکھتے ہیں:۔

''اسلامی تہذیب ایسی تہذیب ہے جس کا ضمیر وخمیر اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی اور اس کا یقین وایمان ہے، وہ خدائی رنگ میں رنگی ہوئی ہے، اور ایمان واذعان کی بنیادوں پر قائم ہے، اس لیے اس کو دینی رنگ اور ربانی آہنگ اور ایمانی روح سے الگ کرنا ممکن نہیں، اور اس پر جب بھی قومی عصبیت، جاہلی حمیت، نسلی کشمکش، مادی ہوس، اخلاقی زوال یا معاشرتی انارکی طاری ہوئی ہے تو وہ عارضی طور پر، یا خارجی اثرات، یا اس ماحول ومعاشرہ کی دین رہی ہے جس سے کوئی اسلامی عنصر نکلا ہے، یا اس میں اسلامی ثقافت سے عدم تاثر واستفادہ اور قرآن کریم اور حدیث نبوی اور اسلامی کے اولین واساسی مصادر سے عدم اشتغال کو دخل رہا ہے''۔(۳۵)

اسلامی تمدن اور مغربی تمدن میں فرق

اسلامی تہذیب خالق کائنات، اس کی ربوبیت، الوہیت، خلاقیت، رزاقیت اور اس کے شریعت وقانون کی قائل اور داعی ہے، جبکہ مغربی تہذیب ان سب مسلمات کی باغی اور منکر ہے اور مادیت کی پرستار، نفس کی غلام اور ربوبیت کی دعویدار ہے، اسلامی تہذیب وتمدن کی رو سے انسان رب العالمین اور خالق کائنات کی مخلوق، روئے زمین پر اس کا نائب اور مسجود ملائکہ ہے، اور مغربی تمدن میں انسان جانور کی ترقی یافتہ شکل ہے، اسلامی تمدن میں دنیاوی زندگی عارضی اور دارالامتحان ہے اور اصل اخروی زندگی ہے جو دائمی ہوگی، اور مغربی تمدن میں دنیاوی زندگی ہی سب کچھ ہے اور اخروی زندگی کا کوئی تصور نہیں، اسلامی تمدن میں عبادات کا پورا نظام طہارت سے مربوط ہے اور مغربی تمدن زیادہ سے زیادہ نظافت کے مفہوم سے آشنا ہے، اسلامی تمدن عفت نظر، عفت قلب اور عفت خیال کا قائل اور داعی ہے، مغربی تمدن صرف قانونی اور زیادہ سے زیادہ عرفی حدود کا احترام کرتا ہے اور اگر عرف، ماحول اور متعلق فریق کو اس پر

اعتراض نہیں ہے تو اس کے نزدیک کوئی فعل غیر مستحسن اور غیر عفیفانہ نہیں، اسلامی تمدن حجاب وپردہ کا حامی ہے اور وہ شریعت کی دی ہوئی اجازتوں اور استثناؤں کے دائرہ کے اندر شدت سے اس کا پابند ہے، مغربی تمدن حجاب وپردہ کے ابتدائی حدود ومفہوم سے بھی نا آشنا ہو چکا ہے اور اس نے اپنے آغاز سفر میں ہی اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اسلامی تمدن مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کا مخالف ہے اور اس کو معاشرہ کے لیے مضر اور بہت سی اخلاقی خرابیوں کا موجب سمجھتا ہے، مغربی تمدن اس کو زندگی کی بنیاد اور ایک بدیہی حقیقت سمجھتا ہے۔ (۳۶)

ان اصولی اختلافات کے علاوہ دیگر معاملات اور بہت سی جزئیات میں دونوں کے موقف اور نقطۂ نظر نہ صرف مختلف بلکہ متضاد ہیں۔ اسی وجہ سے مغربی تمدن اختیار کر کے اسلام کے نظام طہارت وعفت، تستر وحیا، سادگی واعتدال، سنت اور نبویؐ اسوہ کے راستہ پر باقی نہیں رہا جا سکتا۔ صرف مستقل طور پر مغربی تمدن اختیار کر لینے ہی سے یہ دشواریاں پیدا نہیں ہوتیں، عارضی طور پر بھی مغربی زندگی اور ماحول میں تھوڑا سا وقت گذارنے کی حالت میں بھی یہ سب دشواریاں پیش آتی ہیں۔

تمدن کی اہمیت

تمدن کی جڑیں، انسانی نفسیات اور قوم کے جذبات اور احساسات کی گہرائیوں تک اتری ہوئی ہوتی ہیں، اور کسی قوم کو اس کی مخصوص تہذیب وتمدن سے الگ کر دینا جو اسکے دین وشریعت کے سایہ میں پروان چڑھا ہے، اور مخصوص دینی ماحول میں اس کا نشو نما ہوا ہے، اسے کارزار حیات سے الگ، اور عقیدہ وعبادت اور دینی رسوم تک محدود کر دینے اور اس کے حال کو اس کے ماضی سے کاٹ دینے کے مرادف ہے، اس کا قوموں اور انسانی معاشروں پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے اور بالآخر وہ معاشرے ان معاشروں میں ضم ہو گئے ہیں، جن کی تہذیب انہوں نے اپنائی تھی، اور اس طرح وہ آسانی کے ساتھ رفتہ رفتہ اپنے بنیادی عقائد اور مسلک حیات سے بھی الگ ہو گئے ہیں جس کو وہ دانتوں سے پکڑے ہوئے تھے۔

مغربی تہذیب کا خطرہ

اسلامی شخصیت اور ملت اسلامیہ کے وجود کے لیے مغربی تمدن کے خطرناک ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زندگی کی سہولتوں سے استفادہ اور مغرب کی دریافت کردہ سائنس اور ٹکنالوجی، ایجادات اور تفریح وسہولت کے وسائل کو مطلق حرام کہہ دیا جائے، اور یہ دروازہ بالکل بند کردیا جائے، اسلام ہمیشہ وسیع ذہن کا مالک اور ہر صالح اور مفید شے سے استفادہ کرنے کے سلسلہ میں فراخ دل اور کشادہ چشم رہا ہے اور رہے گا، لیکن اس معاملہ میں مغربی تمدن کا مفہوم آلات وایجادات اور زندگی کے مفید تجربات سے استفادہ وسیع معنوں پر مشتمل ہے، اور وہ افکار واقدار اور مفاہیم ومطالب بھی اس میں شامل ہیں جن پر مغربی تہذیب کی بنیاد ہے، پوری زندگی کو مغربی رنگ اور تمدنی منصوبہ بندی کا تابع کرنا، اس طرز حیات کو اپنانا جو اسلامی معیار طہارت ونظافت اور اعتدال ومیانہ روی سے بیگانہ ہے، آداب شریعت اور سنت نبویؐ پر عمل کی راہ میں بھی رکاوٹ بن جاتا ہے، اور اس اسلامی زندگی سے بھی بہت دور کردیتا ہے، جس کا نمونہ رسول خداؐ، صحابہ کرامؓ اور ان کے صحیح متبعین نے دنیا کے سامنے پیش کیا، وہ امت پر ایک اجنبی رنگ چڑھا دیتا ہے، جس کے بعد وہ صرف اپنے ناموں یا اپنے ملی وقومی لباسوں سے یا اس کی مسجدوں سے بلند ہونے والی اذانوں یا مختلف ملکوں میں کم وبیش تعداد میں مسجد جانے والوں سے پہچانی جاتی ہے، گویا اسے اسلام سے رسوم کا ایک باریک دھاگہ باندھے ہوئے ہے جو خدانخواستہ اگر ٹوٹا تو ہر چیز ٹوٹ کر بکھر جائے گی۔ (۳۷)

اسلامی تہذیب کیسے مؤثر ہو سکتی ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ امت مسلمہ انسانی تہذیب پر اس حالت میں اثر انداز نہیں ہو سکتی کہ وہ خود دوسری تہذیبوں کے دسترخوان کی ریزہ چیں ہو اور ان کے سرچشمہ سے سیراب ہو رہی ہو، اور ان کے اثرات میں گلے گلے ڈوبی ہوئی ہو، وہ اس صورتحال میں تو اوروں کو متوجہ بھی نہیں کرسکتی چہ جائے کہ وہ دوسری قوموں کو اپنی تقلید پر آمادہ کرسکے۔ ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ پوری طرح اس بات پر یقین رکھتی ہو کہ اس کی تہذیب وثقافت مستقل بالذات اور ربانی وآسمانی

خصوصیات رکھتی ہے، ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لئے مناسب ومفید ہے، مضبوط بنیادوں پر قائم اور کتاب وسنت سے ماخوذ اور ربانی ہدایات اور نبوئ تعلیمات پر مبنی ہے اور اس میں عفت وطہارت کا ایک خاص تصور ہے، کیونکہ اس کی طہارت صرف نظافت کے مرادف نہیں اور نہ اس کے یہاں عفت کا مفہوم اخلاقی غلطیوں سے اجتناب تک محدود ہے؛ بلکہ اس کے وسیع معانی اور دوررس اور ہمہ گیر مفاہیم ہیں، اسلامی زندگی مغربی تہذیب سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، جس کا نشونما مخصوص تاریخی عوامل کے زیر اثر اور ایسے ماحول میں ہوا ہے: جس پر مادیت کا غلبہ تھا اور ایک طویل عرصہ تک اس پر مذہب دشمنی، اخلاق اور صالح اقدار سے بغاوت کی حکمرانی تھی، جیسا کہ اس تہذیب اور اس کی تاریخ کے ایک بڑے واقف کار ڈاکٹر علامہ اقبال کا کہنا ہے:

فساد قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

تمدنی سہولتوں اور نئی مصنوعات کی ایجادات اور سائنس کی معلومات اور اسلامی تہذیب کے جلال و جمال، سادگی وحقیقت پسندی، طہارت ونظافت پر توجہ، اسراف وفضول خرچی اور خارجی مظاہر ونمائش سے پرہیز کا باہمی اتفاق واجتماع اس وقت بہت آسان ہے، جب اسلامی حکومتوں اور معاشروں کو مستقل غیر تقلیدی وغیر عاجلانہ اور احساس کمتری سے دور رہتے ہوئے تمدنی منصوبہ بندی کی توفیق ہو، اور ان میں ذہانت کی چمک اور اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب کے اثر سے ایمان وانفرادیت موجود ہو، جس کی وہ مرہون منت ہیں اور اس کے ساتھ ان میں اپنے اسلامی تشخص وامتیاز پر فخر کا جذبہ بھی کارفرما ہو۔ (۳۸)

تہذیبی لائحہ عمل کیا ہو؟

تہذیبی لائحہ عمل، محنت وذہانت، تخلیق واجتہاد اور جرأت وعزم کا نام ہے، وہ نقل وتقلید اور جزوی اصلاح وترمیم کا نام نہیں، اسلام نے حلال وحرام کے حدود قائم کرکے ان کے توڑنے کی ممانعت کردی ہے اور پاک اور بے ضرر تفریح کے لیے (جو اسراف اور حق تلفی، فحش وگناہ سے خالی ہو) بڑی گنجائش دے رکھی ہے، وہ اس زندگی کو ناپسند کرتا ہے جو شریف وبہادر مردوں کے شایان شان نہیں، اور یہی روح لباس وغذا، معاشرت واجتماع،

تفریح ولذت اندوزی کے اسلامی احکام میں کارفرما ہے، اجتماعی مصالح کی رعایت، مفاسد اور مضرتوں سے اجتناب، فوجی طاقت اور دفاع کی تیاری اور علم وحکمت کے صالح اور نافع پہلو کو اختیار کرنے کی وہ نہ صرف اجازت بلکہ ترغیب دیتا ہے، بشرطیکہ یہ چیزیں اسلامی قومیت وشخصیت کی قیمت دے کر نہ حاصل کی جائیں، اور ان سے امت میں احساس کہتری، بے اعتمادی، عاجلانہ وسطحی تقلید، دوسروں کی نقل کا مجنونانہ شوق اور ان کی زندگی پر رشک بے پایاں کے جذبات نہ پیدا ہوں۔

یہ ایسی تہذیب کے اصول ہیں جن میں ریشم کی نرمی بھی ہے اور فولاد کی سختی بھی، نرمی حقیقی وفطری ضرورتوں اور جائز تقاضوں کی تکمیل اور حقائق کو تسلیم کرنے میں ہے جو تخیل اور مبالغہ پر مبنی نہ ہوں، اور سختی عقیدہ واخلاق کے حدود پر ثابت قدمی کے سلسلہ میں ہے، اسلامی تہذیب کھلے ذہن وضمیر کی مالک ہے، وہ ان ترقی پذیر علوم وفنون اور انسانی تجربوں سے فائدہ اٹھانے میں جو کسی خطہ زمین یا کسی دور تاریخ میں کیے گئے ہوں، بہت کشادہ قلب واقع ہوئی ہے، بشرطیکہ وہ اس کے بنیادی اصولوں اور مقاصد کے منافی نہ ہو اور دین واخلاق کے لیے فتنہ کا سامان نہ بنیں۔ (۳۹)

مذہب واخلاق

مذہب سرکشوں کو سرکشی سے، ظالموں کو ظلم سے اور مجرموں کو ارتکاب جرم سے باز رکھنے کی قوت رکھتا ہے، اس لیے کہ وہ خدائی احکامات اور آسمانی تعلیمات کی حقیقت پر مبنی ہے، اس میں انسانی زندگی گذارنے اور دوسرے انسانوں کے ساتھ سلوک کرنے کے اصول وضوابط ہوتے ہیں اور انسان میں ایک ایسی داخلی قوت تمیز پیدا کر دیتا ہے جس سے انسان ہر کام کرتے وقت محاسبہ کا تصور رکھتا ہے، جس کے خیال سے وہ خود بخود برائی سے رک جاتا ہے، مذہب انسان کو اس کے فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ کرتا ہے اور اس کے دل میں نفع وضرر اور سود وزیاں کا احساس پیدا کرتا ہے اور یہ خوف پیدا کرتا ہے کہ اس کے ہر عمل کو ترازو میں تولا جا رہا ہے اور کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے اور اس کے لیے وہ جوابدہ ہے، یہ احساس عمیق

اور ہمہ گیر ہوتا ہے۔ جس کا دائرہ اثر دنیا کی اس دوروزہ زندگی ہی تک محدود نہیں رہتا؛ بلکہ اس عالم فانی کے بعد ابدی زندگی میں نفع وضرر کا یہ احساس پوری قوت کے ساتھ ذہن ودماغ پر مستولی رہتا ہے، مذہبی تعلیمات ہی کی روشنی میں انسان خیر وشر اور نیک وبد کے درمیان تمیز کرتا ہے، مذہب ہی کے ذریعہ سے انسان کے دل میں اٹوٹ محبت، الفت ومودت، ایثار وہمدردی، قناعت وخیر سگالی کے شریفانہ جذبات انگڑائیاں لیتے اور خدا کی جانب سے عطا ہونے والے بے پایاں اجر وثواب کی آس بندھاتے ہیں، مذہب کی وجہ سے انسان کے اندر محاسبۂ نفس کا وہ تصور پیدا ہوتا ہے جو اسے زندگی کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے اور خواہشات نفسانی کے دام فریب میں گرفتار ہونے سے بچاتا ہے، چنانچہ جب کبھی برے خیالات، شیطانی وساوس اسے ارتکاب جرم پر آمادہ کرتے ہیں تو محاسبہ نفس کا یہی تصور سدِّ آہن بن کر اس کی راہ میں کھڑا ہو جاتا ہے، اسی پر بس نہیں، خلوت وجلوت میں یہی جذبہ انسان کو کار خیر اور اچھے عمل کی تلقین کرتا ہے، یہی احساس رات کے اندھیرے میں یا تنہائی میں جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو یا کوئی منع کرنے والا نہ ہو اسے برائی سے روکتا ہے۔

مادیت

مادیت انسان کے اندر حرص وہوس، اخلاق ذمیمہ اور لالچ وطمع کے جذبات پیدا کرتی ہے، مادیت مالداروں کو عناد وسرکشی، کبر ونخوت، تکبر وخودسری کا شکار بناتی ہے، طاقت واقتدار کے مالکوں میں سرکشی اور جبر وقہر کا جذبہ پیدا کرتی ہے، اسی طرح مادی علم ودانائی، انانیت اور خودسری پیدا کر دیتی ہے، اگر مادی طاقت وقوت اور دولت کو کنٹرول کرنے اور ان میں توازن پیدا کرنے والی کوئی قوت نہ ہو، تو اس طاقت وقوت کے نشہ میں طاقتور کمزوروں پر ظلم کرتا ہے اور مال ودولت کے غرور میں بھی انسان غریب وبے آسرا لوگوں کو عزت ووقار کی نگاہ سے نہیں دیکھتا، یہ صلاحیتیں دوسروں کے حقوق سلب کرنے کا محرک بن جاتی ہیں۔

مذہب کا مقصد

مذہب کا مقصدِ وجود ہی یہ ہوتا ہے کہ خدائی احکامات وقوانین اور ربانی اصولوں کے

مطابق انسانی زندگی کی تعمیر و تشکیل کا ایک ضابطہ مقرر کیا جائے، جو متوازن ہو اور ذمہ داری کے احساس پر مبنی ہو، اس میں رضائے الٰہی اور مقصود ربانی کا ہر وقت خیال ہو، وہ انسانی زندگی کے گرداگرد محرمات اور ممنوعات کا ایک دائرہ کھینچتا ہے، انسان کو ہلاکت وتباہی کی طرف لے جانے والے راستوں کی نشاندہی کرتا ہے اور اسے ان حدود کو پار کرنے سے منع کرتا ہے، مذہب کا بنیادی نقطۂ نظر ہی یہ ہے کہ تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور پورا انسانی معاشرہ ایک خاندان کی حیثیت رکھتا ہے، اس خاندان کا ہر فرد دوسروں کا تعاون کرنے اور مشکلات میں اس کی مدد کرنے کا مکلف ہے، وہ اپنے پیروکاروں کو اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ طاقتور اپنی طاقت کے ذریعہ، مالدار اپنی دولت کے ذریعہ اور صاحب علم وکمال اپنے علم وفضل کے ذریعہ سے ضعیف وناتواں، فقیر و بے آسرا جاہل وناخواندہ انسانوں کی مدد کرے۔

صالح معاشرہ کی بنیاد

جس معاشرہ میں یہ خیر پسند جذبات اور نیک احساسات جلوہ گر ہوں گے تو وہ معاشرہ اتحاد ویگانگت، مساوات وہمدردی، غمخواری وغمگساری کی روح سے لبریز ایک مثالی معاشرہ ہوگا، وہاں نہ کسی کی حق تلفی ہوگی، اور نہ اختلاف رائے ٹکراؤ کی طرف لے جائے گا، اگر کسی وجہ سے ناچاقیاں اور دوریاں پیدا بھی ہوئیں تو اس معاشرہ کے اہل خیر، روشن دماغ اور اصحاب فضل وکمال کو مکلف کیا گیا ہے کہ مال ودولت طاقت وقوت اور علم وفضل کے ذریعہ بہت جلد ان مشکلات کا تدارک اور ازالہ کردیں، وہ ہر مسئلہ صلح وصفائی، عفو ودرگذر اور آپسی اتفاق سے حل کرنے کی دعوت دیتا ہے، اگر کوئی اس صلح سے سرکشی کرتا ہے، تب اس کے خلاف محدود طاقت کے استعمال کی اجازت دیتا ہے، اس میں خیر کی دعوت، اور شر کو روکنے کی دعوت دی گئی ہے، تاکہ سماج میں خیر بڑھے اور شر کم ہو۔

مذہب بیزار سماج

لیکن جس معاشرہ سے دین ومذہب کی یہ بالادستی ختم ہوجاتی ہے اور تمام اخلاقی بندشیں اٹھ جاتی ہیں تو اس معاشرہ کا رخ، شر وفساد، ہلاکت وتباہی اور برائیوں کی طرف

ہو جاتا ہے، پھر اس معاشرہ کے افراد کو نہ دینی اخلاقی تعلیمات کی کوئی پرواہ ہوتی ہے اور نہ ہی اخلاقی بندشوں کا کوئی پاس ولحاظ ہوتا ہے، بلکہ وہاں رفتہ رفتہ محرمات وممنوعات کے ارتکاب کو جائز ومباح خیال کیا جانے لگتا ہے، نتیجتاً اس معاشرہ میں نت نئے مسائل جنم لیتے ہیں اور طرح طرح کی مشکلات کا ظہور ہوتا ہے، اگر کسی مسئلہ کا حل تلاش بھی کرلیا جاتا ہے تو صرف عارضی اور وقتی ہی ثابت ہوتا ہے، اور بسا اوقات مسائل کا یہ حل زہریلی جڑی بوٹیوں کی طرح ایک نئی مشکل کا سبب بن جاتا ہے جن سے مختلف قسم کے امراض کا علاج بھی ہوتا ہے اور بسا اوقات ان سے مختلف قسم کے امراض جنم لیتے ہیں اور وہ دوائے درد کے بجائے اضافہ درد اور تریاق کے بجائے زہر ہلاہل کا کام انجام دیتی ہیں۔

مسلم ممالک کا کردار اور وقت کی ضرورت

موجودہ دور میں یورپ اور امریکہ کی مصنوعات اور وہاں کی کمپنیوں سے گذر اوقات کرنے والے ممالک کے فرمانرواؤں کو ایسے احکامات صادر کیے جارہے ہیں جن سے اسلامی تہذیب وتمدن، اخلاقی اقدار وروایات اور دینی فلسفہ حیات کا خاتمہ ہوسکے، اگر اس مہلک اور اخلاق وکردار کی تخریب کاری کا یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا تو اس وقت دنیا کا نقشہ وہی ہوگا جو زمانہ جاہلیت میں تھا اور انسانیت ایک تاریک ترین دور میں زندگی گزارنے پر مجبور ہوگی۔

لہٰذا مسلم ممالک کی ذمہ داری ہے کہ اس خطرہ کا فوری تدارک کریں اور ٹھوس لائحہ عمل طے کریں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> ''عصر جدید میں جبکہ مغربی تہذیب اپنے ارتقا کے آخری نقطہ پر پہنچ گئی ہے، اور مسلم ممالک اپنے مخصوص حالات اور تاریخ کی بنا پر اس میں مساویانہ حصہ نہیں لے سکتے، اور اگر بالفرض ایسا ممکن ہو تو ان کے لیے اپنے عقیدہ، مسلک زندگی، مقاصد اور مخصوص نوعیت کی بنا پر ایسا کرنا ممکن

اور جائز بھی نہیں، یہ ان کی ملی موت اور اجتماعی خودکشی کے مرادف ہے، اس حالت میں تقلید و پیروی اور انکار سلبیت کے درمیان ایک محفوظ، بلند و باعزت راہ ہے، یہ نہ صرف ان ممالک کے منصب و مقام کے شایان شان ہے، بلکہ تاریخ جدید کا سب سے بڑا انقلاب انگیز اقدام اور وقت کا سب سے اہم اور مقدس کام ہے، یہ ہے خود تہذیب جدید کی رہنمائی، اس میں زندگی کی نئی روح پھونکنا، اس کو صالح مقاصد اور سفر کی صحیح منزل عطا کرنا، اس کو نبوت کی عطا کی ہوئی ایمان و محبت کی دولت سے آشنا کرنا اور اس کی اصلاح و تکمیل کی وہ خدمت جو صرف مسلم ممالک ہی انجام دے سکتے ہیں اور جس کی اس عہد میں کوئی جرأت نہیں کر رہا ہے"۔(۴۰)

حوالہ جات

(۱) الشباب المسلم والحضارة الغربية، از: حسن حسن سلیمان، ص:۱۵۔

(۲) مغربی تہذیب انحطاط کی شاہراہ پر، از: اکرام اللہ، ص:۷۔

(۳) عالم اسلام دجالی تہذیب کی زد میں، از: محمد موسیٰ بھٹو، ص:۵-۹۔

(۴) Islam At The Cross Road، (عربی ترجمہ "الاسلام علی مفترق الطرق") ص:۳۹، بیروت، دار العلم للملایین، ۱۹۷۸ء۔

(۵) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، از: مولانا سید ابوالحسن حسنی ندوی، ص:۱۹۷، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنو، ۲۰۱۰ء۔

(۶) تاریخ اخلاق یورپ از: لیکی، ترجمہ: مولانا عبدالماجد دریابادی، ص:۲۷۶-۲۷۹۔

(۷) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، از: مولانا سید ابوالحسن حسنی ندوی، ص:۱۹۹۔

(۸) Islam At The Cross Road، ص:۳۸-۳۹۔

(۹) معرکۂ مذہب وسائنس، مترجمہ: مولوی ظفر علی خاں، ص: ۴۹-۵۰۔

(۱۰) پردہ، از: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، ص: ۲۱۰، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور۔

(۱۱) تاریخ اخلاق یورپ از: لیکی، ترجمہ: مولانا عبدالماجد دریابادی، جلد دوم، ص: ۱۰۴۔

(۱۲) الاسلام وبنو اسرائیل از: جواد رفعت اتلخان، ص: ۶۱-۶۴، ترجمہ عربی: یوسف ولیشاہ، ریاض، جامعۃ الامام محمد بن سعود، ۱۴۰۴ھ۔

(۱۳) ایضاً: ۶۵-۶۸۔

(۱۴) الاسلام والغرب، از: ڈاکٹر انور جندی، ص: ۲۲۷۔

(۱۵) البروتوکول التاسع والبروتوکول الرابع عشر، ص: ۱۳۰ و ۱۴۲۔

(۱۶) بروتوکولات حکماء صہیون، ص: ۳۱-۳۲۔

(۱۷) المخططات العالمية لمكافحة الإسلام، از: محمد محمود صواف، دمام، دارالاصلاح، ۱۹۷۹ء۔

(۱۸) ریاست، از: افلاطون، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، از: مولانا سید ابوالحسن حسنی ندوی، ص: ۲۰۱۔

(۱۹) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، از: مولانا سید ابوالحسن حسنی ندوی، ص: ۲۶۶۔

(۲۰) جاهلية القرن العشرين، از: محمد قطب، ص: ۱۵۷

(۲۱) ایضاً ص: ۱۴۰۔

(۲۲) الاسلام ومشكلات الحضارة الغربية، از: سید قطب شہید، ترجمہ: ساجد الرحمٰن صدیقیہ اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی، سن ۲۰۰۲ء۔

(۲۳) ایضاً ص: ۱۲۲۔ والمستقبل لهذا الدين، ص: ۶۱

(۲۴) المستقبل لهذا الدين، ص: ۶۵-۷۱۔

(۲۵) تهافت العلمانية، ص: ۱۲۸-۱۴۴۔

(۲۶) تهافت العلمانية، ص: ۱۴۵-۱۴۸۔

(۲۷) تهافت العلمانية، ص: ۱۶۲-۱۷۱

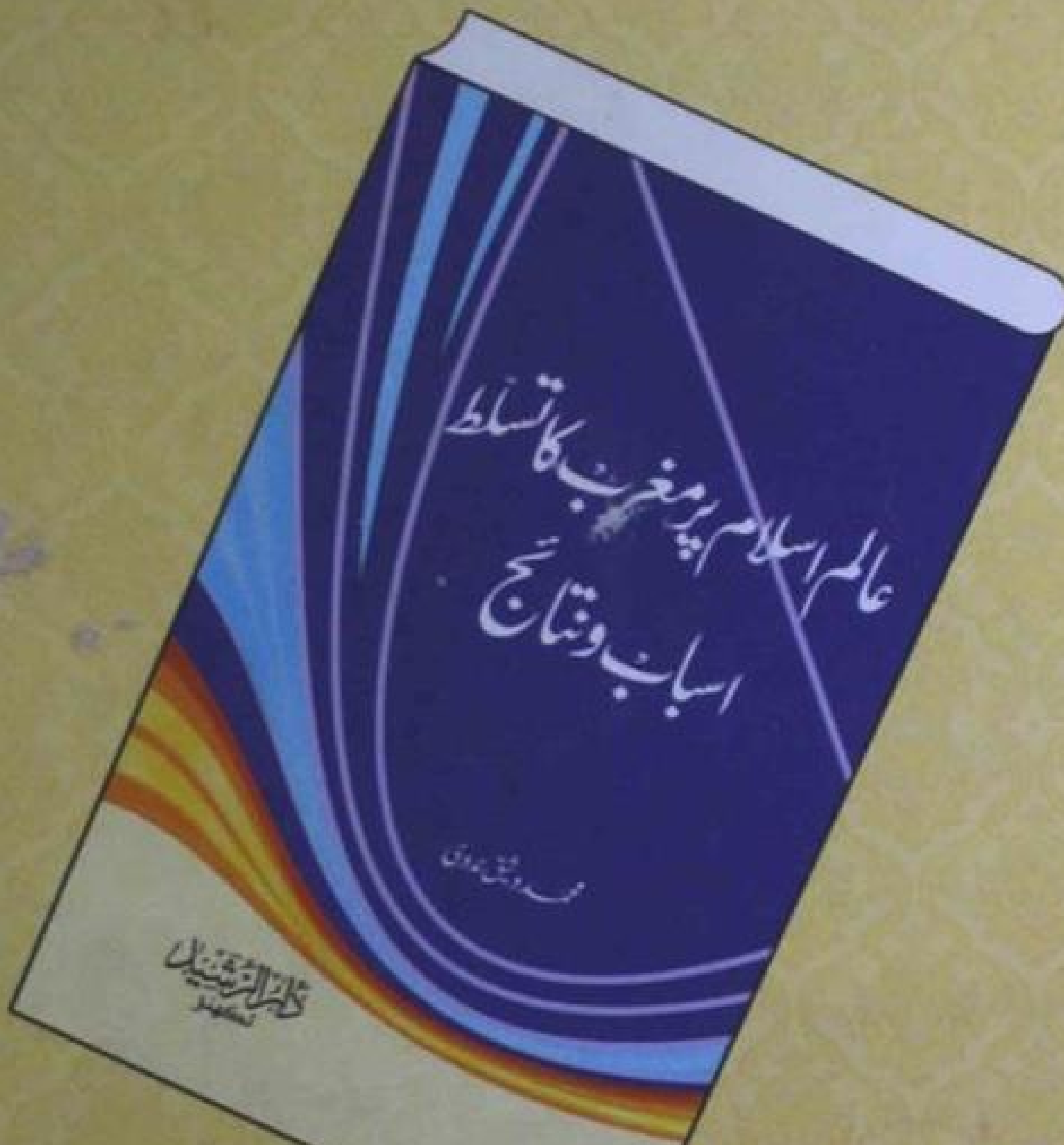
(۲۸) تهافت العلمانية، ص: ۱۹۴

(۲۹) تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، از: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ص ۱۳۲۔

(۳۰) ایضاً ص ۱۳۳۔ Islam in Modern History, New York 1957, P:36-37

(۳۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: الاسلام ومشکلات الحضارۃ، از: سید قطب شہید۔

(۳۲) شمارہ نمبر: ۱۷۶۵، ۱۸/۸/۲۰۰۷ء۔
(۳۳) المجتمع، شمارہ نمبر ۱۸۲۲، ۱۱/۱۰/۲۰۰۸ء۔
(۳۴) منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین از مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ص ۱۳۶-۱۴۱۔
(۳۵) تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، ص: ۳۴۔
(۳۶) دستور حیات، از: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، ص: ۲۰۹۔
(۳۷) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، از: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، ص: ۲۹۴۔
(۳۸) تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، ص: ۳۵۔
(۳۹) مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، از: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، ص: ۲۹۷۔
(۴۰) ایضاً، ص: ۳۰۲۔



دار الرشید
Dar Al Rasheed

164/106 Khatoon Manzil, Haidar Mirza Road
Golaganj, Lucknow. Mo: 9452294097-9838154415

Designed by Hamid Mob:9889654027, 8563007537 E-mail:hrhamid1962@gmail.com